نعت رنگ

صبیح رحمانی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نعتیہ ادب کا کتابی سلسلہ

نعت رنگ

مرتب:

صبیح رحمانی

معاونین

رشید وارثی | عزیز احسن

سید معراج جامی | انور حسین صدیقی

اقلیمِ نعت

نعت رنگ	کتاب نمبر ۴
اشاعت اول	مئی ۱۹۹۷ء
قیمت	۱۵۰ روپے
کمپوزنگ	میڈیا کمپوزنگ سروس فون ۲۶۳۳۳۳۴
سرورق	رشید صدیقی و رشید وارثی
تصحیح کتابت	مولانا شاہ محمد تبریزی
جلد سازی	رحمت علی بک بائنڈنگ ناظم آباد نمبر ۲
بہ اشتراک	طاہر کشفی میموریل سوسائیٹی کراچی
ناشر	اقلیم نعت
تقسیم کار	مکتبہ تعمیر انسانیت اردو بازار لاہور
" "	پنجاب بک ہاؤس اردو بازار کراچی
" "	ممتاز پبلشر اردو بازار کراچی

مرتب و پبلشر صبیح رحمانی نے
ایس اے اے پرنٹرز سے چھپوا کر صدر دفتر اقلیم نعت
۲۵-ای، ٹی اینڈ ٹی فلیٹ فیز ۵ شادمان ٹاؤن نمبر ۲ شمالی کراچی ۷۵۸۵۰ پاکستان
سے جاری کیا۔

عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت سے
اردو نعت کے کلاسیکی اسلوب کو
جدید طرز اظہار و فکر سے ہم آہنگ کرنے والے
صوفی افضل فقیرؒ
حافظ مظہر الدینؒ
حافظ لدھیانوی
اور حنیف اسعدی
کے نام

دھنک

منظوم تراجم

فکر و فن!

مدحت!

خاکہ!

مطالعات کتب!

احوال

کتابی سلسلے "نعت رنگ" کی چوتھی کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ ہمارے نزدیک ادب (اور بالخصوص نعت) ہم پر کاروبارِ حیات کو سہل بناتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام انسانیت کا نکتہ معراج اور دائمی سمت نما ہیں۔ اور نعت انہیںؐ کا تخلیقی تذکرہ۔ یہ وہ ذکر ہے جو نہ صرف ہماری زندگیوں کا قبلہ درست کرتا ہے بلکہ ہمیں اس کارگہ شیشہ گری میں سانس لینے کا سلیقہ بھی عطا کرتا ہے۔

اس سلسلے کی گذشتہ کتابوں میں شائع ہونے والے نعتیہ ادب پاروں کی پسندیدگی سے قطع نظر۔ نعت پر تنقیدی گفتگو کو بڑی اہمیت دی گئی اور سراہا گیا۔ لیکن کچھ دوستوں نے اسے ناپسند بھی کیا اور مقام حیرت یہ کہ ان دوستوں میں اکثریت نعت نگاروں کی ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ یہ رویہ کوئی نیا نہیں ہے اور نہ یہ مسئلہ صرف نعتیہ ادب کے تخلیق کاروں کا ہے بلکہ ادب کی مجموعی فضا میں بھی ہم عصر تنقید کے بارے میں تخلیق کار کا رویہ یہی رہا ہے اور وہ اس کی پروا کیے بغیر اپنی تخلیقی سرگرمیوں میں مصروف رہتا ہے اور اپنے زمانے کی تنقید میں دلچسپی نہیں لیتا۔ تخلیق کار کی تنقید سے اس لاتعلقی کے باوجود ادب پاروں کی پرکھ کیلئے قاری بہرحال نقاد ہی کی طرف دیکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ ہمیں کسی بھی عہد کے تخلیقی خدوخال دیکھنے کے لیے اسی عہد کے آئینۂ تنقید کی ضرورت پڑتی ہے۔

جہاں تک نعتیہ ادب کی بات ہے تو اس کی صورت حال اس لحاظ سے اور بھی ابتر ہے کہ اسے کسی بھی عہد میں باقاعدہ تنقید کا سامنا نہیں کرنا پڑا اور نتیجتاً "اربابِ نقد و نظر" نے اسے "شعرِ عقیدت" کا نام دے کر عام ادبی فضا سے دور کر دیا اور یہ تکلیف دہ صورت حال کسی حد تک اب بھی برقرار ہے

"نعت رنگ" میں شائع ہونے والی تنقیدی گفتگو سے اہل فکر و نظر نے اس اہم صنف سخن اور اس کے فکری و فنی پہلوؤں کی طرف سنجیدگی سے غور کرنا شروع کر دیا ہے اور یہی ہماری کامیابی کی پہلی منزل

ہے۔ "نعت رنگ" کے جو ادبی اثرات مرتب ہو رہے ہیں وہ آپ کے سامنے ہیں۔ اب وہ دن دور نہیں جب نعت اپنے پورے تقدس اور پوری ادبی شان کے ساتھ دیگر اصناف سخن کے ہجوم میں نمایاں نظر آئے گی۔ میں اس اہم اور نازک موڑ پر اپنے عہد کے نعت نگاروں سے مودبانہ التماس کروں گا کہ نعت کی ادبی اور فنی شناخت کے لیے کی جانے والی ان کاوشوں کو کھلے ذہنوں اور کشادہ دلی کے ساتھ قبول کریں اگر آج ہم نعت کے ادبی، فکری اور فنی پہلوؤں پر گفتگو کو رواج دینے میں کامیاب ہو گئے تو کل نعت اور نعت نگاروں کو ادب اور تاریخ ادب میں ان کا جائز مقام مل جائے گا۔ اس صورت میں فائدہ یقیناً" نعت نگاروں ہی کو ہو گا۔

ہمیں تخلیق کاروں (اور بالخصوص نعت نگاروں) کی حساس طبیعت کا علم ہے اپنے فن پر تنقیدی گفتگو یقیناً" ان پر گراں گزرتی ہو گی۔ ہم بھی ان آبگینوں کی نزاکت سے بے خبر نہیں۔ مگر تنقید کی آنچ وہ آنچ ہے جو شیشے کو توڑتی نہیں بلکہ پختہ تر کرتی ہے۔ وہ شیشہ جو بھٹی کی آگ سے مسکراتا ہوا نکلتا ہے شیشے کی آبرو بن جاتا ہے جہاں تک کسی کی دل آزاری کی بات ہے تو ہماری ہمیشہ یہی کوشش رہی ہے کہ ہمارے ہاں شائع ہونے والے تبصرے کسی ذات پر نہ ہوں بلکہ بات فن تک محدود رہے کہ فن کو پرکھنے والے تکریم فن کار کے بھی قائل ہوتے ہیں۔

ہم یہ بات بھی عرض کر چکے ہیں کہ "نعت رنگ" نے نعت کی تاریخ سے آگے بڑھ کر مسائل نعت پر فکر کو آگے بڑھانے کی کوشش کی ہے۔ زیر نظر شمارے میں بھی اس راستے پر ہم نے کچھ اور سفر طے کیا ہے۔ گزشتہ دنوں کچھ یاران نکتہ داں نے یہ مسئلہ اٹھایا تھا کہ کیا نعت ایک صنف سخن ہے؟ نعت رنگ اسی سوال کا جواب ہے۔ اور اس جواب کے مستقل پہلو انشاء اللہ مسلسل نظر کے سامنے آتے رہیں گے اس کتاب میں بھی آپ کو خاصی تفصیل کے ساتھ اس مسئلہ پر گفتگو نظر آئے گی۔ مقالات سے قطع نظر نعت کے مسائل اور بہت سے پہلو خطوط کا موضوع بن سکتے ہیں ہماری تمنا ہے کہ آپ کے خطوط "نعت رنگ" کی توصیف تک محدود نہ رہیں بلکہ بزم فکر و نظر بن جائیں۔ کئی احباب نے اپنے خطوط میں ان مضامین کی اشاعت پر "تعجب" کا اظہار کیا ہے جن کے مندرجات سے انہیں اتفاق نہیں۔ ہم اس بات کی طرف بھی اشارہ کر چکے ہیں کہ مقالا نگاروں سے ہمارا متفق ہونا ضروری نہیں علاوہ ازیں اگر علم و ادب اور فنون کی دنیا میں یہ اختلافات نہ ہوتے تو فکر و نظر کے بہت سے گوشے اپنے امکانات کے ساتھ ہمارے سامنے نہ آپاتے۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ فکری اختلاف محض مخالفت نہ بننے پائے اور اختلاف کرتے ہوئے لہجے کی متانت اور اسلوب کی شرافت برقرار رہے۔

نعت رنگ میں آپ مختلف شعراء کی نعتوں کے گوشے ملاحظہ فرما چکے ہیں ہم کوشش کریں گے کہ آئندہ سے انتخاب کے ساتھ ان شعراء پر تنقید و تبصرہ کا آغاز بھی کریں اور خود وہ شاعر بھی اپنی زندگی اور

فن پر مختصرا" اظہار خیال کریں یوں اس گوشے کی حیثیت بھی ایک دستاویز کی ہو جائے گی۔

"نعت رنگ" کی مقبولیت کے باعث ہمیں ہندوستان، مشرق وسطی، یورپ اور شمالی امریکہ میں رہنے والوں کی جو نعتیں موصول ہو رہی ہیں ان میں ان کی زندگی میں مسائل کی نمود بہت نمایاں ہے۔ جس کی طرف اب تک توجہ نہیں دی گئی۔ ہم ان علاقوں میں لکھی جانے والی نعتوں کے نقوش آپ کے سامنے پیش کریں گے اور یوں نعت کے نئے موضوعات کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔ ہم نے جو ترجمے پیش کئے ہیں ان کا مطالعہ یہ بات آپ پر واضح کر سکتا ہے۔ ہشام علی حافظ کی نعت میں دیار رحمتہ للعالمین کا تذکرہ جس طرح آیا ہے وہ ہمارے احاطہ فن و خیال سے مختلف ہے اسی طرح اس شمارے میں ایک مسلمان خاتون کی انگریزی نعت آپ ملاحظہ کریں گے اور گواہی دیں گے کہ یہ دھڑکن ہماری مشترکہ دھڑکن ہونے کے ساتھ ساتھ ایک انفرادی آہنگ بھی رکھتی ہے۔ امید ہے اس گفتگو کے پس منظر میں آپ "نعت رنگ" کو نہ صرف خصوصی توجہ سے پڑھیں گی بلکہ اس کے مقاصد کو سمجھ سکیں گے۔ ہمیں آپ کی رائے اور مشوروں کا دھڑکتے دل کے ساتھ انتظار رہے گا

صبیح رحمانی

حمد

میں اس کا نام لیتا ہوں
تو ہونٹوں پر
تبسم کی دھنک لہرانے لگتی ہے
میں اس کو یاد کرتا ہوں
تو اک مانوس سی خوشبو
مجھے مہکانے لگتی ہے
وہ میرے دل میں رہتا ہے گل امید کی صورت
زمانے کی شب تاریک میں خورشید کی صورت

امجد اسلام امجد

حمدیہ ہائیکو

یارب تیری شان
لفظوں سے ہے بالا تر
کیسے کروں بیان

(محسن بھوپالی)

جھوٹ ہیں سارے در
سب سے بڑا سچ دنیا میں
اللہ اکبر

(اقبال حیدر)

اونچا اس کا نام
معنی باندھیں جس کی خاطر
لفظوں کا احرام

(تاجدار عادل)

کیسے تجھے پائیں
تجھ کو ڈھونڈنے نکلیں تو
سوچیں تھک جائیں

(صبیح رحمانی)

تضمین بر کلام خواجہ میر درد

ممکن نہیں عرفان ترے جاہ و حشم کا
اس راہ میں بارا نہیں دو چار قدم کا
ہوتا ہے لہو خشک یہاں اہل ہم کا
"مقدور ہمیں کب ترے وصفوں کے رقم کا
حقا کہ خداوند ہے تو لوح و قلم کا"

میں بندۂ ناچیز ہوں، تو رب علیٰ ہے
ادراک و تخیل کی رسائی سے ورا ہے
اک فرض جلی گرچہ تری حمد و ثنا ہے
"اس مسند عزت پہ کہ تو جلوہ نما ہے
کیا تاب گزر ہوئے تعقل کے قدم کا"

کرتی ہے نظارہ ترے الطاف کا چتون
ہیں تیرے ہی ممنون وہ صحرا ہو کہ گلشن
منت کش اکرام سبھی اقبح و احسن
آباد ہے تجھ سے ہی تو گھر دیر و حرم کا

دھمکا نہیں سکتی مجھے دنیا کسی ڈھب سے
کیا مجھ کو ڈرائے گا کوئی رنج و تعب سے
بے خوف ہوں اس صفحۂ گیتی پہ میں سب سے
"ہے خوف اگر جی میں تو ہے تیرے غضب سے
اور دل میں بھروسا ہے تو ہے تیرے کرم کا"

وہ عمر جو حافظ کے مقدر میں لکھی تھی
اک ساعت موہوم تھی، ظاہر میں بڑی تھی
پیغام اجل آنے میں کیا دیر لگی تھی
"مانند حباب آنکھ تو اے درد کھلی تھی
کھینچا نہ پر اس بحر میں عرصہ کوئی دم کا"

حافظ عبدالغفار حافظ

مناجات

شفیق الدین شارق

مرا خدا مجھ پہ مہرباں ہے　　عطا اسی کی وہ سائباں ہے
جو دھوپ برسات سے بچائے　　تمام آفات سے بچائے
اگرچہ خود ساختہ انا نے　　تراشے کیا کیا نئے بہانے
کہ اپنی مایوسیوں کی چادر　　میں رکھے خود کو چھپا چھپا کر
کرے وہ تعمیر اپنے اہرام　　نہ پا سکے یوں بھی کچھ در و بام
نظر نہ آئے جو حرف روشن　　رہے اندھیری زمین ایمن
اگرچہ دیوار چین کھینچے　　مگر تحفظ نہ پھر بھی پائے
خیال ایسے بھی سر اٹھائیں　　جو صورتیں فلسفوں کی دھاریں
جواز ہر کج روی کا لائیں　　مدد کو بدحالیاں بھی آئیں
میں جہل کا نام علم رکھوں　　بس ایسے کاموں سے کام رکھوں
چلوں میں جن راستوں پہ تن کے　　وہی لپٹ جائیں سانپ بن کے
جو سمت ہو سعیٔ رائیگاں کی　　ملے مجھے فصل اک زیاں کی
میں اپنا مقتول اپنا قاتل　　ہوں کس سے اس خوں بہا کا سائل
مگر کھلیں فہم کے جھروکے　　تو جیسے میں جاگتا ہوں سو کے
مرا خدا کتنا مہرباں ہے　　حد اس کے اکرام کی کہاں ہے
ہے اس کو قدرت ہر ایک شے پر　　وہ مالک کل ہے عدل گستر
اک ایسا دیتا ہے مجھ کو احساس　　کہ جیسے ہو وہ مرے بہت پاس
وہ مجھ کو سنتا ہے دیکھتا ہے　　کہ اول آخر مرا خدا ہے
بدلنے لگتا ہے حال دل کا　　کہ ہونے لگتا ہے اک یقیں سا

مری دعائیں قبول ہوں گی
یہ بند کلیاں بھی پھول ہوں گی

نعت اور گنجینۂ مع

سخنِ مختصر تحریر اور تقریر کا کمال ہے۔ میں اس
اختصار پر نظر رکھتا ہوں، لیکن یہ تحریر طویل تر
کہ میں اپنے عنوان سے فائدہ اٹھا کر کئی سا
کوششوں کی قباحتوں سے بے خبر نہیں،
موضوعات و مسائل نعت پر لکھنے کا ارادہ ک
"عرفت ربی بفسخ العزائم" میں نے اپنے ار
پہچانا۔

بجز ارادہ پرستی خدا
وہ بدنصیب جسے بخت

اس تحریر میں کئی ادبی مسائل چھیڑنا چاہت
کے لئے اجنبی تو نہ ہوں گے لیکن رویّہ (ach
ادبی اور لسانی مسائل، وہ جن پر محفلوں میں
صاحبان تحریروں میں بھی ان کی طرف اشارہ
رہتے ہیں۔ شاید ان کے خیال میں نعت پر کچھ
مجروح ہو گی۔ میں نے نعت کے موضوعات ک
اسلوب اور موضوع کے درمیان لکیر نہیں کھینچ
ذکر بھی آئے گا۔ ظاہر ہے کہ ایک صنف سخ
موضوعات سے یکسر اجتناب نہیں برتا جا سکتا۔
حصے کے بعض مباحث کا شاید نعت میں الفاظ
ہو، لیکن راقم الحروف نے سوچا کہ معنیٔ 'لغوی
باتیں مختصراً' پیش کر دینا مفید ہو گا' بس یہی خیا
کا محرک ہے۔

...ی کا طلسم

ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی

...نے تمام عجز کلام و تحریر کے باوصف
...ہوگی (نسبتہً)۔ پہلا سبب یہ ہے
...ائل کو پیش کرنا چاہتا ہوں۔ ایسی
...لیکن کیا کروں، مدتوں سے کئی
...رتا رہا ہوں، مگر سچ تو یہ ہے کہ
...ادوں کے ٹوٹنے سے اپنے رب کو

...کو کیا جانے
...نارسا نہ ملا

...تا ہوں جو نعت رنگ کے قارئین
...approa) میں مختلف ہوں گے۔
...ی اختلافی گفتگو ہوتی ہے۔ بعض
...کرتے ہیں مگر تفصیل سے گریزاں
...کے لکھنے سے ان کی تنقیدی حیثیت
...کو اپنا موضوع نہیں بنایا ہے، مگر
...نہی جا سکتی، اسی لئے موضوعات کا
...ان پر گفتگو کرتے ہوئے اس کے
...اس مطالعہ کے پہلے اور دوسرے
...کے استعمال سے راست تعلق نہ
...اور فہمیہ کے بارے میں بھی چند
...ال ان مباحث کی طرف اشاروں

زبان، زندگی اور اظہار

اطراف وجوانب کا جائزہ

"اس نے کُن کہا
اور کائنات وجود میں آگئی"

"کُن فیکون" میں تخلیق کائنات کی ساری کہانی سمٹ آتی ہے۔ زبان انسان کے لئے اللہ کا سب سے بڑا عطیہ ہے۔ اور اگر آپ ان لوگوں میں سے ہیں جو خدا کو انسانوں کے معاملے میں شامل کرنے سے گریز کرتے ہیں تو آپ زبان کو انسان کی سب سے بڑی اور اہم ایجاد سے تعبیر کریں گے۔ اور زبان کیا ہے۔ یہ بنیادی طور پر لفظوں کا مجموعہ ہے۔ لیجئے اللہ سے گریز کر کے ہم کہاں جائیں گے؟ اور کتنی دور جا سکتے ہیں۔ شاید والٹیر نے کہا تھا کہ اگر کوئی خدا نہ ہوتا تو انسان کو ایک خدا ایجاد کرنا پڑتا۔ یہ اثباتِ وجودِ خداوندی کی بڑی بلیغ دلیل ہے بشرطیکہ پڑھنے والے زبان اور اندازو اسالیب کلام سے واقف ہوں۔

کیا آپ زبان کے بغیر انسانی زندگی اور سرگرمیوں کے بارے میں سوچ سکتے ہیں؟ مشینوں کی آواز شہروں میں ہر طرف گونجتی ہے، گاڑیوں کی آوازیں زندگی کے رواں دواں ہونے کا استعارہ ہیں، لیکن اگر انسان دس منٹ کے لیے بھی ساری دنیا، یا کسی ایک انسانی بستی میں خاموش ہو جائیں تو ہم سے کتنے لوگ ایسی خاموشی کو سہار سکیں گے؟۔ ہوا کی طرح تکلّم کی دولت اتنی عام ہے کہ ہم اس کی اہمیت کے بارے میں کبھی نہیں سوچتے۔

زبان انسانی زندگی کا لازمی اور "ناگزیر" حصہ ہے۔ ہم اوسطاً "ایک گھنٹے میں چار پانچ ہزار الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ کانفرنسوں، دفتروں، تعلیمی اداروں اور دکانوں سے لے کر خواب گاہوں تک زبان کے استعمال کا دائرہ پھیلا ہوا ہے۔ زبان کے استعمال کا اعلیٰ ترین مرحلہ ادب ہے۔ ادب میں انسانی روح کی بلندیاں، جذبات کا ارتعاش، اشتعال اور تہذیب... سبھی کا اظہار نظر آتا ہے۔ زبان کے ذریعہ ہی انسان اپنے اُن جذبات و افکار کا اظہار کرتا ہے جن سے اس کی رفعت، بے غرضی، آفاق گیر محبت اور اس کی انسانیت کا اندازہ ہوتا ہے، اور زبان کے ذریعہ ہی انسان دوسروں کے خلاف اپنی نفرت کا زہر اگلتا ہے۔ طلاق کے مقدموں میں فریقین کا ایک دوسرے کو اخلاقی طور پر عریاں کرنا، ہڑتالوں اور سیاسی مظاہروں میں مخالفین کی کردار کشی، عالم جنوں میں ذہن کی بے ربطی کا اظہار... ان میں سے ہر چیز کا تعلق زبان سے ہے۔ زبان کے ذریعہ ہی ہم ماضی سے اپنا رشتہ جوڑتے ہیں، حال کے مسائل سے نبرد آزما ہوتے ہیں اور مستقبل کے خاکے کو اپنی نسل کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ زبان ہی کے ذریعہ ہم اپنے

فکری سفر کو جاری کرتے ہیں۔ ایک نسل جس مرحلے تک انسانی فکر کو پہنچاتی ہے' اگلی نسل وہیں سے اس کو زبان کے ذریعہ آگے بڑھاتی ہے۔ لکھے ہوئے حرف کی مدد سے ہم اپنے کتب خانوں اور اپنے گھروں میں سقراط' اور ارسطو' غزالی' رومی' البیرونی اور ابن خلدون سے لے کر اقبال ٹیگور' جوش' فیض' ٹی ایس ایلیٹ' فاکنر تک کتنے ہی لوگوں سے کلام کرتے ہیں۔ کتاب خوانی بھی یک طرفہ معاملہ نہیں' ہم بڑے مصنفوں اور مفکروں سے مکالمہ کرتے ہیں۔ سرسید' حالی اور شبلی جیسے اکابر ہمارے لئے ماضی کے نام نہیں بلکہ ایک اعتبار سے ہمارے ساتھی اور دوست ہیں۔ ہم سے باتیں کرتے ہیں' ہم میں حوصلہ پیدا کرتے ہیں اور جہاں اندھیرا گہرا ہوتا ہے وہاں ہمارے ساتھ وہ مشعل بدست راہ طے کرتے ہیں۔

الفرڈ کورزسکی (ALFRED KORZYRSKI) نے دوسرے جانوروں کے ساتھ انسان کا مقابلہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

> "انسان چیزوں کو بہتر بنا سکتا ہے' جانور یہ نہیں کرسکتے۔ انسان ترقی کرتا ہے جانور نہیں کرتے۔ انسان پیچیدہ سے پیچیدہ تر آلات ایجاد کرتا ہے جانور نہیں کرتے۔ انسان مادّی اور روحانی دولت و تجربات کا خالق ہے' دوسرے حیوان نہیں ہیں انسان تہذیب کا معمار ہے دوسرے حیوان نہیں ہیں" (۱)

انسان اور دوسرے حیوانوں میں یہ فرق زبان اور صرف زبان کی وجہ سے ہے۔ انسان نے اپنے تجربات کو زبان کے ذریعہ محفوظ کیا' اپنی ایجادات کے طریق کار اور تکنیک کو زبان کے ذریعہ دوسری نسل تک پہنچایا۔ انسان کی تمام روحانی اور مادی فتوحات اور ترقیوں کا سرچشمہ اس کا ذہن اور زبان ہے۔ تہذیب کی تعمیر زبان کی بنیاد پر قائم ہے۔ ایک نسل کے کمالات' دانش اور فنی مہارت زبان کے ذریعہ آنے والی نسلوں تک منتقل ہوتی ہے۔ زبان نے انسان کو کیا کچھ عطا کیا ہے اور انسان کے لئے کیا کچھ کیا ہے۔ اس پھیلی ہوئی اور انتہائی وسیع داستاں کو اروِنگ جے۔ لی نے ایک چھوٹے سے جملے میں سمیٹ لیا ہے۔

It has given him The earth

زبان نے زمین کو انسان کے زیر نگیں بنا دیا' زبان نے انسان کو جہاں گیر بنا دیا۔ یہ زمین' اس کے خزانے' اس کے اسرار' اس کے امکانات سب کچھ انسان کے دائرہ علم میں زبان کے وسیلے ہی سے آئے ہیں۔

زبان نے انسان کے تجربوں اور ترقیوں کا ساتھ دیا ہے۔ اس کا اندازہ آپ کسی بھی زبان کی لغت سے لگا سکتے ہیں۔ ایسی لغت جو تاریخی اصولوں پر مرتّب کی گئی ہو' اور جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ کون سے الفاظ زبان میں کب داخل ہوئے۔ "قمر نورد" اور "خلا نورد" کے الفاظ گزشتہ تیس برسوں کے اندر ہماری زبان کا حصہ بنے ہیں۔ Cloning کا لفظ تو اپنے نئے معانی' امکانات اور خطرات کے ساتھ

۱۹۹۶ء کا لفظ ہے۔ اب اس کے لئے ہمیں کوئی لفظ اور اصطلاح تخلیق کرنی ہو گی۔ ایک مختصر اصطلاح تو "ہم زادگی" ہو سکتی ہے اور یہ نئے مفاہیم کا بڑی حد تک احاطہ بھی کر رہی ہے۔ پھر "ہم زاد" کے پرانے لفظ کو نئے معانی بن گئے ہیں۔ اب "ہم زاد" لغوی اور حیاتیاتی سطح پر بھی "ہم زاد" بن گیا ہے۔

انسانی زبان کی سب سے بڑی صفت اور خصوصیت اس کی باز آفرینی ہے۔ یہ جملے جو میں نے اس تحریر میں لکھے ہیں اس سے پہلے اس طرح کبھی نہیں لکھے تھے' اگرچہ یہ مضمون میں نے پہلے بھی ادا کیا ہو گا۔ اسی طرح زبان سے متعلق یہ باتیں آپ نے مختلف الفاظ اور اسلوب میں پہلے بھی پڑھی ہوں گی یا سوچی ہوں گی' لیکن ان الفاظ اور سیاق و سباق میں پہلی بار آپ کے سامنے آئی ہیں۔ لیکن ان کی تفہیم میں آپ کو کوئی زحمت نہیں ہوئی۔ اس کا سبب زبان کی باز آفرینی کی صفت ہے۔ محدود معانی میں کہا جاتا ہے کہ دوسرے جانور بھی اپنی زبان رکھتے ہیں۔ کتّا بھونکتا ہے اور اس کے بھونکنے میں صورت حال کے مطابق تبدیلیاں بھی ہوتی ہیں۔ اپنے مالک کا استقبال کرتے ہوئے کتّے کا بھونکنا' کُتیا کے ساتھ اظہار محبت کے لئے کتّے کا آواز نکالنا' کسی اجنبی کو دیکھ کر کتّے کا بھونکنا' حملہ کرتے ہوئے اس کی غراہٹ اور "بھونک" وغیرہ وغیرہ۔ آپ کتّے کے ہر صوتی اشارے کو کسی لفظ کی طرح سمجھ لیجئے۔ لیکن یہ صوتی اشارے چند ہیں۔ بہت محدود... دس بارہ... اور ان میں ہزاروں سال سے کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ لیکن انسانی زبان میں مسلسل اضافہ ہوتا ہے' ذخیرۂ لغت بدلتا رہتا ہے' الفاظ کے معانی بدلتے رہتے ہیں۔ خواص عربی کا لفظ ہے۔ عوام و خواص' دوا کے خواص اور پھر "خواص آئی"... خواص کے اور مفہوم بھی ہوں گے' لیکن ان کی تلاش کا یہ موقع نہیں۔ صرف تیسری صورت پر غور کیجئے۔ "خواص آئی۔" یہاں خواص خالص اردو کا لفظ ہے جسے کوئی عرب نہیں سمجھ سکتا۔ ہم نے جمع کو واحد بنا لیا اور پھر اسے "تانیث" کے مرتبے سے مشرف کر دیا۔ "اخبار" کہاں ہے... خبر کی جمع کو ہم مجلّہ (News paper) کے معنی میں استعمال کرتے ہیں۔

زبان کی تاریخ میں مختلف مرحلے آتے رہتے ہیں۔ ایسے دور جن میں اسالیب میں تبدیلیاں آتی ہیں' لفظوں کے معانی بدلتے ہیں۔ اور ایسے دور جن میں اسالیب میں استحکام رہتا ہے۔ سرسید تو "جدید دورِ زبان" سے تعلق رکھتے ہیں' مگر ان کی زبان آج کی زبان سے خاصی مختلف ہو گئی ہے۔ تذکرہ اولیاؤں کا' ذکر دلّی کا... اب مضاف مضاف الیہ کی ترتیب مختلف ہے' مگر دلچسپ بات یہ کہ قدیم ترتیب بھی خصوصی اثرات پیدا کرنے کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ شاعری کے دامن میں بالخصوص قدیم اسالیب کو پناہ مل جاتی ہے۔ "تک کی جگہ "تلک" آج بھی شاعری کا حصہ ہے۔ اسی طرح مضارع کا استعمال۔

دل ہے کہ فراق اب تک دامن کو چھڑائے ہے

کلیم عاجز اور کئی شاعروں نے مضارع کو اپنے اسلوب کا حصہ بنا لیا ہے۔

تم قتل کرو ہو کہ کرامات کرو ہو

اسی طرح لفظ "تُو" پر غور کیجئے۔ اب روز مرّہ کی گفتگو میں "تو" نے "تم" اور "آپ" کے لئے جگہ خالی کر دی ہے، مگر ادب اور شاعری کی دنیا میں یہ ایک زندہ اور توانا لفظ ہے۔ ایسا لفظ جو روایات اور معانی کی دنیا ہے۔ اس لفظ کے بارے میں قدرے تفصیلی گفتگو آنے والی سطور میں کی جائے گی۔

زبان کی نحوی ترتیب اور اس کا تنوع اور معانی سے اس ترتیب کا رشتہ ہمارا موضوع نہیں ہے۔ ہم بنیادی طور پر اپنے آپ کو لفظ تک محدود رکھیں گے، اگرچہ ترتیب کا ذکر بھی اشارۃً آجائے گا۔

لفظ' کا رشتہ معانی سے ہے اور لفظ کی دنیا عجائبات اور طلسمات کی دنیا ہے۔ لفظ کسی بھی زبان کی اساس ہوتے ہیں۔ اشیاء کا علم انسان کو لفظ اور بالخصوص "اسم" کے ذریعہ ملا ہے۔ "ریڈیو" ایک چھوٹا سا لفظ ہے، لیکن یہ لفظ ہمیں انجینئرنگ، طبیعیات، لسانیات کی وسیع دنیا تک لے جا سکتا ہے۔ "شیر" کہتے ہیں انسانی ذہن میں کتنی تصویریں آجاتی ہیں۔ کسی سننے والے کے ذہن میں کوئی مرد جری آجائے گا۔

ضیغم ڈکارتا ہوا نکلا کچھار سے

ضیغم کے لفظ کو رُد کرنے کی ضرورت نہیں۔ نثر میں کہہ لیجئے کہ پھر شیر میدان جنگ میں آگے بڑھا۔ کسی کے ذہن میں شیر کے لفظ سے چڑیا گھر کا تصور آسکتا ہے۔ "قیدی شیر"۔ کسی کا تلازمۂ خیال اسے شیر کے کسی مجسمہ تک لے جا سکتا ہے۔

ہر لفظ کے ساتھ معنوی مضمرات ہوتے ہیں اور ہر لفظ ہمارے تلازمۂ خیال کے وسیع سلسلہ کا حصہ بن جاتا ہے۔ "سرخ" کا لفظ ہمیں انقلاب اور خون کی یاد دلا سکتا ہے یا پھر ہمارے ذہن کو گلاب کے پھولوں سے مہکا سکتا ہے۔ روز مرّہ زندگی میں بھی لفظ کے یہ پہلو اور امکانات نظر آتے ہیں۔ انسان کی اس صفت کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے کہ وہ ہر چیز کو بہتر بنانا چاہتا ہے۔ یہی بات "کلام" کے بارے میں کہی جا سکتی ہے۔ ہر آدمی اپنی بات وضاحت اور قوت کے ساتھ کہنا چاہتا ہے۔ اور اس سلسلہ میں محنت بھی کرتا ہے۔ آپ ہر دن گداگروں کو دیکھتے ہیں کہ وہ کس قوت اور فصاحت کے ساتھ اپنی محتاجی اور ضرورت کو بیان کرتے ہیں۔ لکھنؤ میں ککڑی بیچنے والے اپنی ککڑیوں کو "لیلیٰ کی انگلیاں، مجنوں کی پسلیاں" کہہ کر اور یہی آوازیں لگا کر خریداروں کو اپنی طرف متوجہ کرتے تھے۔ کراچی میں بھی یہ حسنِ گفتار، مختلف انداز و اسلوب اور مختلف لسانی پس منظر کے ساتھ نظر آتا ہے۔

"لال لال تربوز۔ لے لو لے لو۔ میاں کے ہونٹوں کی سرخی لے۔"

"بڑا میٹھا آم۔ شربت کا جام"

مثالیں میں کیوں دوں" آپ اپنے حافظہ کو آواز دیجئے کہ دکانداروں، فقیروں اور دوسرے پیشہ وروں سے کیسے کیسے جملے، کیسے استعارے آپ نے سنے ہیں۔ الفاظ ادب ہی میں نہیں عام زندگی میں بھی مختلف

سطحوں پر استعمال ہوتے ہیں۔ عام آدمی آپ سے فصاحت کے اصولوں پر گفتگو نہ کر سکے مگر وہ یہ اصول اپنی زندگی میں عملی طور پر برتتا ہے۔ اسے قافیہ کا لفظ، ممکن ہے نہ معلوم ہو، مگر وہ ہم صوت الفاظ کی قوت، حسن اور استعمال کو خوب جانتا ہو، سیاسی نعروں میں بھی لسانی پہلو ابھر کر سامنے آتے ہیں۔ عام بولنے والا لفظوں کے معانی کے ساتھ ان کی آوازوں کی گرفت کو خوب جانتا ہے۔

"قرض اتارو، ملک سنوارو"

۱۹۹۸ء گندم کا سال

ملک خوش حال

"کسان خوش حال"

"خود اُگاؤ، خود کھاؤ"

"رب کعبہ نصرت بھیج، رحمت بھیج"

"قاضی کی پکار - لشکر کی للکار"

"وفاق کی زنجیر - بے نظیر بے نظیر"

"نواز شریف اپنا شیر - باقی سب ہیر پھیر"

شکسپیئر کے عظیم ڈرامے "ہملٹ" میں پولینس اپنے آقا سے پوچھتا ہے۔

"میرے آقا! آپ کیا پڑھتے ہیں"

اور ہملٹ جواب دیتا ہے۔

لفظ۔ لفظ۔ لفظ"

میں نے لفظوں کے معنوی مضمرات کا ذکر کیا۔ اب ایک اور مسئلہ ہمارے سامنے آتا ہے اور وہ ہے مترادفات و مرادفات کا مسئلہ۔ ادبی مطالعے میں تو یہ ایک نازک اور اہم مسئلہ ہے، عام زندگی اور عام گفتگو میں بھی اس کی بڑی اہمیت ہے۔ ہر لفظ معنویت کا ایک دائرہ رکھتا ہے۔ "مرادف" بالکل ہم معانی الفاظ کو کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ کوئی دو لفظ ہم معنی نہیں ہوتے۔ اردو کا معاملہ مختلف ہے۔ اس میں ایک ہی چیز کے اسم مختلف زبانوں سے آتے ہیں۔ "ان کے ہم معانی ہونے میں کسے شبہ ہو سکتا ہے؟" آپ یہ سوال کر سکتے ہیں اور بجا طور پر، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسے الفاظ بھی اب اپنے اپنے محورِ معنوی پر رقص کرتے ہیں۔ "اوس" اور "شبنم" پر تو مولانا شبلی نے موازنہ انیس و دبیر میں گفتگو کی ہے۔

کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا
شبنم نے بھر دیے تھے کٹورے گلاب کے

یہ دونوں مصرعے آپ کے سامنے ہیں۔ "اوس" کی جگہ "شبنم" اور "شبنم" کی جگہ "اوس" کر کے

دیکھیئے اور پھر خود ہی ہنس پڑیے۔۔ پھر معاملہ اور آگے بڑھتا ہے۔ "اس کی امیدوں پر اوس پڑ گئی"۔ ذرا "اوس" کی جگہ امیدوں پر "شبنم" ڈال کر دیکھیے۔ محاورے میں ادنیٰ ترین تحریف کی اجازت آپ کی زبان آپ کو نہیں دے گی۔

"آسمان" "فلک" "چرخ" "آکاش" "سما اور سماوات"۔ یہ سب ایک معنی کے لیے اسم ہیں اور مکمل طور پر ہم معنی۔ لیکن کیا یہ سچ مچ' مرادف اور ہم معنی ہیں؟ میرا جواب نفی میں ہے۔ ان الفاظ میں فلک کے ساتھ ہی مصائب اور آفات کا سلسلہ ذہن میں آجاتا ہے۔ "بھلا گردش فلک کی چین دیتی ہے کسے انشا۔ ہندی میں "آکاش" کا معنوی شیڈ (Shade) یعنی ظل لونی اردو سے مختلف ہے۔ اردو والے جب یہ لفظ استعمال کرتے ہیں تو آسمان کے حسن کے اظہار کے لیے۔ "آکاش پہ تاروں کا جال" (مجاز)۔ سما اور سماوات تقابل اور فرق یا زمین و آسماں کے رشتہ کو اپنی گرفت میں لیتے ہیں۔ "از ارض تا سما۔" ان الفاظ میں سب سے نیوٹرل (لا لونی) لفظ آسمان ہے۔

"آج آسمان ابر آلود ہے"
"بارش ہوئی تو آسمان دھل کر نکھر گیا"

ویسے آسمان بھی فلک کے معانی میں استعمال ہوتا ہے۔

یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے
ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو

جس طرح ہم میں سے کوئی غیر ضروری بوجھ اپنے کاندھوں پر اٹھانا پسند نہیں کرے گا' اسی طرح زبانیں بھی مترادفات میں سے کچھ کو ترک کر دیتی ہے' یا پھر ان کو' معنوی فرق کے ساتھ استعمال کرنے لگتی ہیں۔ علامہ وتاتریہ کیفی نے اپنی مشہور کتاب "کیفیہ" کے تیسرے باب کا عنوان "مرادفات یا مترادف الفاظ" قائم کیا ہے اور لفظوں کے کئی جُگ (گروپ) درج کر کے ان کے معنوی فرق پر گفتگو کی ہے۔

(الف) رنج۔ غم۔ افسوس۔ تاسف
(ب) خوش۔ شاد۔ بشاش۔ باغ باغ
(ج) انس۔ الفت۔ محبت۔ عشق۔
(د) دبدا۔ جھجک۔ سانسا۔ کھٹکا۔ بچک۔ دھڑکا۔ سہم۔ سناٹا۔ ڈر

یہ بحث کیفیہ میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ ایسے مرادفات و مترادفات کی طویل فہرست بنائی جا سکتی ہے۔ علامہ کیفی نے فیصلہ ذوق سلیم پر چھوڑ دیا ہے۔ میری ناچیز رائے میں ایسے قریب المعنی الفاظ کا فرق بڑے ادیبوں اور بالخصوص شاعروں کی مدد سے سمجھا جا سکتا ہے۔ بجنوری مرحوم نے سچ کہا ہے کہ بڑے

شاعروں کا کلام الفاظ کے باب میں میدان حشر د نشر ہے۔ "صرف"، "فقط"، "بس"، "خالی"، "محض" اور "نرا" یہ قریب المعنی الفاظ ہیں جو استثنیٰ یا حصر کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ اب "نرا" کا استعمال سمجھنا ہو تو اکبر سے رجوع کیجئے۔

یوسف کو نہ سمجھے کہ حسیں بھی ہے جواں بھی
شاید نرے لیڈر تھے زلیخا کے میاں بھی

الفاظ کے کتنے ہی اور پہلو ہیں جن پر گفتگو کی جا سکتی ہے۔ کیا لفظ کی آواز اور معانی کے درمیان کوئی فطری تعلق ہوتا ہے؟ جن الفاظ کے مختلف معانی ہوتے ہیں، انہیں ایک ہی لفظ سمجھا جائے یا وہ مختلف الفاظ ہیں؟ مستعار الفاظ کا تلفّظ اصل زبان کے مطابق ہو گا یا دوسری زبان میں آنے کے بعد بدلا ہوا تلفّظ اس زبان کا معیاری تلفّظ ہو گا؟ کیا ہم مستعار الفاظ میں معنوی تصرف کر سکتے ہیں؟ لیکن یہ سب مسائل اس مطالعے سے تعلق نہیں رکھتے... ایک مسئلہ کی طرف مختصر اشارے مناسب ہوں گے (لیکن "گنجینۂ معنی" کے طور پر ہی لفظ کا مطالعہ، اس تحریر کا مقصد ہے)۔ جس بات کی طرف میں اشارہ کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اب جدید لسانیات کی روشنی میں لفظ، معنی کی پہلی یا بنیادی اکائی نہیں ہے بلکہ یہ حیثیت معنیہ (Phoneme) کو حاصل ہو گئی ہے۔ بول چال اور آواز کی پہلی اکائی صوتیہ ہے، مثلاً "آ"۔ ایک صوتیہ ہے، لیکن یہ صوتیہ، معنیہ بھی ہے۔ "آ" کسی کو بلانے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اور یہ ایک لفظ ہے۔ آنا، کا فعل امر۔ اب ہم "لفظ" کا مطالعہ معنیہ اور لغویہ (Lexeme) کی تین سطحوں پر کرتے ہیں، بلکہ چار سطحوں پر۔ چوتھی سطح فمیہ (Sememe) کی ہے۔ لفظ شیر کی مثال دی جا چکی ہے کہ اس ایک لفظ سے ایک ہی معنی کی کتنی شکلیں ذہن میں آتی ہیں ان میں سے ہر شکل ایک فمیہ ہے۔

(لغویہ اور فمیہ دونوں اصطلاحیں، راقم الحروف کی وضع کردہ ہیں۔)

لغویہ لفظ کی وہ شکل ہے جو لُغت میں اختیار کی جاتی ہے۔ "چور" ایک معنیہ بھی ہے، لفظ بھی اور لغویہ بھی۔ "بازار" ایک معنیہ بھی ہے، لفظ بھی اور لغویہ بھی۔ "چور بازار" ایک لغویہ ہے اور یوں لغت کی ایک اکائی ہے۔ یہ لغویہ دو معنیوں اور لفظوں کا مجموعہ ہے۔ "بازاری" ایک لفظ ہے جو دو معنیوں پر مشتمل ہے۔ "بازار" ایک آزاد معنیہ ہے اور "ی" پابند معنیہ کیونکہ اس کے الگ سے کوئی معنی نہیں۔ "چور بازاری" ایک لغویہ ہے جو تین معنیوں کا مجموعہ ہے۔ جدید لسانیات کے اس انداز سے لفظ و معانی کا مطالعہ زیادہ سائنسی اور گہرا بن گیا ہے۔ اب سابقہ اور لاحقہ کی جگہ ہم معنیہ کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔ "آزاد" اور "پابند" کے فرق نے معنیہ کے مطالعے میں کچھ اور وسعت آ گئی ہے۔

اور آخری بات یہ کہ "ادائیگی" یا "طرز ادا" کو بھی ایک معنیہ کی حیثیت حاصل ہے۔ ہمارے شاعر نے اس بڑی لسانی حقیقت اور لسانی مطالعے کے اس گہرے نکتے کو بہت پہلے پیش کر دیا تھا۔

تامل تو تھا ان کو آنے میں قاصد
مگر یہ بتا طرز انکار کیا تھی؟

ہم ایک ہی جملہ یا شعر یا مصرع کو مختلف انداز سے ادا کر سکتے ہیں اور طرزِ ادا کے اختلاف سے معانی بدل جاتے ہیں، یوں طرز ادا کو معنیہ کی حیثیت حاصل ہے۔

کیا وہ لاہور گیا تھا؟.. کیا حرف استفہام ہے اور اس کی مدد سے اس سوالیہ جملے کی تفہیم آسان ہو جاتی ہے، مگر آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں اور کہتے ہیں (لہجہ میں سوال پیدا کر کے "گیا تھا" کی ادائیگی کو بدل کر)

وہ لاہور گیا تھا؟

اسی جملہ کو اتار چڑھاؤ کے بغیر مستقیم انداز میں کہئے تو یہ بیانیہ جملہ ہو جائے گا۔

اقبال کا مشہور شعر ہے۔

پھول کی پتّی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مردِ ناداں پر کلام نرم و نازک بے اثر

پہلے مصرع کو استفہامیہ انداز میں بھی پڑھا جا سکتا ہے اور بیانیہ انداز میں بھی۔ معانی میں جو فرق پیدا ہو گا اس تک رسائی مشکل نہیں۔ افسوس ہمارے ہاں شعر خوانی کی روایت اور فن ختم ہو گیا۔ ادب، بالخصوص شعر کی قرأت کے مسئلہ سے ہم نے لاتعلق ہو کر کیا کچھ کھویا ہے؟ اس کا حساب اور اندازہ کون کرے گا۔

زبان اور شعر و ادب

عام زندگی میں زبان کی اہمیت اور اس کے رول کو اس مقالے کے تمہیدی حصہ میں پیش کیا گیا۔ "زبان" کے لفظ کو ہم "لفظ" سے بدل سکتے ہیں۔ اب ادب کے حوالے سے لفظ کی اہمیت پر غور کیجئے تو اندازہ ہو گا کہ لفظ ادب ہے۔ بالخصوص شاعری کے سلسلہ میں یہ بات اور بھی درست ہے۔

شاعری اور ادب کی بہت سی تعریفیں بیان کی گئی ہیں۔ مشرق میں بھی اور مغرب میں بھی۔ قدیم ہندوستان، یونان، روم، عرب دنیا۔ شعر و ادب کی نوعیت کو سمجھنے کی کوشش کرنے والوں میں فلسفی بھی شامل ہیں، شاعر اور نقاد بھی۔ ان تعریفوں میں بہت سی تعریفیں اعلیٰ ترین شاعری کا حسن رکھتی ہیں۔ یہ تعریفیں اُس بڑی صداقت کے کسی نہ کسی پہلو کو پیش کرتی ہیں جس کو ہم شعر کہتے ہیں، لیکن ان میں سے کوئی تعریف جامع و مانع نہیں ہے، اور ہو بھی نہیں سکتی تھی کیونکہ عظیم صداقتیں گرفت میں نہیں آتیں۔ ہم "زندگی" کی کیا تعریف بیان کر سکتے ہیں؟ اب تو جسمانی اور مادی سطح پر بھی زندگی اور موت کی تعریفیں بدل گئی ہیں۔ اب تک تو دل کے ٹھہر جانے کو موت کہا جاتا تھا، لیکن اب دماغ کی موت، موت ٹھہری

ہے۔ دل تو پندرہ بیس منٹ ٹھہرنے کے بعد بھی اپنا سفر شروع کر دیتا ہے۔ پھر کوئی زندگی کو پیمانۂ امروز و فردا (وقت) سے ناپنے کے لئے تیار نہیں بلکہ زندگی کو ایک جاری لہر قرار دیتا ہے۔

تو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ
جاوداں، پیہم دواں، ہر دم جواں ہے زندگی

کسی کے نزدیک زندگی مقاصدِ جلیلہ کی تجسیم ہے، کسی کے خیال میں زندگی ایک مسلسل امتحان کا نام ہے۔ یہ بڑی حقیقتیں عظیم اور پھیلے ہوئے سلسلۂ کوہ کی طرح ہوتی ہیں۔ اس سلسلہ کوہ کو کوئی مکمل طور پر نہیں دیکھ سکتا۔ جو جہاں سے دیکھتا ہے اسی کو بیان کر دیتا ہے۔ ان میں سے ہر بیان سچا ہوتا ہے مگر کوئی بیان مکمل نہیں ہوتا۔ آیئے شاعری کی چند تعریفوں کو دہرا لیں۔ ان میں تکنیکی تعریفیں بھی ہیں اور ایسی تعریفیں بھی جو اچھے شعر کی طرح ہمیں فکر، خیال اور جذبہ کی ان وادیوں میں پہنچا دیتی ہیں جہاں انسانی روح کا حسن اپنے تمام پہلوؤں کے ساتھ جگمگ جگمگ کرتا نظر آتا ہے، جہاں انسانی فکر کے سارے امکانات اپنی تمام تر تہہ داری کے ساتھ اپنے آپ کو ہمارے سامنے منکشف کرتے ہیں اور جہاں سکوت گویائی میں اور گویائی سکوت میں بدل جاتی ہے۔ ایسا سکوت جو ایک نئے اندازِ تکلم کا نام ہے۔

"شعر اس کلام موزوں کو کہتے ہیں جو بالقصد موزوں کیا گیا ہو"۔ عِلم معنی و بیان کی کتابوں میں شعر کی تعریف

"شاعری مسرت کو سچ کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کا فن ہے"

"شاعری طاقت ور جذبات کے برجستہ بہاؤ کا نام ہے"

"شاعری انسانی تجربوں کے اس اظہار کا نام ہے جس میں تصورات اور انسانی اقدار اور ان کی قدر و قیمت کے عناصر موجود ہوں"

"شاعری محض صداقت کا اظہار نہیں ہے، بلکہ اس صداقت کو ہمارے لیے زیادہ حقیقی بنانے کی کاوش ہے"

"شعر ہماری روح کا نغمہ ہے"

"شاعری زندگی کی اندھیری رات میں شاعر کی روح کا نغمہ اور گریہ ہے"

ایسی قابل لحاظ اور معقول تعریفوں کو اگر جمع کیا جائے اور اختصار کے ساتھ ان کا جائزہ لیا جائے تو کئی سو صفحات کی کتاب مرتب کی جا سکتی ہے۔ اسی طرح مختلف ادوار میں ادب کی بہت سے ایسی تعریفیں پیش کی گئیں جنھوں نے ادبی تنقیدی اور فکری طور پر ہمیں متاثر کیا۔ "ادب تنقید حیات ہے۔" "ادب برائے زندگی" "ادب انسانی فکر اور تخیل کی معراج" "ادب برائے ادب"۔ "ادب حسن، خیر اور صداقت کا نام ہے"۔ "ستیم، شیوم، سندرم۔"

ان میں سے آپ کس تعریف کو رد کریں گے؟۔ بعض تعریفیں ایک دوسرے سے ٹکراتی ہوئی نظر آتی ہیں مثلاً "ادب برائے ادب" اور "ادب برائے زندگی"۔ لیکن اگر آپ وسیع تر نقطۂ نظر سے غور کریں تو یہ دونوں تعریفیں ایک دوسرے کا ضمیمہ بن جاتی ہیں"۔ ادب برائے ادب کے کسی علم بردار نے کوئی ایسی بڑی تحریر نہیں لکھی جس کا علاقہ زندگی سے نہ ہو' اسی طرح ادب برائے زندگی پر یقین رکھنے والے کسی ادیب نے عملی طور پر ادبی مسرت' ادب میں اظہار کے حسن اور ادب کے فنی تقاضوں سے انکار نہیں کیا۔ ادب ہمیں مسرت بھی عطا کرتا ہے اور ہماری راہوں کو منور بھی کرتا ہے۔

مجرد' ذہنی اور فکری انداز کی اہمیت اپنی جگہ (اور ہم اسی کے قائل ہیں) لیکن ادب کی جامع ومانع اور قابل قبول تعریف ہمیں دوسرے انداز سے کرنی ہو گی۔

"ادب لفظوں کا فن ہے"... یہ ایک عملی اور قابل قبول تعریف ہے۔ الفاظ ادب کا ذریعۂ اظہار ہیں اور یوں وہ ان فنون لطیفہ سے مختلف ہے جن میں بصری علامتیں استعمال کی جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر مصوری اور سنگ تراشی۔

مصور رنگوں اور موقلم کا سہارا لیتا ہے' موسیقار آلات موسیقی کے وسیلے سے اپنے فنی کمالات پیش کرتا ہے۔ سنگ تراش چھینی کے ذریعہ اُس حسن کو مشہود شکل دیتا ہے جو پتھر میں خوابیدہ ہوتا ہے۔ ادیب اور شاعر کا وسیلۂ اظہار اور متاعِ ہنر لفظ ہیں۔ یہ ایک بہت پیچیدہ ذریعۂ ابلاغ ہے۔ ایک ہی لفظ کے مختلف اور ممیز معانی ہو سکتے ہیں۔

"کم بخت تو کہاں مر گئی"

"ہائے کم بخت تو نے پی ہی نہیں"

"ہائے اس جسم کے کم بخت' دل آویز خطوط"

ان تینوں مثالوں میں کم بخت کا لفظ ہر جگہ ایک بالکل ہی مختلف "تجربہ" کا اظہار کرتا ہے۔ ادب کے سلسلہ میں ہمیں اس مسئلہ کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ کسی ادب پارے میں الفاظ کا حقیقی مفہوم کیا ہے؟۔ بعض لوگ اپنی ذاتی تہذیبی سطح سے بلند نہیں ہو جاتے' یا وہ زبان کی پیچیدگی اور ابہام کو نہیں سمجھ پاتے۔ ان کا ذہن "اکہرا" ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر "تُو" کے لفظ سے ان کے ذہن میں ان کی لڑاکا ہمسائی یا جاہل کنجڑا ہی آتا ہے کیونکہ انہوں نے خلوت میں اس لفظ کی قربت اور شدّت کا کبھی تجربہ نہیں کیا ہے اور نہ ہی خاموش راتوں میں جب سنسار سوتا ہے انہوں نے بیدار ہو کر اپنے رب کے ساتھ وہ مکالمہ نہیں کیا ہے جس میں بندے کی عاجزی اور رب کی توحید اسی لفظ کے ذریعہ گویائی میں بدلتی ہے۔ وہ اس نکتہ سے بھی پوری طرح باخبر نہیں ہیں کہ زبان فرد اور معاشرے کے تعلقات کے ہر پہلو کا بوجھ سہارتی ہے۔ لفظوں کے معانی کا تعین اسی وسیع معاشرتی' عمرانی پس منظر میں کیا جا سکتا ہے' اور وہ بھی مکمل طور پر نہیں

لفظوں کی دنیا عجب طلسمات ہے۔ الفاظ کی معنوی سطحیں، درجے اور رنگ بدلتے رہتے ہیں۔ بازاری زبان کے بعض الفاظ وقت گزرنے کے ساتھ مستند زبان کا حصہ بن جاتے ہیں۔ اسی طرح ماضی کے بت سے الفاظ کا تہذیبی و تمدنی پہلو اور تراش خراش محض تصنع معلوم ہونے لگتی ہے۔ کبھی حالات، الفاظ اور زندگی کے باہمی رشتے اور ذہنی تلازمے اس درجہ بدل جاتے ہیں کہ ان کی شدت لغوی معانی پر غالب آجاتی ہے۔

الفاظ کے معانی کا تعین ایک مشکل مسئلہ ہے۔ ہم مصنف کے الفاظ میں اپنے تجربات کا عکس بھی تلاش کرتے ہیں۔ پھر پڑھنے والوں کا ایک گروہ ایسا بھی ہوتا ہے جو ادبی تحریروں کو اپنی غلط تاویلات سے مسخ کر دیتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ غلط اور صحیح تاویلات اور مطالب کے درمیان فرق کیسے کیا جا سکتا ہے؟ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ ذاتی اور اوٹ پٹانگ تاویل سے آگے بڑھ کر ادب اور لفظ کی معنویت کو صحیح بنیادوں پر سمجھنے کی سنجیدہ کوشش تو کی جا سکتی ہے۔ مثلاً ”اگر ہم کسی دوسرے دور کے مصنف یا کتاب کا مطالعہ کر رہے ہیں تو ہمیں سب سے پہلے الفاظ کے وہ معانی معلوم کرنے ہوں گے جو مصنف کے دور میں مروج تھے۔ میرامن نے باغ و بہار میں ”رنڈی“ کا لفظ عام عورت کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ غالب کا یہ مصرع ملاحظہ ہو۔

دل ہی تو ہے سیاست درباں سے ڈر گیا

سیاست کا لفظ سرزنش، تنبیہہ، غصہ کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ مفرد الفاظ کے علاوہ محاورے، اظہار اور روزمرہ کی تبدیلیوں کا لحاظ بھی ضروری ہے۔

اگر شراب نہیں انتظارِ ساغر کھینچ

انتظار کھینچا اردو کا محاورہ تھا، جواب متروک ہو گیا ہے

لفظوں سے متعلق تمام مسائل چھیڑنے کا یہ موقع نہیں۔ مقصد یہ ہے کہ لفظ کی اہمیت کا قاری کو اندازہ ہو سکے۔ ادب، بالخصوص شاعری لفظوں کے ذریعہ زندگی کے تجربوں کی تخلیق نو کا نام ہے، جس طرح مصوری خطوط، اشکال اور رنگوں کے ذریعہ زندگی کی مختلف شکلوں، مناظر اور مظاہر کو ایک نئی تخلیق کے طور پر پیش کرتی ہے۔ (۳)

ہم نے ادب میں لفظ کی اہمیت اور اساسی کردار کے بارے میں جو کچھ عرض کیا ہے اور جو کچھ عرض کرنے کی خواہش رکھتے ہیں، وہ سب کچھ غالب نے ایک شعر میں سمیٹ کر بیان کر دیا۔

گنجینۂ معنی کا طلسم اس کو سمجھیے
جو لفظ کہ غالب مرے اشعار میں آوے

اور ہم نے اس مضمون کا عنوان غالب کے اسی شعر سے مستعار لیا ہے۔ لفظ ہی معانی کے خزانے

تک پہنچنے کے لئے "کھل جا سم سم" کا درجہ رکھتا ہے۔ اسی طلسم سے معنی کے مقفل دروازے کھلتے ہیں اور آدمی روح، فکر اور تخیل کے اس خزانے تک پہنچ جاتا ہے جسے شعر و ادب کہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ادھر آپ نے کچھ کہا ادھر وہ ماضی کا حصہ بن گیا۔ یہ لمحۂ موجود، جسے حال کہتے ہیں کتنا مختصر ہوتا ہے، مگر شعر تو ایک دوام کا نام ہے۔ سراج الدین ظفر نے ے کشی کے حوالے سے کہا تھا۔

وقت اپنا زر خرید تھا ہنگام ِ مے کشی
لمحے کو طول دے کے ابد ہم نے کر دیا

شاعر لفظ کے ذریعے لمحہ کو ابد بناتا ہے۔ یونان اور قدیم ہندوستان سے آج کے عالمی دیہات (global village) تک سفر کر لیجئے لفظ کی فتح کی یہی کہانی آپ کو محرابِ وقت پر لکھی نظر آئے گی۔

کچھ لوگ کہتے ہیں
لفظ مر گیا
جب وہ ادا کر دیا گیا
اور میرا کہنا ہے
کہ وہ اپنی ادائیگی کے لمحے سے
اپنی زندگی شروع کرتا ہے (ایملی ڈکنسن)

مگر بات لفظ پر ختم نہیں ہوتی بلکہ الفاظ کی ترتیب بھی ادب میں بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ کولرج اُن اہل فن میں سے ہے جنہوں نے نقدِ ادب کو تخلیقی ادب کی سطح تک پہنچایا۔ اس نے لفظ کے حوالے سے نثر و نظم کو یوں گرفت میں لیا ہے۔

نثر = الفاظ، بہترین ترتیب کے ساتھ
شاعری = بہترین الفاظ بہترین ترتیب کے ساتھ

بہترین الفاظ، بہترین ترتیب کے ساتھ۔ اس بہترین ترتیب میں وہ عناصر چھپے ہوئے ہیں جو ادب، بالخصوص شاعری کو شرارِ معنوی بنا دیتے ہیں۔ رقص کناں شرار معنوی

غزل کیا، اک شرار معنوی گردش میں ہے اصغر

لفظ کی آغوش میں معانی بھی ہوتے ہیں اور لفظ کی آواز بھی ہوتی ہے۔ لفظ جسم بھی رکھتا ہے اور روح بھی۔ جسم رقصاں رقصاں۔ بحر، شاعری میں موسیقی کا درجہ رکھتی ہے، لیکن یہ موسیقی اور گردشِ رقصاں لفظ میں بھی ہوتی ہے۔ بہترین لفظ کو بہترین ترتیب جگمگا دیتی ہے۔ کیا لفظوں پر الگ سے گفتگو کی جا سکتی ہے؟ یا لفظ ترتیب اور شعری فضا کے حوالے سے موضوعِ مطالعہ بنتا ہے؟ میرا خیال ہے کہ لفظ اور فضا دونوں مل کر ایک وحدت بن جاتے ہیں۔ شاعر کا استعمال لفظ کو برگزیدہ بنا دیتا ہے۔ خود برگزیدہ کے لفظ

پر غور کیجئے۔ کیا اس لفظ کے بغیر میں شاعری کے بارے میں یہ بات عرض کر سکتا تھا؟

بہترین الفاظ بہترین ترتیب کے ساتھ۔ ایک لفظ کی مثال پیش کرتا ہوں مرزا یگانہ کراچی آئے ہوئے تھے۔ اور بہت بیمار تھے۔ ذوالفقار علی بخاری صاحب کو انہوں نے بلا بھیجا۔ بخاری صاحب ان سے ملنے "علامہ" رشید ترابی کے دولت کدے پر پہنچے۔ "بخار کی شدّت سے ان کا بدن پھنک رہا تھا۔" بخاری صاحب کی آمد کی خبر سنی تو اٹھ بیٹھے۔ آگے کا حال بخاری صاحب سے سنئے۔

"میں نے ان کا دل بہلانے کے لئے ان ہی کے شعر ان کو سنانا شروع کئے مگر سناتے سناتے شعروں کی کیفیت میں ایسا کھو گیا کہ میری آنکھیں نم ہو گئیں۔ مرزا صاحب کے بھی آنسو نکل آئے۔ مجھے گلے لگایا اور روتے روتے کہا بھائی تم ایسا شعر دوست پھر کب پیدا ہو گا۔ میں بولا۔

تبرک ہے مرا پیراہنِ چاک
نہیں اہلِ جنوں کا یہ زمانہ

یہ شعر سن کر مرزا صاحب کی حالت دگرگوں ہو گئی۔ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ روتے جاتے تھے۔ اور یہ شعر پڑھتے جاتے تھے۔ ایک ایک لفظ پر سر دھنتے تھے۔ "تبرک" کے لفظ پر تو بہت دیر تک سینہ پیٹتے رہے۔ "ہائے ظالم کیا لفظ رکھا ہے۔ تبرک۔ ہائے تبرک۔ آنسوؤں کا تار تھا کہ ٹوٹنے میں نہ آتا تھا۔ روتے روتے نحیف آواز میں پوچھا بھائی یہ شعر تمہارا ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ پوچھا کس کا ہے؟ میں نے کہا اقبال کا۔ فرمایا تعجب ہے' اور پھر رونے لگے' اور میں روتے روتے ہنس پڑا" (۴)

شاعری میں لفظ صرف مفہوم کی ادائگی کے لئے استعمال نہیں ہوتا' بلکہ لفظ کے ذریعہ شاعر اپنی کیفیات' اپنے فکر' اپنے تخیل اور اپنے وجود کا اظہار کرتا ہے۔ لفظ شاعر کی زبان کے شعر و ادب کی تمام ادبی روایات کو تخلیقی انداز میں قاری تک پہنچاتا ہے۔ اور یہ قاری صرف حال کا قاری بلکہ مستقبل کا قاری بھی ہے۔ شاعری بھی ہماری طرح مکمل وجود ہوتی ہے۔ جسم اور روح کا امتزاج۔ لفظوں کو ادب اور شاعری کا جسم کہا گیا ہے اور خیال کو رو درجہ دیا گیا ہے۔ یہ بحث تنقید میں بہت پرانی ہے کہ لفظ یا اظہار کو اولیت حاصل ہے یا خیال کو۔ بزرگوں نے لفظ و خیال کے رشتے کو لباس اور جسم کے رشتہ کے مماثل سمجھا' اب زیادہ گہرائی میں جانے والوں نے اسے جسم اور روح کے رشتہ سے تعبیر کیا۔

"قاعدہ ہے کہ جہاں نیا خیال پیدا ہوتا ہے وہاں نیا لفظ خود بخود پیدا ہو جاتا ہے۔ ہر جان اپنا جسم خود ہمراہ لاتی ہے" (۵)

اپنی بات کی وضاحت اور ثبوت کے لئے ڈاکٹر بجنوری نے غالب کی تراکیب کی ایک فہرست دی ہے۔ تراکیب کو مرکب لفظ ہی قرار دیا جائے گا۔ "خمار رسوم" "جوہر اندیشہ" "کمبا تنگ تسلی" "زنجیر رسوائی" "خود داری ساحل" "سلک عافیت" "طعنۂ نایافت" "قلزم خون" "غبار وحشت" "دعوت مژگاں" اور "جیب خیال" وغیرہ۔ شاعران تراکیب کے ذریعہ دو چیزوں یا دو خیالوں کے درمیان رشتہ قائم کرتا ہے اور جہاں کہیں اس رشتہ میں مماثلت کا پہلو ہوتا ہے وہاں یہ مرکب لفظ ایک نیا استعارہ بن کر ابھرتا ہے۔ اس پہلو سے شاید اب تک تراکیب لفظی کا مطالعہ نہیں کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ یہ ترکیبیں زبان کے تازہ ہونے اور زبان کو "تازہ" رکھنے کی ایک صورت ہیں۔ زبان کی تازگی خیال کی تازگی کا اشاریہ ہے۔ تازہ ترکیبیں اس بات کا ثبوت بھی ہیں کہ

تاقیامت کھلا ہے باب سخن

یہ کائنات لاکھ کہنہ سہی اور ہمارے واردات لاکھ تازہ سہی (کہنہ ہے بزم کائنات تازہ ہیں میرے واردات۔ اقبال)، شاعر مختلف اشیاء اور مظاہر کے اسماء میں پیوند کاری کے الفاظ پیدا کرتا رہتا ہے اور یہ الفاظ تازہ تر واردات کا احاطہ کرتے ہیں۔ "سگ گزیدہ" اوپری سطح پر ایک "لفظ" تھا۔ شاعر کے انسانی تجربہ نے "مردم گزیدہ" کی ترکیب کو جنم دیا اور پھر ایک اجتماعی تجربے سے ہم "شب گزیدہ سحر" سے آگاہ ہوئے۔ "چاند کا بجھنا" "ستاروں کے کھیت کا اجڑنا" اور "درد کا شجر" یہ سب لفظ بازار سخن کی تازگی کے آثار ہیں اور رہیں گے۔ "زبان ارتقا کی پابند ہے۔ الفاظ بے جان نہیں بلکہ زندہ ہیں۔ گو منطق کے قواعد لاتبدیل ہیں لیکن تصورات بمرور وقت تبدیل ہوتے رہتے ہیں اور چونکہ تصور کے زبان سے ادا کرنے کا نام ہی لفظ ہے، الفاظ بھی تغیر کا تقاضا رکھتے ہیں۔ اگر یہ تجدید عہد عہد نہ ہوتی تو زبان کہنہ اور پارینہ ہو جائے" (۶)

حالی کے مقدمہ شعر و شاعری میں بھی لفظ و خیال کے رشتے اور تعلق کی بحث ملتی ہے۔ مولانا نے مکان کی مثال سے یہ گفتگو کی ہے۔ اگر خیال بہت خوبصورت ہے، مگر زبان مناسب اور خوبصورت نہیں تو شعر اس مکان کی طرح ہوگا جو اندر سے بہت وسیع، کشادہ اور اچھا ہے، لیکن باہر سے ویران نظر آتا ہو۔

حالی نے تخیل، مطالعۂ کائنات اور تفحص الفاظ کو شاعری کے اجزائے ثلاثہ قرار دیا ہے۔ الفاظ کی تلاش اور جستجو شاعر کے فنی فرائض میں داخل ہے۔ وہ مناسب الفاظ ڈھونڈتا ہے اور الفاظ کے معنوی امکانات اور پہلوؤں کا کھوج لگاتا ہے۔ ان سب پہلوؤں کے پیش نظر حالی نے "تفحص" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ف ح ص، کے معانی ہیں تفتیش کرنا، کھود کر نکالنا۔ تیز بارش مٹی کو الٹ پلٹ کر رکھ دیتی ہے۔ یہ عمل تفحص ہے۔ بھید اور راز کی تلاش و جستجو بھی تفحص ہے۔ یہ عناصر بیچ نفس شاعری کو اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں۔ تخیل اور مطالعہ کائنات کی بحث ہمارے دائرہ سے باہر ہے مگر اس خیال کا اظہار

ضروری ہے کہ تخیل ہی روح شعر ہے۔ مطالعہ کائنات تخیل کے لئے مہمیز کا درجہ رکھتا ہے۔ ایک اور بات کہ تفحص الفاظ کے ساتھ شاعر کا کام ختم نہیں ہو جاتا۔ بندش الفاظ اس کے کار منصبی کا لازمی حصہ ہے

بندشِ الفاظ جڑنے سے نگوں کے کم نہیں
شاعری بھی کام ہے آتش مرصع ساز کا

اور یہ مرصع سازی، محض کاری گری نہیں۔ جگر صاحب کا شعر ہے۔

کاریگرانِ شعر سے پوچھے کوئی جگر
سب کچھ تو ہے کلام میں لیکن اثر بھی ہے؟

"کاری گری" الفاظ سے کھیلنے اور اس کی نمائش کا کام ہے۔ اچھا شاعر اظہار کی ضرورتوں اور تقاضوں کے مطابق الفاظ کی تلاش کرتا ہے۔ ہماری تنقید کا ایک تکیہ کلام یہ بھی رہا ہے کہ "وہ زبان کا شاعر ہے" یا "یہ زبان کا شعر ہے"۔ شاعری میں زبان اور خیال ہم قدم رہتے ہیں۔ دونوں "ہم رشتہ" ہیں۔ شاید رشید صاحب (رشید احمد صدیقی) نے کہیں لکھا ہے کہ زبان نٹ کا رسّہ نہیں جس پر نٹ چلنے کا کرتب دکھا رہا ہو اور دیکھنے والے تالیاں بجا رہے ہوں۔ زبان کا مقصد تو خیال کا اظہار ہے۔ (جسم و روح)۔ محض زبان کے سہارے شاعر بہت آگے نہیں جا سکتا۔ اس کی سطح بس یہی رہے گی۔

آپ کے پاؤں کے نیچے دل ہے
اک ذری آپ کو زحمت ہو گی

خزاں جائے، خزاں جائے، خزاں جائے گلستاں سے
بہار آئے، بہار آئے، بہار آئے گلستاں میں

جب "بہترین الفاظ، بہترین ترتیب" کے ساتھ "بہترین اور بلند ترین خیالات" کے اظہار کے لیے استعمال ہوتے ہیں تو ایسی شاعری وجود میں آتی ہے۔

لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام
آفاق کی اس کارگہ شیشہ گری کا

(میر)

اور حمد میں غالب کا یہ شعر

اے بخلا وملا خوئے تو ہنگامہ زا
باہمہ در گفتگو بے ہمہ با ماجرا

مولانا شبلی نے شعر العجم کی چوتھی جلد میں شاعری میں الفاظ کی اہمیت پر ایسی گفتگو کی ہے جو آج بھی

اس موضوع پر ہماری رہنمائی کرتی ہے اور جو اس موضوع پر کسی بھی مذاکرہ کا مناسب ترین نقطہ آغاز ہے۔ حالی اور شبلی کے احسانات میں سے ایک احسان یہ بھی ہے کہ انہوں نے عربی اہل فن کے تنقیدی خیالات اردو میں منتقل کر دیئے۔ شاید یہ بات ان پر منکشف ہو گئی تھی کہ آنے والی نسلیں اپنے فکری ورثہ سے محروم ہو جائیں گی اور اس کا سبب عربی و فارسی سے ہماری دوری ہو گی۔ شبلی نے ابن رشیق کی کتاب العمدۃ کے باب فی اللفظ والمعنی کا ایک اقتباس پیش کیا ہے۔

> "لفظ جسم ہے اور مضمون روح ہے۔ دونوں کا ربط باہم ایسا ہے جیسا روح اور جسم کا ارتباط کہ وہ کمزور ہو گا تو یہ بھی کمزور ہو گی۔ پس اگر معنی میں نقص نہ ہو اور لفظ میں ہو تو شعر میں عیب سمجھا جائے گا' جس طرح لنگڑے یا لنجے میں روح موجود ہوتی ہے لیکن بدن میں عیب ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر لفظ اچھے ہوں لیکن مضمون اچھا نہ ہو' تب بھی شعر خراب ہو گا' اور مضمون کی خرابی الفاظ پر بھی اثر کرے گی۔ اگر مضمون بالکل لغو ہو اور الفاظ اچھے ہوں تو الفاظ بھی بیکار ہوں گے' جس طرح مُردہ کا جسم کہ یوں دیکھنے میں سب کچھ سلامت ہے لیکن در حقیقت کچھ بھی نہیں۔ اسی طرح مضمون گو اچھا ہو لیکن الفاظ اگر برے ہوں تب بھی شعر بیکار ہو گا' کیونکہ روح بغیر جسم کے پائی نہیں جا سکتی۔" (۷)

شبلی نے خود بھی لفظ کی بحث خاصی تفصیل سے پیش کی ہے۔ ان کے خیال میں "شاعری... کا مدار زیادہ تر الفاظ ہی پر ہے۔ اس تقریر کا یہ مطلب نہیں کہ شاعر کو صرف الفاظ سے غرض رکھنی چاہیے۔ اور معنی سے بالکل بے پروا ہونا چاہیے' بلکہ مقصد یہ ہے کہ مضمون کتنا ہی بلند اور نازک ہو' لیکن اگر الفاظ مناسب نہیں ہیں تو شعر میں کچھ تاثیر نہ پیدا ہو سکے گی" پھر شبلی نے الفاظ کی قسموں سے گفتگو کی ہے۔ غزل کے لئے نرم و نازک الفاظ مناسب ہیں۔ "بلند اور پُر شوکت الفاظ" رزمیہ مضامین اور قصائد وغیرہ کے لئے موزوں ہیں۔ "عشقیہ مثنویوں میں بھی "غزل کی زبان استعمال کرنی چاہیے" (۸)

شبلی بہترین الفاظ کے ساتھ بہترین ترتیب کے بھی قائل ہیں اور انہوں نے اس نکتہ کو بڑی خوبی سے بیان کیا ہے۔ اسے انہوں نے "الفاظ کے باہمی تعلق اور تناسب" کا نام دیا ہے۔ "لفظوں کی انفرادی حیثیت" پر گفتگو کے بعد شبلی لکھتے ہیں۔

> "یہ تمام تر بحث الفاظ کی انفرادی حیثیت سے تھی' لیکن اس سے زیادہ مقدم الفاظ کا باہمی تعلق اور تناسب ہے۔ یہ ممکن ہے کہ ایک شعر میں جس قدر لفظ آئیں الگ الگ دیکھا جائے تو سب موزوں اور فصیح ہوں' لیکن ترکیبی حیثیت سے ناہمواری پیدا ہو جائے' اس لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ جو الفاظ ایک

ساتھ کسی کلام میں آئیں ان کو باہم ایسا توافق، تناسب، موزونی اور ہم آوازی ہو کہ سب مل کر گویا ایک لفظ یا ایک ہی جسم کے اعضا بن جائیں..... یہی وصف ہے جس کی وجہ سے شعر میں موسیقیت پیدا ہو جاتی ہے اور شاعری اور موسیقی کی سرحدیں مل جاتی ہیں"(۹)

لفظ، اس کی معنویت، موزونیت اور تناسب و موسیقی کے حوالے سے کئی نکات ہمارے سامنے آئے۔ فن کار، اپنے طلسمی لمس سے لفظوں کو "چیزِ دیگر" بنا دیتا ہے۔ لفظ کبھی ساز اور نغمہ بن جاتے ہیں اور کبھی رنگ اور خطوط۔ فنونِ لطیفہ میں سے ہر اک کا دائرہ مخصوص اور متعین ہے، مگر شاعری ان سب کا قائم مقام بن سکتی ہے۔ مقدمہ شعر و شاعری میں حالی نے اس نکتہ کو اٹھایا ہے اور اس پر کلام کیا ہے۔ ذرا یہ تصویریں دیکھیے۔

بکھری ہوئی ہو زلف بھی اس چشم مست پر
ہلکا سا ابر بھی سرِ میخانہ دیکھیے
(اصغر)

ہلال ابروئے پُرخم سے اک تصویر پیدا ہے
ذرا تم سامنے آنا کہ ہم نے چاند دیکھا ہے
(آغا شاعر دہلوی)

چھلکائیں لاؤ بھر کے گلابی شراب کی
تصویر کھینچیں آج تمہارے شباب کی
(ریاض خیر آبادی)

پھول ہیں صحرا میں یا پریاں قطار اندر قطار
اودے، اودے، نیلے نیلے، پیلے پیلے پیرہن
(اقبال)

ان کا آنچل ہے، کہ رخسار، کہ پیراہن ہے
کچھ تو ہے جس سے ہوئی جاتی ہے چلمن رنگیں
جانے اس زلف کی موہوم گھنی چھاؤں میں
ٹمٹماتا ہے وہ آویزہ ابھی تک کہ نہیں
آج پھر حسنِ دلآرا کی وہی دھج ہو گی
وہی خوابیدہ سی آنکھیں، وہی کاجل کی لکیر

رنگِ رخسار پہ ہلکا سا وہ غازے کا غبار
صندلی ہاتھ پہ دھندلی سی حنا کی تحریر
(فیض احمد فیض)

یہ چند مثالیں جس ترتیب سے ذہن میں آئیں درج کردی گئیں۔ اکبر الہ آبادی کی مترجمہ نظم "پانی چلا" تصویر کشی اور صوتی آہنگ کی مکمل مثال ہے۔ مجاز کی نظم "رات اور ریل" کو بھی ایک عمدہ نمونے کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔ جوش کی نظم "یہ کون اٹھا ہے شرماتا" کو ذرا ذہن میں تازہ کرلیجے۔ اسی طرح "موسیقیت" کی مثالوں کی ہماری شاعری میں کمی نہیں۔ اعلیٰ شاعرانہ موسیقی تو آپ کو شاعری میں ہر جگہ سنائی دے گی۔ اس موسیقی کی تشکیل کبھی مترنم بحروں کی مدد سے کی جاتی ہے، کبھی تکرار الفاظ سے لفظوں کو سازوں کی سطح تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ میر صاحب تکرار الفاظ سے جس خلاقی سے کام لیتے ہیں اس میں ان کا کوئی مقابل نہیں۔

پتّہ پتّہ بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

کبھی ہم کیفیت و "ہم جنس" حروف (آوازوں) کے استعمال سے تصویر اور نغمہ کی کیفیت پیدا کی جاتی ہے۔

وہ تو شب کو سر بسجدہ، ساکت و مدہوش تھے
(اصغر)

ش، س۔ م کی آوازوں کے اجتماع سے شاعر نے ایک آرکسٹرا تخلیق کیا ہے۔

چلو کہ چل کے چراغاں کریں دیارِ حبیب
(فیض)

لفظوں کے علاوہ طویل ٹکڑوں کی تکرار سے شعر کو تصویر اور نغمہ کی کیفیت عطا کرنا ہماری شاعری کی روایت ہے۔

میری ہی نظر کی مستی سے سب شیشہ و ساغر رقصاں تھے
میری ہی نظر کی گرمی سے سب شیشہ و ساغر ٹوٹ گئے
(جذبی)

شاعری میں لفظوں کا جادو کس طرح جگایا جاتا ہے؟۔ اس سلسلہ میں جو چند باتیں ذہن میں آئیں وہ آپ کی خدمت میں پیش کردی گئیں۔ اب اہم تر نکتہ یہ ہے کہ یہ تصویر سامانی، یہ موسیقی خارجی صفات نہیں ہیں بلکہ شاعری اور شعر کا جز ہیں اور انہیں کی بنیادوں پر لفظ گنجینۂ معنی بنتا ہے۔ یہ صفات معنی کا

حصہ ہیں، معنی سے الگ نہیں۔ شعری معنویت، فلسفہ کی معنویت سے مختلف چیز ہے۔ شعری تصور اور شعری موسیقی میں گہرے معنی بھی ہوتے ہیں۔ شعر میں معنویت سے کون انکار کرے گا، مگر یہ عین ممکن ہے کہ شاعرانہ آہنگ خود ہی گہرا معنوی تجربہ بن جائے۔ نظم کے معانی صرف اس کے موضوع اور مرکزی خیال میں تلاش نہ کیجئے، نظم کا آہنگ اپنا مفہوم آپ ہو سکتا ہے۔ ہماری نسل کے بیشتر بچوں کے لبوں پر اقبال کے یہ شعر رقص کرتے اور گونجتے تھے۔ ہمارا بھیانک ترنم اور بد آوازی بھی ان بولوں سے ان کے حسن کو چھین نہ سکتی تھی۔ چھ سات سال کی عمر میں یہ شعری ہماری شخصیتوں کا حصہ بن گئے تھے، اسی طرح جیسے آج کے بچے ایسے گیتوں اور بولوں کو دہراتے ہیں۔

"اساں تو جانا بلو دے گھر"
"ایک لڑکی مرا دل لے گئی"
"دل دل پاکستان، جان جان پاکستان"
"اے جذبہ جنوں تو ہمت نہ ہار"

(جذبہ جنوں نہیں، جذبہ جنوں)

ظاہر ہے کہ یہ دور بلند آہنگی اور شور کا دور ہے جب ساز، آواز اور لفظ پر غالب آگئے ہیں اور ہم اپنی تہذیبی وراثت کے سائے میں ان لفظوں کے امین تھے۔

کبھی اے حقیقت منتظر نظر آ، لباس مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبینِ نیاز میں
تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے، ترا آئنہ ہے وہ آئنہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئنہ ساز میں

نہ سلیقہ مجھ میں کلیم کا، نہ قرینہ تجھ میں خلیل کا
میں ہلاک جادوئے سامری، تو قتیل شیوہ آزری کی
میں نوائے سوختہ در گلو، تو پریدہ رنگ، رمیدہ بو
میں حکایتِ غم آرزو، تو حدیثِ ماتمِ دلبری
دم زندگی، رم زندگی، غم زندگی، سم زندگی
غم رم نہ کر، سم غم نہ کھا کہ یہی ہے شان قلندری

ظاہر ہے کہ جب آج بھی "حقیقت منتظر" کی حقیقت تک ہم نہیں پہنچ سکے تو اس وقت کیا جان سکتے تھے اور آئینہ شکستہ کی قدر و قیمت آج بھی نہیں معلوم، مگر یہ لفظ ہمارے دل میں مقیم تھے اور خانۂ دل میں لفظوں کا قیام لاحاصل نہیں ہوتا۔ یہ لفظ ہماری ذات کی فضا بن گئے۔ دم، رم، غم اور سم کی نغمگی ساز

ذات بن گئی۔ اور قاعدہ بغدادی کی مدد سے "یم زندگی"........"ثم زندگی"........"فم زندگی"........"کم زندگی"........جیسے لفظ ہماری کارگہ زبان میں ڈھلنے لگے' ویسے بڑے ہو کر یہ معلوم ہوا کہ ثم زلفوں میں پڑتا ہے یا کمر میں۔ "یم" کے معنی بڑے ہو کر معلوم ہوئے اور آج بڑھاپے میں اس بات پر حیرت ہو رہی ہے کہ ہم اور ہمارے فن کار ابھی تک "یم زندگی" تک نہیں پہنچے۔

تو صاحبو! یہ نکتہ ہمیں اپنے بڑے شاعروں کی مدد اور اپنے زندہ ماحول سے مل گیا کہ شعر' اپنے معانی سے جدا ہو کر بھی بے معنی نہیں ہوتا۔ معنی معلوم نہیں نہ سہی۔ لفظوں کے دائرے 'ثم' تو ہیں 'تصویریں اور رقص' اپنا انعام آپ ہیں۔ لفظ کاغذ پر لکھے جاتے ہیں' لبوں سے ادا ہوتے ہیں' اپنا مفہوم ذہنوں میں منتقل کرتے ہیں۔ لیکن اس کے علاوہ لفظ دکھائی بھی دیتے ہیں۔ لفظ جلوہ بھی ہیں' پیکر بھی اور آواز بھی' ان میں انسانی رشتوں کی دنیا بھی آباد ہے اور ان میں لامکاں کے منظر بھی ہیں۔

(۳)

لفظ اور نعت

حرف راز۔ سجدۂ لفظ۔ درگہ امی لقب

لامحدود کی تلاش۔ حرف کی معراج

حضرت احسان دانش کی وفات سے دس بارہ دن پہلے ان سے لاہور میں بڑی تفصیلی ملاقات ہوئی۔ میرے ساتھ میری بیوی' ان کی بہن نعیم فریدی' اور ہماری عزیزہ اکادمی ادبیات پاکستان کی نسیم خواجہ بھی تھیں۔ ہم میں سے کوئی اس ملاقات کو نہیں بھول سکے گا۔ حضرت احسان دانش نے شعر سنایا۔

ہوائیں ماری ماری پھر رہی ہیں ترا نقش کف پا ڈھونڈنے کو

میں نے کہا۔ "بچا! یہ نعت کا بہت خوبصورت شعر ہے۔" مرحوم نے فرمایا۔ "نہیں میں نے نعت میں یہ شعر نہیں کہا ہے۔" گفتگو کا سلسلہ کسی اور طرف مڑ گیا۔ دس پندرہ منٹ کے بعد احسان دانش مرحوم نے کہا۔ "تم نے سچ کہا۔ یہ نعت ہی کا شعر ہے۔" میں نے عرض کیا کہ تخلیقی عمل بڑی پیچیدہ چیز ہے۔ ضروری نہیں کہ فن کار پر تخلیق کا ہر مرحلہ پوری طرح روشن ہو۔ بڑی شاعری ایک چار سمتی مخاطبہ اور مکالمہ ہے۔ آدمی کا مکالمہ اپنی ذات سے' آدمی کا مکالمہ عالم انسانیت سے' آدمی کا مکالمہ اس کائنات سے اور آدمی کا مکالمہ اپنے رب سے۔ مسلمان شاعر کے سلسلے میں یوں کہنا چاہیے کہ اپنے رب اور اپنے

رسول سے۔ جس طرح اقامت صلوٰۃ کا ذکر اکثر مقامات پر ایتائے زکواۃ کے ساتھ آیا ہے اسی طرح اطاعت اللہ اور اطاعت رسول ہم ردیف ہیں۔ آدمی جب بھی محدود سے لامحدود کی طرف سفر کرتا ہے' اللہ کے تصور اور خیال سے ہم کنار ہو جاتا ہے۔ اسی سفر میں وہ جوار رحمۃ للعالمین میں بھی پہنچ جاتا ہے۔

نگا ہے یا رسول اللہ نگا ہے

اس کے سینے میں آہ اور آرزو ہے یہ آواز' اور یہ تمنا بے ساختہ پیدا ہوتی ہے۔ اور لامحدود کی طرف سفر' لامحدود میں اپنے محدود وجود کو گم کرنے کی آرزو' اور یوں خود لامحدود ہونے کی تمنا ہر حقیقی فن کار کی تمنا ہوتی ہے۔ فکر اور فن کی دنیا میں عالم حقیقی اور عالم مجازی کی سرحدیں مل جاتی ہیں۔ وہ شعر جسے بہت سے صاحبان "بازاری" شعر قرار دیتے آئے ہیں ذرا اس کے امکانات پر غور کیجئے

خوب پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں
صاف چھپتے بھی نہیں' سامنے آتے بھی نہیں

ہمارے اساتذہ' بالخصوص ہائی اسکول کے اساتذہ تقریباً" ہر شعر کے حقیقی اور مجازی معانی بتاتے تھے اور ہم لوگ زیر لب مسکراتے تھے' لیکن زندگی کا بڑا حصہ شعر و ادب کے ایوانوں میں گزارنے کے بعد ان کی حکمت اور نظر کا قائل ہونا پڑا ہے۔ فراق گورکھپوری نے "اردو کی عشقیہ شاعری" میں اس نکتے پر بہت اچھی گفتگو کی ہے۔ اگر کبھی ممکن ہوا تو اس مضمون کو زیادہ تفصیل سے لکھا جائے گا اور ضمیمہ کے طور پر اہم اقتباسات شامل کردیے جائیں گے۔

فراق صاحب نے مثال کے طور پر اپنا یہ شعر پیش کیا تھا۔

کیا ہے بیرگہ زندگی میں رخ جس سمت
ترے خیال سے ٹکرا کے رہ گیا ہوں میں

یہ شعر "دور خا" ہے۔ اس کا ایک رخ حقیقت کی طرف ہے اور دوسرا رخ مجاز کی طرف۔ یہ بات خالق کائنات کے ساتھ ساتھ محبوب سے بھی کہی جا سکتی ہے اور لطف یہ کہ شرک کے ارتکاب کے بغیر' لیکن قرینۂ اظہار نے اس شعر کو رنگ حقیقت سے زیادہ قریب کردیا۔

میر' غالب اور اقبال ہمارے سب سے بڑے شاعر ہیں اور ان تینوں کی عشقیہ شاعری میں ہر جگہ یہ کیفیت موجود ہے۔ اقبال نے ہمارے عہد میں ایک نئی غزل کی تخلیق کی۔ فراق صاحب نے غزل کو ایک

ر لیکن ہمہ گیر اور ہمہ بیں آئینہ کائنات کہا تھا (الفاظ کی ذمہ داری قبول نہیں کر سکتا' ہاں خیال ہی ان ہے)۔ غزل کو ہمارے عہد میں یہ حیثیت اقبال نے دی۔

تو ہے محیط بے کراں' میں ہوں ذرا سی آب جو
یا مجھے ہم کنار کر' یا مجھے بے کنار کر
باغِ بہشت سے مجھے حکم سفر دیا تھا کیوں؟
کارِ جہاں دراز ہے اب مرا انتظار کر

اب آیئے اسی وسعت اور لامحدود کے سفر کے' اُس رخ کی طرف جہاں مسلمان شاعر' یا مرتبۂ سانیت سے باخبر غیر مسلم شاعر بھی دیار محمد عربیؐ میں پہنچ جاتا ہے۔ بات یہ ہے کہ جب کوئی شعر اپنے صداق' ممدوح یا موضوع سے بڑا ہو جاتا ہے تو وہ نعت کا شعر بن جاتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ محمد عربی یہ الصلوٰۃ والسلام معراج انسانیت ہیں۔ عظمت آدم کا آخری نشان۔ غالب نے اپنی مدحیہ غزل' میں ں حسین خاں کے لئے کہا

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زبان کے لئے

یہ شعر تجمل حسین خاں کی ذات سے کوئی نسبت نہیں رکھتا تھا' اسی لئے زبان خلق اور اجتماعی سخن فہمی ہ اس شعر کو اس کے حقیقی مصداق کی طرف لوٹا دیا کہ وہی ذات حقیقت و مجاز کا سنگم ہے۔ وہ حق سے صل ہے اور مخلوق میں شامل ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ان دنوں ایک سوال یہ بھی "پیدا" کیا جا رہا ہے کہ کیا نعت ایک صنف سخن ہے؟ بعض صاحبان نعت صنف نہیں مانتے۔ ان کا "فرمان" یہ ہے کہ نعت ایک شعر عقیدت ہے۔ اب اس قول پر کیا اور کیسے رہ کیا جائے۔ شعر عقیدت کا تعلق بھی تو کسی صنف سے ہو گا یا اسے صنف قرار دینا پڑے گا۔

اصناف کی تقسیم دو طرح کی جاتی ہے۔ صورت کے اعتبار سے اور موضوع کے اعتبار سے۔ یہ دونوں یں مروّج ہیں اور ادبی مطالعوں میں ملتی ہیں۔ موضوع کے اعتبار سے جب ہم اصناف سخن کا تعین اور یم کرتے ہیں تو "عشقیہ شاعری"' "رزمیہ شاعری"' "صوفیانہ شاعری"' "صوفیانہ ادب"' "مذہبی ب"' "فلسفیانہ ادب"' "رثائی ادب"' جیسی تقسیم سامنے آتی ہے اور ان میں سے ہر ایک کو "صنف

ادب" قرار دیا جاتا ہے۔

مولانا شبلی نے "مصوری کے لحاظ سے شعر کے اقسام" (شعر العجم میں) مرتب کئے ہیں۔ شعر العجم جلد چہارم میں وہ اس عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔

> "عالم میں جو کچھ ہے اس کی دو قسمیں کی جا سکتی ہیں۔ مادیات مثلاً "زمین" آسمان، چاند، ستارے، باغ، جنگل، کوہ بیابان، گرمی، سردی، بہار خزاں وغیرہ وغیرہ۔ کیفیات باطنی یعنی انسان کے دل میں جو گوناگوں جذبات ودیعت کئے گئے ہیں مثلاً "رنج و مسرت، محبت و بغض، حسرت و غم، غیظ و غضب وغیرہ اس تقسیم کے لحاظ سے شعر کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جس میں مادیات اور اس کے متعلقات کی تصویر کھینچی جائے۔۔ دوسری قسم جذبات کی شاعری جس میں جذبات انسانی کی تصویر کھینچی جاتی ہے" (۱۰)

شبلی نے "تخیلی شاعری" کا بھی تذکرہ کیا ہے اور اس سلسلہ میں ان کا خیال یہ ہے کہ یہ جذبات کی شاعری کی ایک صورت ہے۔ "اس قسم کی شاعری کو واقعیت سے بہت کم لگاؤ ہوتا ہے۔ متاخرین کی شاعری زیادہ تر اسی قسم میں شامل ہے" (۱۱)

شبلی نے تو مثنوی، قصیدہ اور غزل وغیرہ کو اسی تقسیم کے تحت کر دیا ہے۔ اصناف کی صوری تقسیم معروف ہے۔ فرد۔ رباعی۔ قطعہ۔ غزل، قصیدہ، مثنوی، ترجیع بند، ترکیب بند، مستزاد، مسمط، مثلث، مربع، مخمس، مسدس، مسبع، متسع، معشر نظم معریٰ، نظم آزاد وغیرہ

اصناف سخن کی تقسیم میں تقسیم کے دونوں طریقوں کو ملا دیتے ہیں، لیکن نعت کے سلسلہ میں ہم اپنے اصولوں اور ضابطوں کی تردید آپ کرتے ہیں مثلاً "مرثیہ کو مسدس میں شامل کرنے کی جگہ اسے الگ سے ایک صنف سخن قرار دیتے ہیں، اور جو شخص موضوع کے اعتبار سے مرثیہ کو الگ صنف قرار دیتے ہوئے یہ کہے کہ مرثیہ کسی بھی ہیت اور فارم میں لکھا جا سکتا ہے اس پر "مداخلت فی الدین" کا الزام لگاتے ہیں۔ یہی معاملہ سلام اور واسوخت کا ہے۔

یہ بات واضح ہو گئی کہ بعض اصناف کا رشتہ ان کی ہیئت سے نہیں بلکہ موضوع سے ہے۔ یوں نعت ایک مستقل صنف سخن ہے۔ نازک تر اور نہایت قیمتی نکتہ یہ ہے کہ نعت ہر ہیئت اور فارم (Form)

میں لکھی جا سکتی ہے۔ یوں ہر صنف 'صنف نعت کے حکم میں داخل ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وستائش کے کتنے ہی پہلو ہیں اور ہر صنف اپنی خصوصیات کی بناء پر کسی ایک پہلو اور مدح کے کسی ایک رخ کے لئے زیادہ موزوں ہے۔ شدید شخصی تعلق اور محبت کے رفیع ترین جذبہ کے اظہار کے لئے غزل کی ہیئت سب سے مناسب ہے۔ جہاں آپؐ کی علوئے شان اور رفعت کا بیان مقصود ہو وہاں قصیدہ اس بار امانت کو ادا کر سکتا ہے۔ جہاں آپ کی حیات طیبہ کے واقعات پیش کرنے ہوں وہاں مثنوی آگے بڑھ کر اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے اپنے آپ کو پیش کرتی ہے۔ جہاں طول کی ضرورت ہو تاکہ مختلف پہلوؤں اور معاملات سیرت کو روانی اور آسانی کے ساتھ پیش کیا جائے وہاں نظم معریٰ اور نظم آزاد اپنے بخت پر ناز کرتی ہے' اور جہاں کسی ایک تاثر کو پوری قوت اور جامعیت کے ساتھ پڑھنے اور سننے والوں تک پہنچانا ہو وہاں رباعی کے چار مصرے اس تاثر کو نقش معنی بنا دیتے ہیں۔

مختلف اصناف ادب' اس صنف کے گوشے بن جاتے ہیں جسے ہم نعت کہتے ہیں۔ ان اصناف کے فنی تقاضوں کے تحت ان کے اسالیب بھی مقرر اور متعین ہیں۔

غزل کیفیات سے علاقہ رکھتی ہے۔ پھر اس کا کل پیکر نرم و نازک الفاظ کا متقاضی ہے۔ غزل بیانیہ الفاظ سے چنداں علاقہ نہیں رکھتی۔ وہ تو علامات و ارشادات کا فن ہے۔ غزل وہ آبگینہ ہے جو بقول غالب تندیٔ صہبا سے پگھل جاتا ہے۔ غالب نے غزل کے فن کو دو شعروں میں جس طور پر سمیٹ لیا ہے' ہمارے سارے نقادل کر بھی شاید یہ کام اس خوبی سے نہیں کر سکتے۔

مقصد ہے ناز و غمزہ' ولے گفتگو میں کام
چلتا نہیں ہے دشنہ و خنجر کے بغیر
ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کے بغیر

غزل ایک حرف شیریں اور استعارۂ رقصاں ہے۔ غزل کے پہلے اہم شاعر سعدی نے یہ نکتہ سمجھ لیا تھا اور انہوں نے غزل میں "رقیق' نازک' شیریں اور پر درد الفاظ استعمال کئے ہیں" (شبلی)۔ اردو کے نعت گو شعراء کی اکثریت نے نعت کے لئے غزل کی ہیئت کا انتخاب اسی بناء پر کیا ہے کہ ان کی نعت حدیثِ دل بن جائے۔ شاید بلکہ یقیناً" کسی بھی مذہب کے ماننے والوں میں سے انفرادی طور پر ہر ایک فرد کا

رشتہ اپنے رسول کے ساتھ وہ نہیں ہے جو ہر مسلمان کا رشتہ ہادیؐ برحق اور انیس بے کساں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ غزل کے آہنگ میں لکھی ہوئی نعتیں اس ذاتی اور مخصی رشتہ کو بڑی حد تک پیش کرتی ہیں۔ غزل کا عشقیہ لہجہ بڑا امتحان ہے اور یہ تلوار کی دھار پر سفر ہے۔ مبارک ہیں وہ لفظ شناس جو اپنے سلیقہ وادب کی بناء پر سلامتی سے اس راہ سے گزر جاتے ہیں۔

دل جس سے زندہ ہے وہ تمنا تمہیں تو ہو ہم جس میں بس رہے ہیں وہ دنیا تمہیں تو ہو

(ظفر علی خاں)

سبوئے جاں میں چھلکتا ہے کیمیا کی طرح کوئی شراب نہیں عشق مصطفیؐ کی طرح

(سراج الدین ظفر)

اس نام پہ دل دھڑکا، پھر گھر میں کہاں ٹھہرے ہم کو یہ اشارے بھی آواز اذاں ٹھہرے
سرکار کے قدموں سے اٹھ کر دل دیوانہ جائے تو کہاں جائے، ٹھہرے تو کہاں ٹھہرے

(سرشار صدیقی)

وہ ایک نام جو کون و مکاں کا محور ہے میانِ دائرہ جسم و جاں لکھا دیکھا

(حنیف اسعدی)

میرے ہاتھوں سے اور ہونٹوں سے خوشبوئیں جاتی نہیں میں نے اسم محمدؐ کو لکھا بہت اور چوما بہت

(سلیم کوثر)

مرے طاق جاں میں نسبت کے چراغ جل رہے ہیں مجھے خوف تیرگی کا، کبھی تھا، نہ ہے، نہ ہو گا

(صبیح رحمانی)

نظم ہستی میں توازن کے لئے ساری دنیا اور تنہا مصطفیؐ

(تابش دہلوی)

سیرت ہے تری جوہرِ آئنہ تہذیب روشن ترے جلووں سے جہان دل و دیدہ

(حفیظ تائب)

غزل کے پیکر میں لکھی گئی "نعتوں" کے چند شعر جو یاد آئے آپ کی خدمت میں پیش کر دیئے گئے۔ ان کے الفاظ غزل کی روایت کے مطابق نرم آہنگ ہیں۔ حریر و پرنیاں کی یاد دلانے والے الفاظ۔ اور اسی کے ساتھ ساتھ معنی زا اور مکشوف (Suggestive)۔ یہ "غیر محتشم" لفظ ہیں۔ یہ گنجینۂ معانی کے وہ طلسم ہیں جو شور مچائے بغیر قفل کو کھول دیتے ہیں۔ ایسے الفاظ کے ذریعہ معانی ذہن میں یوں آہستگی سے اتر آتے ہیں کہ برگِ گل پر شبنم کے نزول کی یاد دلاتے ہیں۔

اور جب شاعر حضرت ختم المرسلین، امام اولین و آخریں حضرت محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی علوئے شان کو پیش کرنے کی تمنا کی تکمیل کے لئے اپنے فن کو صرف کرتا ہے قصیدہ کی صورت میں بلند آہنگ ترکیبوں سے رفیع الشان درودیوار کی تعمیر کرتا ہے، جگمگاتے الفاظ سے قندیلیں روشن کرتا ہے، آہنگ خیز الفاظ سے مزین اور رنگین چھت بناتا ہے۔ تخیل شاعر، زمین و آسمان کے درمیان سفر کرتا ہے۔ اور ہر منظر، ہر متاع کو، رسول کے قدموں پر لاکر نچھاور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

جو صورت اسکی ہے لاریب وہ ہے صورت امر جو معنی اس میں ہیں بیشک وہ ہیں معنی ربانی
حدیث "من رآنی" دال ہے اس گفتگو اوپر کہ دیکھا جس نے اس کو، ان نے دیکھی شکل یزدانی
(سودا)

باغ تنزیہ میں سر سبز نہال تشبیہ انبیا جس کی ہیں شاخیں، عرفا ہیں کونپل
مہر توحید کی ضو، اوج شرف کا مہ نو شمع ایجاد کی لو، بزم رسالت کا کنول
(محسن کاکوروی)

وہ نساخ مذاہب جس کے مقدم نے کیا باطل فروغ کیش زر دشتی، شکوہ دین نصرانی
(اقبال سہیل)

قصیدہ کی اس بلند آہنگی، الفاظ کے دروبست اور تخیل کی پرواز میں بھی ایک حسن ہے، مگر بسا اوقات لفظ "گنجینہ معنی کا طلسم" بننے کی جگہ لغت کا باب معلوم ہوتا ہے۔ کسی گہرے جذبے یا خیال سے محروم۔ شاعری "ڈکشنری" نہیں بلکہ "ڈکشن" ہے۔ اردو کے نقادوں نے ڈکشن کا ترجمہ "شاعرانہ لغت" کیا ہے۔ ہر شاعر کی اپنی لغت ہوتی ہے۔ اس کے کلام میں چند بنیادی الفاظ ہوتے ہیں جن کے ذریعہ وہ اپنی شعری حسیت و کیفیت کا اظہار کرتا ہے۔ وہ شاعر یقیناً "بڑا شاعر ہے جو اپنی زبان کے چند الفاظ پر اپنا نام لکھ دے۔ لیکن عرب نقاد اور اہل ادب ڈکشن کو اسلوب، بیان، القا (خطابت میں) اور ادا (ادب و موسیقی میں) کہتے ہیں۔ گویا خاص اسلوب اور نہج ڈکشن ہے۔ وہ جو فن کار کی شناخت ہو۔ ہمارے خیال میں صداقت یہی ہے۔ یہی فنی ریاض شاعر یا کسی بھی فن کار کو منزل آشنا اور بامراد کرتا ہے۔

بے محنتِ پیہم کوئی جوہر نہیں کھلتا
ہر چند کہ ایجادِ معانی ہے خدا داد
خون رگِ معمار کی گرمی سے ہے تعمیر
مے خانۂ حافظ ہو کہ بت خانۂ بہزاد
(اقبال)

چند الفاظ پر خلاقانہ تصرف اور قدرت، پوری لغت کے الفاظ کو تقلیداً" پیش کرنے سے زیادہ اہم

ہے۔ اقبال نے جو بات دین کے حوالے سے کہی ہے وہ ادب کے حوالے سے بھی اہم ہے۔

قلندر جز دو حرف لاالہ کچھ بھی نہیں رکھتا
فقیہ شہر قاروں ہے لغت ہائے حجازی کا

اور جب الفاظ کی طنابیں کھینچ کر معانی کے مشرق و مغرب کو ایک نقطہ پر جمع کرنا مطلوب ہو تو رباعی کا سہارا لیجئے۔ مرثیہ گو شعراء منبر پر مرثیہ پڑھنے سے پہلے رباعی سے سلسلۂ کلام کا آغاز کرتے تھے۔ انیس و دبیر کے ہاں بہت سریع الاثر رباعیات ملتی ہیں۔ ان میں سے کئی نعتیہ رباعیاں ہیں۔ اکبر الہ آبادی بھی رباعی کے فن کو برتنا خوب جانتے تھے۔ ہمارے عہد میں جوش ملیح آبادی نے رباعی کو خمریات و سرمستی کا پیمانہ بنایا اور امجد حیدر آبادی نے رباعی کو معرفت کے مے خانہ کی حیثیت دی۔ مولانا حامد حسن قادری بنیادی طور پر شاعر نہ تھے لیکن انہوں نے اپنے ذوق معرفت کے ساتھ بہت خوبصورت حمدیہ اور نعتیہ رباعیاں کہیں۔

کس راز سے خالق کے یہ آگاہ نہیں دنیا میں محمدؐ سا شہنشاہ نہیں
خاموش کہ یہاں سخن کو بھی راہ نہیں باریک ہے ذکر قرب معراج رسول

انیس

کشکول میں مقصود کے گوہر۔ بھر دے جھولی بندے کی' بندہ پرور بھر دے
اے ساقی' کوثر! مرا ساغر بھر دے صدقہ مرے میخانے کے مے خواروں کا

امجد حیدر آبادی

دل' رافت و مرحمت کا گنجینہ ہے کیا بحر کرم' حضورؐ کا سینہ ہے
قامت نہیں' قد آدم آئینہ ہے انوار خدا دیکھ لو اس کے اندر

حامد حسن قادری

تمام شعری پیکر اس نور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر سے منور ہیں اور جگمگا رہے ہیں۔ مثنوی' ترکیب بند' مثمن سے لے کر ہائیک اور نظم آزاد تک۔ تمام اصناف پر گفتگو کی جائے اور مثالیں پیش کی جائیں تو اس تحریر کو سمیٹنا مشکل تر ہو جائے گا۔ صرف محسن کاکوروی" کی دو مثنویوں "چراغ کعبہ" اور "صبح تجلی" کا جائزہ پیش کیا جائے تو "نعت رنگ" کی ضخامت میں خاصا اضافہ ہو جائے گا۔ جو صاحبان نعت کو برکت کی چیز اور محض حقیقت کا اظہار سمجھتے ہیں ذرا اردو مثنوی کے ذخیرے میں ان مثنویوں کی مثال تو تلاش کریں۔ مذہبی موضوعات اور جذبات عقیدت کو شعر بنانا بہت مشکل مرحلۂ فن ہے اور نعت کے وابستگان دامن نے اسے آسان اور ممکن کر دکھایا ہے۔ تعجب ہے کہ مرثیہ کے بارے میں ان خیالات کا کوئی اظہار نہیں کرتا ہاں نعت ہدف ٹھہرتی ہے۔ اسی طرح کربلا کو انقلاب کی علامت قرار دینے

والے بدر و حنین کے ذکر کو رجعت پسندی قرار دیتے تھے۔ ویسے ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ ان کی زمین انقلاب اور تصورِ انقلاب کو زمانے کی ہوا اڑا لے گئی' اور ماسکو کی توسیع پسندی کا ستارہ افغانستان میں ڈوب گیا۔ اس گریز کے لئے معذرت خواہ ہوں لیکن عصری حقائق کی چھوٹ تو انکار د تحریر پڑتی ہے۔

مثنوی چراغِ کعبہ سے سراپا کے چند اشعار پیش کرنے کے بعد ان شاء اللہ دوسرے پہلوؤں کا مختصراً" احاطہ کیا جائے گا۔ نعت کے بعض نقادوں نے سراپا پر اعتراض کیا ہے اور وہ اسے حدودِ نعت میں شامل نہیں کرنا چاہتے' لیکن دیکھیے کہ محسن نے سراپائے رسول کو کس طرح لازمانی بنا دیا ہے۔ سراپا کے یہ اشعار حسن رسول عربی کا ادنیٰ سا پرتو ہیں۔ اس حسن کا پرتو جس نے اس کائنات کو آئینہ خانہ بنا دیا۔ اور اگر "سراپا" کا ذکر اہم نہ ہوتا تو شمائل "ادبیات حدیث" کا حصہ نہ ہوتے۔

خیرالبشر صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر سات سال تھی۔ اس راکبِ دوشِ محمدؐ کو آپؐ سے بے حد وابستگی تھی۔ وہ اپنے نانا کی باتیں اپنے بزرگوں سے کرتے۔ ایک مرتبہ حضرت حسنؓ نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ سے فرمائش کی کہ وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک بیان کریں۔ انہوں نے حلیہ بیان کرتے ہوئے کہا۔

> "آپ اپنی ذات والا صفات کے اعتبار سے بھی شان دار تھے اور دوسروں کی نظر میں بھی بڑے رتبہ والے تھے۔ آپ کا چہرۂ مبارک بدر کی طرح چمکتا تھا۔ آپ کا قد متوسط القامت آدمی سے قدرے زیادہ اور طویل القامت آدمی سے قدرے کم تھا.... آپ کا رنگ نہایت چمک دار تھا اور پیشانیؐ مبارک کشادہ۔ آپ کے ابرو باریک اور گنجان تھے۔ دونوں ابرو جدا جدا تھے ایک دوسرے سے پیوستہ نہیں۔ ان دونوں کے درمیان ایک رگ تھی جو (حق کے معاملے میں) غصہ کے وقت ابھر آتی تھی۔ آپ کی بینیؐ مبارک بلندی مائل تھی جو حسن و تابانی کی وجہ سے بلند معلوم ہوتی تھی۔ ریش مبارک بھرپور اور گنجان تھی۔ آنکھ کی پتلی نہایت سیاہ تھی' رخسار مبارک ہموار تھے۔ دہن مبارک اعتدال کے ساتھ فراخ تھا۔ دندان نبوی باریک اور آب دار تھے۔ سامنے کے دانتوں میں ہلکا سا اور خوبصورت فصل تھا۔ گردن ایسی خوبصورت اور باریک تھی جیسے تراشی گئی ہو' رنگت میں چاندی کی سی صفا تھی۔ آپ کے تمام اعضا معتدل اور پُر گوشت تھے۔ پیٹ اور سینہ ہموار اور سینہ فراخ تھا۔ بدن کا وہ حصہ جو کپڑوں سے باہر ہوتا چمکتا تھا" (۱۰)

یہ ہند بن ابی ہالہ کی طویل روایت کا ایک اقتباس ہے۔ دوسرے صحابہ کرام سے بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چہرہ مبارک اور حلیہ مبارک کی احادیث مروی ہیں اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ حسن سیال تھا جو نظر کے مطابق نئے سانچوں میں ڈھل جاتا۔ ہر ایک اپنی تابِ نظر اور قوت دید کے مطابق اس حسن کو دیکھ پاتا۔ ایسے نقش جمال اور شاہکار الٰہی کو چودہ صدیوں کے فاصلے سے محسن نے دیکھا اور کس طرح دیکھا۔

حقا کہ وہ جسم سر سے تاپا ہے شاہد غیب کا سراپا
ابرو پہ جبین مہ شمائل رکھی ہوئی رحل پر حمائل
پیشانی ہے جزوِ مصحفِ رو اس پارے کے دو رکوع ابرو
واللیل کا ترجمہ ہے گیسو تفسیر اذا سجیٰ ہے گیسو
جوہر کا بھرا ہوا خزینہ آئینۂ بے مثال سینہ
اس گردن صاف کی بلندی تکبیر فریضۂ سحر کی
رعنائی قامت مناسب روزے میں اذان وقت مغرب

محسن نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین اور ان پر نازل ہونے والی کتاب کے اشاروں کے حوالے سے سراپا مرتب کیا۔

اب اس گفتگو سے آگے بڑھتے ہوئے ایک دوسرے پہلو کی طرف ہم سفر کرتے ہیں۔ غزل کی صنف ہماری سب سے مقبول صنف ہے۔ اس کی مقبولیت کی وجہ سے اس میں کہنگی پیدا ہو جاتی ہے اور پھر کوئی ادبی مجدد آکر اس کی تجدید کرتا ہے۔ غالب کے بعد غزل اپنی سطح بلند سے گر کر "چوما چاٹی" میں مشغول ہو گئی تھی۔ اسی دور میں حالی نے مقدمہ میں غزل کے کمزور پہلوؤں کی نشان دہی کی حالی غزل کے خلاف نہیں تھے۔ انہوں نے غزل کے اس رجحان پر تنقید کی ہے کہ کم درجہ کے غزل گو شعرا کے ہاتھوں غزل اپنی اشاریت' ایمائیت اور امکانات سے محروم ہو جاتی ہے۔ "قاتل" کی اصطلاح اپنے معانی کھو بیٹھتی ہے اور کوچۂ محبوب سچ مچ قصاب خانہ بن جاتا ہے۔ شاد عظیم آبادی نے غزل کو اس کا کھویا ہوا کردار عطا کرنے کی کوشش کی اور پھر حسرت' فانی' اصغر' جگر' یاس' فراق نے اردو غزل کو ایک بار پھر ہماری شاعری کی آبرو بنا دیا۔ اقبال دیدۂ بیدار غزل بن کر آئے' لیکن اسی کے ساتھ روایتی انداز کی غزل سرائی بھی ہوتی رہی۔ اس روایتی غزل کا سایہ ہماری نعت گوئی پر پڑتا نظر آتا ہے۔ ہجر اور وصل کو تو چھوڑیئے۔ "شب اسریٰ کا دولہا" بھی نعت میں ملے گا اور وہ رب محمد بھی جو غم ہجر میں تڑپ رہا ہے۔ معاذ اللہ

بہت سی نعتوں میں غزل کا مروّجہ لہجہ' عام الفاظ' اور وہ اسلوب ملتا ہے جس کا رومانی لہجہ' اعلیٰ عشقیہ شاعری کی کوئی صفت اپنے دامن میں نہیں رکھتا۔ اس اسلوب کا نامناسب ہونا بیّن ہے۔ اس پر اضافہ

کیجئے اس حقیقت کا کہ بہت سے حضرات نے "سیکولر" نعتیں کہی ہیں۔ وہ رسول کریم و عظیم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دوسرے انسانی رہبروں اور "لیڈروں" میں سے ایک سمجھتے ہیں اور بس۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ کیسی نعتیں ایسے لوگوں کے قلم سے سامنے آئیں گی۔ سرشار صدیقی کے مجموعہ "اساس" کے مقدمے میں ایسی نعتوں کے چند حوالے راقم الحروف نے پیش کئے تھے۔ شاعروں کے نام دانستہ درج نہیں کئے گئے تھے۔ اور آج شعراء کے نام دینا چاہتا ہوں مگر یاد نہیں آتے۔ شعر ملاحظہ ہوں۔

تمہیں وطن کی ہوائیں سلام کہتی ہیں   مرے چمن کی فضائیں سلام کہتی ہیں
وہ عہد گل، وہ لب جو، وہ بزم سرو و سمن   وہ قمریوں کی صدائیں سلام کہتی ہیں

یہ میرا اضطراب شوق، رشک جنون قیس ہے   جذبہ بہ جذبہ، دل بہ دل، شیوہ بہ شیوہ، خو بہ خو

جس میں ہو ترا ذکر، وہی بزم ہے رنگیں   جس میں ہو ترا نام، وہی بات حسین ہے

اب بتایئے کہ اپنے موضوع اس کے سیاق و سباق، اسکی وسعتوں اور پہلوؤں سے دور ہو کر شاعری کس طرح تنگ ہو سکتی ہے، اور الفاظ اپنے معانی سے محروم ہو کر کس طرح خزف ریزے ہو جاتے ہیں۔ ان ٹھیکروں سے تو کوئی آواز بھی نہیں نکلتی۔ صدائے گل بھی نہیں۔ ایک خیال بار بار میرے ذہن میں آیا ہے اور آتا رہتا ہے کہ نعت کا شعر، وہی شعر ہے۔ جس کو پڑھتے ہی سرور کون و مکاں صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال مبارک ذہن میں آ جائے، اور جو آپ کے مرتبہ عظیم کے شایان شان ہو۔ ویسے بہت سے شعر خوبصورت ہونے کے باوجود نعت کے شعر نہیں کہے جا سکتے۔

لٹائی جائے گی زمین پہ موج موج نور کی   رکی ہوئی ہے رات جوئے کہکشاں لئے ہوئے
(کوثر جالسی)

ترے تکلم پہ ہے تصدق، ہزار جاں سے یہ تیرا صادق   کچھ ایسی تاثیر ہے زباں میں، ادا کچھ ایسی خطاب میں ہے
(صادق)

لب کشائی کی بھلا مجھ میں کہاں تھی جرات   کر دیا ان کی عنایات نے بے باک مجھے
(قتیل شفائی)

اب ذرا قتیل شفائی صاحب کے اس شعر پر غور فرمایئے کہ سرور کائنات کی عنایات نے انہیں "بے باک" کر دیا۔ غالباً "بے باک" کا لفظ حوصلہ اظہار صدق کے لئے استعمال کیا گیا ہے، مگر اس سے فیضان نبوت کے تصور پر کیسی ضرب لگتی ہے۔ نعتیہ شاعری میں ایسی مثالوں کی کمی نہیں کہ "ارے توبہ" "معاذ اللہ" "اے میں قربان" جیسے تکیہ ہائے کلام یا تکیہ ہائے عجز سے شعر نعت کی فضا سے رشتہ توڑ لیتے ہیں۔ اسی طرح اس ذات گرامی سے رشتہ کا اظہار حسی بن جاتا ہے اور اس حد تک کہ... (بات ادا کرنی میرے

لئے مشکل ہے) محاورہ اپنی جگہ، مگر انداز بیان کی نسوانیت حد درجہ غیر مناسب معلوم ہوتی ہے۔ دو تین شعر پیش کر کے اس باب کو ختم کرتا ہوں۔ خط کشیدہ ٹکڑوں کو نظر میں رکھیے۔

یہ کہہ کے ترے حلقۂ گیسو سے چلا دل
ہے آج ہمارے لئے معراج کی یہ رات

اللہ رے شوخی تری اک چشم زدن میں
طے تو نے کئے ہیں عجب عرش و سماوات

(عزیز لکھنوی)

کعبہ دلہن ہے، تربت اطہر نئی دلہن یہ رشک آفتاب' وہ غیرت قمر کی ہے
دونوں بنیں سجیلی انیلی بنی مگر جو پی کے پاس ہے وہ سہاگن کنور کی ہے

(مولانا احمد رضا خاں)

ایک ہی وجہ جواز اسرا کی ہوتی ہے بہم تھی کسی کو خواہش وصل حبیب محترم

(راجا رشید محمود)

یہ شاعری ایک طرف تو غزل کے روایتی انداز کی عکاس ہے اور دوسری طرف بھگتی شاعری اور ہندی عناصر بھی اس پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ آدمی اپنے دفاع میں بڑی حد تک آگے جا سکتا ہے۔ وہ وصل کے سلسلہ میں نعت اور تصوف دونوں کا سہارا لے کر اسے جائز قرار دے گا۔ یہ ہمیں بھی معلوم ہے کہ وصل اور وصال تعین کے اٹھنے اور اپنی خودی کے وہم سے بے گانہ ہو جانے کو کہتے ہیں بلکہ ارباب تصوف تو یہاں تک کہہ اٹھتے ہیں کہ "واصل حق مخلوق نہیں رہتا اور مخلوق کے اثرات اس پر سے زائل ہو جاتے ہیں" (۱۱) لیکن جسمانی یکجائی کو شب اسریٰ سے ملانے کو کیا کہا جائے گا۔ اور اگر معاملہ صرف خواہش وصل کا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رب ان سے حیات طیبہ کے کس لمحہ میں دور رہا۔ کاش ہمارے شاعر کو معراج کے معانی اور امکانات کا علم ہوتا۔ اقبال نے ایسے صاحبان سے پہلے ہی کہہ دیا ہے

تو معنیٔ والنجم نہ سمجھا تو عجب کیا
ہے تیرا مد و جزر ابھی چاند کا محتاج

گنجینۂ معنی کے طلسم کے سلسلہ میں ایک اور مسئلہ کو بھی میں پیش کرنا چاہتا تھا اور وہ ہے "جدت کا شوق" جدید اسلوب اگر آپ کی ذات اور ذہن و فکر کا حصہ بن کر ابھرے تو اس سے شاعری کے لئے امکانات پیدا ہوتے ہیں، نئے افق پر نئے ممکنات کے چاند طلوع ہوتے ہیں لیکن اوپری کوششوں سے شاعری مجروح ہوتی ہے۔ معاملہ نعت کا ہو تو بے ادبی کے پہلو بھی ابھرتے ہیں۔ پھر شاعر کا ادعا اور نعت میں۔ اللہ محفوظ رکھے

آج کا حسان بن ثابت ، مظفر وارثی
ملک حمد و نعت میں بے تاج سلطانی کرے

کیا اس عُجب پر کسی تبصرے کی ضرورت ہے؟

ایک طرف تو کبر کا یہ عالم (عام شاعری میں تو اسے تعلی کہہ کر بات بنا لیجئے، مگر نعت میں اس رعایت کی گنجائش نہیں) اور دوسری طرف شاعرانِ نعت کو اپنے قاری کی فہم پر اعتماد نہیں ہوتا اور اس عدم اعتماد اور بے اعتباری سے لفظ گنجینۂ معنی نہیں رہتا بلکہ اخبار کا لفظ بن جاتا ہے۔

زہے نصیب انہیںؐ ربط حالِ زار سے ہے
مری مراد مدینے کے تاج دار سے ہے

(حنیف اسعدی)

اب ذرا دوسرے مصرع پر غور کیجئے۔ یہ مصرع ہے یا وضاحتی نوٹ اور حاشیہ۔ شاعری میں اس کی گنجائش کہاں۔ پھر یہ نعت کا شعر بلکہ نعت کا مطلع ہے۔ نعت تو ایک وحدت ہوتی ہے، کیا اس نعت کے دوسرے شعر قاری تک یہ بات نہ پہنچا دیتے کہ جناب اسعدی کی مراد مدینہ کے تاج دار (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ہے؟

جدّت کی شعوری اور اوپری کاوشوں کے نتائج کیا اور کیسے برآمد ہوتے ہیں؟ ان شاء اللہ اس موضوع پر پھر کبھی لکھوں گا۔ اس تحریر کے اختتامی حصہ میں ایک ایسے معاملہ پر گفتگو مقصود ہے جسے بعض صاحبان نے اپنی انا کا مسئلہ بنا لیا ہے۔ اور یہ مسئلہ ہے نعت میں لفظ "تُو" کے استعمال کا۔ اس مضمون کے ابتدائی حصہ میں، میں نے عرض کیا ہے

"اب روز مرّہ کی گفتگو میں "تُو" نے تم اور آپ کے لئے جگہ خالی کر دی ہے، مگر ادب اور شاعری کی دنیا میں یہ ایک زندہ اور توانا لفظ ہے۔ ایسا لفظ جو روایات اور معنی کی دنیا ہے"

کوئی پانچ سات سال پہلے جب "تُو" کے خلاف ایک تحریک چلی تو میں نے عرض کیا تھا کہ جن صاحبان کے خیال میں اس لفظ میں گستاخی ہے ان کے لئے تو کا استعمال ممنوع بلکہ حرام ہے، لیکن جو لوگ اس لفظ کی وسعت اور پھیلاؤ سے آگاہ ہیں انہیں اس کے ترک پر کیوں مجبور کیا جائے؟ مگر بعض لوگوں کا مزاج آمرانہ ہوتا ہے۔)

لفظوں کی اہمیت اور معنویت پر غور کرنے کی ایک صورت اور معتبر صورت یہ ہے کہ آپ یہ دیکھیں کہ وہ لفظ متروک ہو گیا یا نہیں؟ اور اگر استعمال ہو رہا ہے تو کیا اس کے احاطۂ استعمال میں کوئی تبدیلی

ہوئی ہے؟ جیسا کہ عرض کیا گیا کہ "تو" نے عام زندگی میں "تم" اور "آپ" کے لئے جگہ خالی کردی' لیکن شعری دنیا میں یہ آج بھی استعمال ہو رہا ہے۔ "تُو" کا لفظ آج بھی محبوب کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

وہی میری کم نصیبی' وہی تیری بے نیازی
مرے کام کچھ نہ آیا' یہ کمال نے نوازی

اقبال

آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہاں "تیری" کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال ہوا ہوا ہے۔ چشم ما روشن دل ماشاد۔ اللہ آپ کو خوش رکھے۔ یہ تو اور اچھا ہوا۔ سب سے محترم ذات صاحب تخلیق (جو ہمارا محبوب بھی ہو سکتا ہے) کے لئے یہ لفظ استعمال ہو سکتا ہے تو پھر۔ اگر اقبال کے سامنے "تو" پر اعتراض کرتے تو شاید وہ یہ کہہ اٹھتے

نظر نہیں تو مرے حلقہ سخن میں نہ بیٹھ

میں نے "تو" کو "تُو" نہیں پڑھا ہے۔ مگر "بیٹھ" پر نظر ضرور رکھی ہے۔

اور مجھے نہیں معلوم کہ "آپ" کے علم بردار نمازوں کے بعد اللہ سے کس صیغے میں دعائیں مانگتے ہیں۔ ایاک نعبد و ایاک نستعین کا ترجمہ ہم نے تو یوں ہی پڑھا ہے۔

تیری ہی ہم بندگی کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں

(ترجمہ شیخ الہند مولانا محمود حسن)

"ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں"

(مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی)

"اے پروردگار ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں"

(مولانا فتح محمد جالندھری)

شاہ عبدالقادر سے لے کر مولانا مودودی تک قرآن حکیم کے تمام مفسروں نے' مولانا اشرف علی تھانویؒ کے استثنےٰ کے ساتھ' اللہ کے لیے تُو کا صیغہ استعمال کیا ہے۔ کیا معاذ اللہ ان علماء اور مترجموں کو گستاخی اور "تو تکار" کا مرتکب قرار دیا جا سکتا ہے؟... یہ ذوقی اور لسانی معاملہ ہے۔ اللہ کی وحدت تقاضا کرتی ہے کہ اس کے لئے "تُو" کی ضمیر استعمال کی جائے۔ اسی لئے بہت سے صاحبان "اللہ" کے لفظ پر اصرار کرتے ہیں اور خدا کے لفظ کے استعمال سے گریز کرتے ہیں کیونکہ خدا کی جمع خداؤں استعمال ہوتی ہے۔

جناب حنیف اسعدی بھی رب محمد کے لیے تُو کی ضمیر استعمال کرتے ہیں اور بار بار۔

جز ترے ہم کو اب

کس کی ہو گی طلب
اے محمدؐ کے رب

صرف تیرا خیال
چارۂ ہر ملال

اے حیات آفریں
تو کسی سے نہیں

ہر جبیں "بیش و کم" (؟)
تیرے در پر ہے خم
تیرا دست کرم
جھولیوں کا بھرم

تیری سب پر نظر
سب کو تیری طلب
اے محمدؐ کے رب

ہم نے صرف ایک نظم سے یہ چند مصرعے پیش کئے ہیں۔ معاذ اللہ کون کہہ سکتا ہے کہ جناب اسعدی نے اللہ تعالیٰ کی توہین کی ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کون محترم تر ہے رب کائنات' یا ان کی تخلیق اکمل و اجمل و اعظم صلی اللہ علیہ و سلم؟.... یہ وہ سوال ہے جس کے جواب کی ضرورت نہیں۔

پھر یہ نکتہ فراموش نہ کیجئے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور وحدت پر ہمارا ایمان ہے' لیکن اسی طرح نبوت کے سلسلہ عظیم کی کڑی ہوتے ہوئے حضرت محمد مصطفیٰ کی وحدت اپنی جگہ ہے... وہ جو سب سے آخر میں آیا' اور سب سے پہلے تخلیق کیا گیا.. صلی اللہ علیہ و سلم۔ ہم توحید کے ساتھ ساتھ نبوت کے بارے میں بھی شرک سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ جس طرح اللہ کے اختیارات و منصب میں ہم کسی کی شرکت کے بارے میں نہیں سوچ سکتے اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ و سلم اپنے مرتبہ میں تنہا ہیں۔

سب کچھ تمہارے واسطے پیدا کیا گیا   سب غایتوں کی غایت اولیٰ تمہیں تو ہو
دنیا میں رحمت دو جہاں اور کون ہے   جس کی نہیں نظیر وہ تنہا تمہیں تو ہو

لفظ "آپ" کے بارے میں جناب سحر انصاری نے حنیف اسعدی کی تضمینوں پر گفتگو کرتے ہوئے ان کے نعتیہ مجموعے "آپ" میں لکھا ہے۔

"کتاب کا نام آپ شاید میں نے تجویز کیا تھا۔ سامنے کا لفظ ہے۔ حضورؐ

کے لئے ہمیشہ استعمال ہوتا رہا ہے' لیکن کسی مجموعے کا نام آپ نہ رکھا جا سکا۔
یہ سعادت حنیف اسعدی کے حصے میں آئی اور غالباً" یوں آئی کہ انہوں نے
نعت گوئی میں یہ التزام رکھا ہے کہ حضورؐ کے لئے "تو تڑاق" کے صیغوں کو
ترک کر دیں"

جیسا کہ عرض کیا گیا "تو" کا لفظ رب العزت کے لئے ہماری زبان میں بنیادی طور پر استعمال ہوتا ہے۔ پھر یہ لفظ صرف اللہ اور رسولؐ کی نسبت سے ہماری زبان کا سب سے زیادہ محترم لفظ ہے۔ عشقیہ شاعری میں بھی یہ اپنا فریضہ انجام دے رہا ہے۔ خاصان محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رسولؐ، اپنے آرام جاںؐ' اور اپنے محبوبؐ کے لئے مسلسل یہ لفظ استعمال کیا ہے۔ لفظوں کے معنی محض لغت' یا اپنے وہم اور مذاق میں تلاش نہ کیجئے۔ زندگی اور زبان کے عام اور زندہ استعمال میں تلاش کیجئے۔ سحر صاحب ذمہ دار اہل قلم ہیں' لیکن "تو تڑاق" کا لفظ استعمال کر کے انہوں نے خاصان محمدؐ کی بھی توہین کی ہے اور ایک نعتیہ مجموعہ کو سوقیانہ لفظ کے استعمال سے داغ دار کیا ہے... اور ذرا یہ بھی تو دیکھئے کہ جو لفظ (آپ) سحر صاحب' میرے لئے استعمال کریں اور میں ان کے لئے وہ بار عظمت محمدیؐ کو کیسے سہار سکتا ہے؟

اقبال کی نظم ذوق و شوق میں ہمیں یہ نعتیہ شعر ملتے ہیں

لوح بھی تو' قلم بھی تو ' تیرا وجود الکتاب گنبد آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب
عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ ذرۂ ریگ کو دیا' تو نے طلوع آفتاب
شوکت سنجر و سلیم' تیرے جلال کی نمود فقر جنیدؒ و بایزیدؒ تیرا جمال بے نقاب
شوق ترا اگر نہ ہو' مری نماز کا امام میرا قیام بھی حجاب' میرا سجود بھی حجاب
تری نگاہ ناز سے دونوں مراد پا گئے عقل غیاب و جستجو' عشق حضور و اضطراب

یہ پانچ شعر ایک طرف اور آج کے اکابر کے بہت سے مجموعے ایک طرف... اور پھر آپ خود انصاف کیجئے کہ کون سا پلڑا بھاری ہے۔

اقبال صاحب طلسم گنجینۂ معنی تھے۔ ان کا ہر لفظ علامت بکنار اور گنج ہائے معانی در کنار ہے۔ اور ہم محض لفظوں کی سیپیوں کے بیوپاری ہیں۔ ہم پر تو یہ شعر صادق آتا ہے۔

خزفے بود کہ از ساحل دریا چیدیم
دانۂ گوہر یکتا نہ تو داری و نہ من

لفظ "تو" دانہ گوہر یکتا ہے۔ ذرا اس کی چھوٹ اور قائم رہنے والی چمک کچھ اور شعروں میں ملاحظہ کیجئے تاکہ یہ نہ کہا جا سکے کہ صاحب یہ تو اقبال کا کمال فن ہے۔ بات یہ ہے کہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے جس نے بھی "تُو" کی یکتائی کو سمجھا' اسے عشق یکتا سے نوازدیا گیا۔

نغمہ حق ادھر ہوا' تیرے رباب سے بلند رک گئے دفعتہ" ادھر ساز و نوائے کافری
کیسے کہوں شہ رسل' میں بھی ترا غلام ہوں قبلۂ بندگی مرا' ترا حریم سروری
(علی اختر حیدر آبادی)

اے کہ ترے جلال سے مل گئی بزم کافری رعشۂ خوف بن گیا' رقص بتان آزری
تیرے قدم پہ جبہ سا' روم و عجم کی نخوتیں تیرے حضور سجدہ ریز' چین و عرب کی خودسری
(جوش ملیح آبادی)

اسی امید پہ ہم طالبان درد جیتے ہیں خوشادرد ے کہ تیرا درد' درد لادوا ہو گا
(جگر مراد آبادی)

اے سبک سیر جادہ اسری روک دی تو نے وقت کی رفتار
(حفیظ ہوشیار پوری)

اے مرے شاہ شرق و غرب' نان جویں غذا تری اے مرے بوریہ نشیں' سارا جہاں گدا ترا
(احمد ندیم قاسمی)

ہیں تری ذات پہ سو ناز گنہ گاروں کو کیسے بے ساختہ کہتے ہیں کہ ہم تیرے ہیں
(حفیظ تائب)

محض وعظ ہو یا سیرت کی کتاب ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات فلک مرتبت کے لئے "آپ" کا لفظ اور بہت سے القاب و آداب استعمال کرتے ہیں۔ "سرور کونین"' "ختمی مرتبت"' "سید کل"' "خیرا البشر"' "رسول اعظم"' "ہادیٔ برحق"' "صاحب کوثر" وغیرہ وغیرہ... لیکن جب تخلیقی لمحوں میں ہمارا جذب دوروں ہمیں عشق کے پر لگا کر اڑا تا ہے۔ اور جب یہ بزم کائنات ہمارے لئے بدل جاتی ہے تو یہ سارے القاب' یہ آداب' یہ سارے لفظ ایک لفظ میں بدل جاتے ہیں۔ "تو" میں... یہ چھوٹا سا ایک رکنی لفظ کائنات کا سب سے محترم اور مقدس لفظ بن جاتا ہے۔ یہ ہمارے دل کی دھڑکن بن جاتا ہے۔ یہ ہمارے خلوتوں کا آئینہ بن جاتا ہے۔ وہ خلوت جس میں جمال مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوتا ہے اور ہماری حیرانی۔ یہ ہمارے اختیار کی نہیں بلکہ سپردگی کی منزل ہوتی ہے۔

حوالے

1-ALFRED KORZYBSKI Manhood of Humanity New York 1921 p.186 (quoted by Lee 1.J in Human Habits in Human Affairs)

2-IRVING J.LEE Language Habits in Human Affairs Harder and Brothers Publishers New York 1941 p.6

۳ ۔ سید ابوالخیر کشفی، ہمارے عہد کا ادب اور ادیب، قمر کتاب گھر کراچی، ۱۹۷۱ء ۔ لفظ اور ادب کے بارے میں یہ گفتگو، اس کتاب کے پہلے مضمون "ادب کا سب سے بڑا مسئلہ ادب" سے لی گئی ہے۔

۴ ۔ سید ذوالفقار علی بخاری ۔ سرگزشت ۔ غالب پبلشرز لاہور، ۱۹۹۵ء ۔ صفحہ ۸ ۔ ۲۳۷

۵ ۔ عبدالرحمٰن بجنوری ۔ محاسن کلام غالب، فخری اڈیشن کراچی، صفحہ ۱۱

۶ ۔ حوالہ بالا ۔ صفحہ ۱۰

۷ ۔ ابن رشیق بحوالہ علامہ شبلی نعمانی، شعرالعجم جلد چہارم، فرمان علی اینڈ سنز لاہور، صفحہ ۵۲

۸ ۔ حوالہ بالا، صفحات ۵۳ تا ۵۷

۹ ۔ حوالہ بالا ۔ صفحہ ۵۸

۱۰ ۔ امام ترمذی، شمائل ترمذی (ترجمہ و شرح مولانا محمد زکریاؒ) کراچی، صفحہ ۶ ۔ ۱۵

۱۱ ۔ سید محمد ذوقی شاہ ۔ سردل براں، کراچی طبع چہارم ۱۴۰۵ھ، صفحہ ۳۳۵

۱۲ ۔ سحر انصاری، مشمولہ آپ (نعتیہ مجموعہ حنیف اسعدی)، اقلیم نعت کراچی ۱۹۹۶ء ۔ صفحہ ۲ ۔ ۱۱۱



اردو نعت اور شاعرانہ تعلّی

رشید وارثی

شعرائے عہد جاہلیت کے کلام سے یہ بات بخوبی واضح ہوتی ہے کہ فخرو مباہات کا جذبہ عربوں کے خمیر میں داخل تھا۔ عصر جاہلیت کی غیرت و حمیت کے حوالے سے عرب معاشرے میں حماسہ یا فخریہ شاعری کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ چنانچہ سبعہ معلقات کے اردو تراجم بھی دیکھے جائیں تو اس بات کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ حماسہ یا اظہار برتری پر مبنی اشعار عرب کے فحول شعراء کے کلام کی جان ہیں۔

اس حوالے سے یہ بات بھی لطافت سے خالی نہیں کہ ایک طرف تو دور فترت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد کرام (علیہم السلام) اور بعثت نبویؐ کے ابتدائی برسوں میں آپؐ کے شفیق اور جاں نثار چچا حضرت ابو طالب کے حماسوں میں صدق بیانی اور حقیقت نگاری کی جلوہ سامانیاں پوری آب و تاب کے ساتھ نظر آتی ہیں۔ اور دوسری جانب عہد اسلام میں خلافت راشدہ کے بعد کے درباری شعراء نے ذاتی منفعت کیلئے فخرو مباہات کے بیان میں وہ رنگ آمیزی کی ہے کہ اس میں صداقت کا شائبہ بھی نظر نہیں آتا۔ اس کے علاوہ انہوں نے معانی و مطالب سے گریزاں تشبیہوں اور استعاروں سے اپنی شاعری کو اچھا خاصا چیستان بنا دیا۔ اور اپنے زور بیان کی دھاک بٹھانے کی لئے نامانوس الفاظ اور نادر تراکیب استعمال کرنے پر ہی اپنی توجہ مرکوز رکھی۔ جس کی وجہ سے ان کے اشعار سچے جذبات سے عاری اور بے روح ہو کر رہ گئے۔

ان درباری شعراء کے اشعار اگرچہ بے بنیاد اور خلاف حقیقت فخرو مباہات پر مشتمل ہیں' تاہم وہ اپنی ذات کے بجائے اپنے ممدوح اور اس کے قبیلے کی مدح سرائی میں ہی اپنی تمام تر فنی صلاحیتیں صرف کرتے تھے۔ لیکن جب غزل کے ساتھ ساتھ قصیدہ نگاری ایران سے ہندوستان پہنچی اور شعری مجالس یا مشاعروں کا انعقاد ہونے لگا' تو ذاتی توصیف و تعلّی کے رجحان کو تقویت حاصل ہوئی۔ اور رفتہ رفتہ یہ رویّہ ایک روایت میں تبدیل ہو تا گیا۔ اور آج اس کے شواہد اردو شاعری میں بکثرت نظر آتے ہیں۔

تعلّی کے لغوی اور اصطلاحی معنی

عصر حاضر کے معروف نقّاد اور محقق فضیلت مآب ڈاکٹر جمیل جالبی صاحب' تعلّی کے لغوی اور اصطلاحی معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"تعلی کے معنی ہیں شیخی' اپنی بڑائی خود کرنا' ڈینگ مارنا' اپنے تئیں سب سے اعلیٰ سمجھنا' حقیقت سے بعید دعویٰ کرنا' شاعرانہ جواز پیش کرنا۔ شاعرانہ تعلی میں اپنے یا اپنی شاعری کے بارے میں اظہار فوقیت کیا جاتا ہے۔ ولی' سودا' درد' ناسخ' آتش' غالب' مومن' ذوق سب کے ہاں بے شمار شعر شاعرانہ تعلی میں ملیں گے۔ یہی اس کے لغوی اور اصطلاحی معنی ہیں"۔ (ذاتی مکتوب)۔

اردو شاعری میں تعلی کی مندرجہ ذیل مثالیں نمونے کے طور پر ہدیۂ قارئین کی جاتی ہیں :

حیدر آغاز نگارش میرا غالب و میر کے انجام سے ہے (حیدر بخش)

سیماب لفظ لفظ اترتے ہیں عرش سے میری بیاض شعر خدا کی کتاب ہے (سیماب اکبر آبادی)

دیوان جدید شاعری لایا ہوں فرقان حمید شاعری لایا ہوں (حکیم آزاد انصاری)

ختم الرسل شعر ہوں منجانب حق قرآن مجید شاعری لایا ہوں (مولانا حالی کے شاگرد)

تعلی کی شرعی حیثیت :

تعلی کے لغوی اور اصطلاحی معنی میں جو صورتیں بیان ہوئی ہیں' وہ سب اخلاق ذمیمہ میں شامل ہیں۔ قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں ان کے بارے میں سخت ممانعت اور وعید آئی ہے۔ اس کا نفسیاتی تجزیہ کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ انسان میں جب کوئی خوبی یا کمال پایا جاتا ہے تو فطرتاً اس کے دل میں اس کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ یہ کوئی اخلاقی عیب نہیں لیکن جب یہ خیال اس قدر ترقی کر جاتا ہے کہ وہ دوسرے لوگوں کو جن میں یہ خوبی نہیں پائی جاتی یا کم پائی جاتی ہے' اپنے سے کم تر اور حقیر سمجھنے لگتا ہے۔ اس احساس کو کبر اور اس کے اظہار کو تکبر کہتے ہیں۔ چنانچہ شیخی مارنا' اپنی بڑائی خود کرنا' خود کو سب سے اعلیٰ سمجھنا' اپنے کسی کمال پر اظہار کرنا' حقیقت سے بعید دعوے کرنا' شاعرانہ تعلی میں اظہار فوقیت کرنا' یہ سب باتیں تکبر ہی کے مختلف مدارج ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ جبار المتکبر ہے۔ اور بارگاہ کبریائی میں اظہار فخر و برتری سخت ناپسندیدہ اور لائق وعید ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

ان اللّٰہ لایحب کل مختال فخور○

ترجمہ : اللہ تعالیٰ کسی بڑائی جتانے والے اور اظہار فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ (سورۂ لقمان۔ آیت ۱۸)۔ اس آیۂ مبارکہ میں دو لفظ استعمال ہوئے ہیں یعنی مختال اور **فخور** ۔ "مختال" اس متکبر شخص کو کہتے ہیں جس میں تکبر کے علاوہ خود پسندی کا عیب بھی پایا جاتا ہو۔ اور **"فخور"** مبالغہ کا صیغہ ہے (جس کے معنی ہیں) بہت اترانے والا اور فخر کرنے والا۔ (لسان العرب) اسی طرح اختیال کی بنیاد کمالات داخلی پر ہوتی ہے مثلاً علم و فن اور عبادت و ریاضت وغیرہ اور فخر کی بنیاد کمالات خارجی پر مثلاً مال و دولت اور عزت و شہرت وغیرہ۔

اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے ابن کثیر حدیث نقل کرتے ہیں کہ "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خوبیں' معجب (خود نمائی کرنے والا)' متکبر' خود پسند' لوگوں پر اپنی فوقیت جتانے والا' اپنے آپ کو دوسروں سے بہتر جاننے والا خدا کا پسندیدہ بندہ نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)۔ یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی کسی نعمت پر طبعی مسرت نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہے اور شکر باری تعالیٰ ساتھ تحدیث نعمت کا قرآن کریم میں حکم دیا گیا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں مسلمان بنایا' اچھی صحت عطا کی' رزق میں کشادگی فرمائی لوگوں میں عزت عطا کی' ہمارے عیبوں کو پوشیدہ رکھا اور لوگوں کو ہمارے بارے میں خوش گمان کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عشق عطا فرمایا' ذوق نعت بخشا دوسری امتوں پر ہمیں فضیلت عطا فرمائی' کسی کو حرمین شریفین کی حاضری کا شرف عطا کیا' دعاؤں کو شرف قبولیت عطا کیا' وغیرہ۔ ایسی نعمتوں پر اظہار مسرت نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

واما بنعمة ربک فحدث

ترجمہ : اور اپنے پروردگار کی نعمتوں کا بیان کرتے رہو۔ (سورہ والضحیٰ۔ آیت ۱۱)۔

چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرماتے ہیں۔ اے اللہ! تو ہمیں اپنی عطا کردہ نعمتوں کی شکر گذاری کرنے والا اور انکی وجہ سے اپنی حمد وثنا بیان کرنے والا' اور ان کا اقرار کرنے والا بنا دے۔ اور ان نعمتوں کو ہم پر تمام کردے۔ (تفسیر ابن کثیر)

خلاصۂ کلام یہ کہ شکر و امتنان کے ساتھ تحدیث نعمت کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ اور کسی نعمت پر اترانے کی ممانعت فرمائی گئی ہے۔ جب کہ سورۂ حدید کی ۲۳ویں آیت میں ارشاد ربانی ہے :

لاتفرحوابما اتکم واللّٰہ لایحب کل مختال فخور○

ترجمہ : (اللہ تعالیٰ نے) تم کو جو دیا ہے اس پر اتراؤ نہیں۔ (کیونکہ) اللہ تعالیٰ کسی اترانے والے اور بڑائی مارنے والے کو پسند نہیں کرتا۔

لہٰذا شریعت اسلام میں تعلی کی تمام صورتوں کی نہ صرف ممانعت ہے بلکہ اس پر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی وعید بھی آئی ہے۔ تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے دل میں رائی کے برابر بھی تکبر ہو۔ اور فرمایا کہ انسان اپنے غرور اور خود پسندی میں بڑھتے بڑھتے خدا تعالیٰ کے ہاں جباروں میں لکھ دیا جاتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

قرآن و حدیث کے مذکورہ بالا پیغامات سے یہ بات واضح ہے کہ شریعت اسلامیہ نے تعلی یا فخرو مباہات کی نہ صرف بیخ کنی کی ہے' بلکہ اس کو رذائل اخلاق میں شمار کرتے ہوئے اس پر وعید کا اعلان کیا ہے۔ اسلام کے علاوہ دیگر آسمانی اور غیر آسمانی مذاہب میں بھی ذاتی تعلی کی حوصلہ شکنی کی گئی ہے۔ چونکہ نعت نگاری کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ عشق سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت غلامی کو

قوی کیا جائے' آپؐ کے اسوۂ حسنہ اور تعلیمات کو عام کیا جائے اور اپنے ذوق نعت کو آخرت کیلئے وسیلۂ نجات بنایا جائے' لہٰذا نعت نگاری جیسی مقدس صنف سخن میں تعلی جیسے فعل مذموم سے اجتناب ضروری ہے۔

ذوق نعت پر تحدیث نعمت کے حوالے سے یہ شعر کتنا خوبصورت ہے :

یہ کس مہکے ہوئے رنگین گل کا تذکرہ نکلا
کہ عطر و مشک و عنبر سے بھرا گنج دہن میرا

(صبا متھراوی)

نعت نگاری میں تعلی کی روایت

اردو شاعری میں شاعرانہ تعلی کی روایت ہر زمانے میں موجود رہی ہے اور چونکہ ادب کسی نہ کسی جہت سے روایت ہی کے دائرہ اثر میں تخلیق ہوتا ہے' لہٰذا تخلیقی ذہن رکھنے والے افراد یعنی ادیب و شاعر' روایت ہی کی فضائے بسیط میں رہتے ہوئے سوچتے اور لکھتے ہیں۔ لہٰذا شاعرانہ تعلی کی روایت شعوری یا غیر شعوری طور پر دیگر اصناف سخن میں رواج پاتے ہوئے نعت نگاری میں در آئی۔ چنانچہ اردو کے قدیم شعراء سے لے کر عصر حاضر کے اکثر نعت گو شاعروں کے کلام میں مختلف انداز سے شاعرانہ تعلی پر مبنی اشعار موجود ہوتے ہیں۔ جن کی نشاندہی معنوی تنقید کے ساتھ ذیل میں کی جاتی ہے :

ملک حمد و نعت پہ سلطانی کا دعویٰ

حمد باری تعالیٰ ایک ایسا لامحدود اور لاتعین موضوع ہے جسے کما حقہٗ بیان کرنے میں خود حبیب کردگار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اظہار عجز فرمایا ہے۔ کتب احادیث میں آپ کی یہ دعا نقل کی گئی ہے :

"اے واہب العطایا! تو پاک ہے اس سے کہ ہم تیری عبادت کا حق ادا کر سکیں' تیرے ذکر کا حق ادا کر سکیں' تیرے شکر کا حق ادا کر سکیں اور تیری معرفت کا حق ادا کر سکیں۔"

(شرح لوائح جامی)۔

خود ذات وحدہٗ لاشریک لہٗ کا ارشاد ہے :

ولو ان مافی الارض من شجرۃ اقلام والبحر یمدہ من بعدہ سبعۃ ابحر مانفدت کلمت اللّٰہ ان اللّٰہ عزیز حکیم ○

ترجمہ : اور زمین میں جتنے درخت ہیں اگر وہ قلمیں بن جائیں اور سمندر روشنائی بن جائے اور اس کے علاوہ سات سمندر اسے مزید روشنائی مہیا

کریں تو پھر بھی اللہ (تبارک و تعالیٰ) کی باتیں ختم نہ ہوں گی۔ بے شک اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے۔

(سورۂ لقمان۔ آیت ۲۷)

یعنی روئے زمین پر جتنے درخت ہیں اگر ان کے قلم بنالئے جائیں اور سمندر کی روشنائی بنالی جائے پھر ایک سمندر کا پانی ختم ہو جانے پر یکے بعد دیگرے سات سمندروں کے پانی کی روشنائی بنالی جائی، تو قلم گھس کر ناکارہ ہو جائیں گے اور سمندروں کا پانی ختم ہو جائے گا۔ لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ کی حمد و ثناء کا ایک حصہ بھی رقم نہ ہو پائے گا۔

حمد باری تعالیٰ کی اس بیکرانی سے باخبر رہتے ہوئے بھی ایک شاعر محترم کا یہ دعویٰ ملاحظہ فرمایئے :

آج کا حسان بن ثابت (تخلص)
ملک حمد و نعت پہ بے تاج سلطانی کرے

اس شعر میں خدا اور رسول کے فرمودات کے خلاف کس قدر بیباکی کے ساتھ ملک حمد و نعت پہ سلطانی کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ اور اگر اسے آرزو کا اظہار بھی مان لیا جائے، تو یہ ایک ایسی بات کی تمنا ہے جو حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی نصیب نہ تھی۔ متاخرین نے ملک الشعراء اور طوطیٔ اسلام کے خطابات سے حضرت حسانؓ کا تذکرہ ضرور کیا ہے، لیکن ملک حمد و نعت کی سلطانی کے نہ تو وہ سزاوار تھے اور نہ ان کا یہ منصب تھا۔ اور نہ ہی کبھی انہوں نے اس کا ادعا یا آرزو کی۔ لہٰذا اس قسم کی بے حقیقت مفاخرت یا تمناؤں کا اظہار اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔

دوسری تعلی اس شعر میں یہ پائی جاتی ہے کہ شاعر موصوف نے جذبۂ خود بینی سے مغلوب ہو کر "آج کا حسانؓ بن ثابت" ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ اس بارے میں ایڈیٹر ماہنامہ "نعت" لاہور راجہ رشید محمود صاحب کی اس تحریر سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ (وہ لکھتے ہیں) آج کل کے کچھ نعت خواں مثلاً "محمد اعظم چشتی اور محمد علی ظہوری اپنے نام کے ساتھ بالالتزام "حسان پاکستان" لکھواتے ہیں۔ کسی کو پاکستان کا، ہندوستان کا یا عجم کا حسان کہنا، شاعر دربار رسالت، حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کی توہین ہے۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے ساتھ اپنی جس نسبت کی خواہش کی ہے، اور یہ خواہش نعت سرکار (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے توسل و توسط سے کی ہے، وہ سب لوگوں کے لئے مشعل راہ ہونا چاہیے۔

فرماتے ہیں :

کرم نعت کے نزدیک تو کچھ دور نہیں
کہ رضائے عجمی ہو سگ حسان عرب

یا زیادہ سے زیادہ یہ بات گوارا ہو سکتی ہے کہ لوگ مولانا ضیاء القادری بدایونی کو "لسان الحسان"

کہتے اور لکھتے تھے۔ اپنے نام کے ساتھ "حسان.... "لکھوانے والے جواز یہ پیش کرتے ہیں کہ اپنی نعت گوئی یا نعت خوانی کے بل پر حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے نسبت ظاہر کرنے کیلئے ایسا کیا جاتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کسی صفت کی وجہ سے ایسی ہی صفت کے حامل کسی صحابیؓ کے ساتھ نسبت کا یہ پیوند نہ جائز ہے' نہ کبھی کسی نے ایسا کیا ہے..."۔ (نعت کائنات)۔

حق نعت ادا کرنے کا دعویٰ

نعت سرور کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے موضوع پر گزشتہ ۱۴سو برسوں سے تواتر کے ساتھ لکھا جا رہا ہے۔ بلکہ ابتدائے آفرینش سے یہ سلسلہ جاری و ساری ہے۔ لیکن یہ ایسا وسیع اور عظیم الشان موضوع ہے کہ مدحت نگاروں کی تشنگی ہمیشہ برقرار رہتی ہے۔ ارفع سے ارفع اور اعلیٰ سے اعلیٰ مضامین بھی آپؐ کی رفعت شان کے سامنے فروتر اور کم مایہ نظر آتے ہیں۔ عشاق عظام کو اس گہرے سمندر کی غواصی کے بعد جو گہرہاتھ آتے ہیں' ان کی مومنانہ بصیرت انہیں اس قابل نہیں سمجھتی کہ بارگاہ محبوب کردگار (صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم) میں ان گہرہائے گراں مایہ کو ہدیتہً پیش کیا جا سکے۔ جس کے سبب انہیں اپنی تہی دامنی' کم مائیگی اور بے بضاعتی کا ہمیشہ احساس رہتا ہے۔ اور اس احساس کا اظہار ان کے کلام میں نظر آتا ہے :

محفل کون و مکاں میں ہے ازل سے جاری
تذکرہ انؐ کا مکمل نہیں ہونے پاتا

(رئیس وارثی)

اس حقیقت کے برعکس بعض نعت نگار حضرات شاعرانہ تعلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مدحت محبوب کردگار (صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم) کا حق ادا کرنے کا دعویٰ کر بیٹھتے ہیں۔ جس کی مثال مندرجہ ذیل شعر سے دی جا سکتی ہے :

مدحت محبوب حق کا حق ادا تم نے کیا
اے (تخلص) نذر محبت ہے تمہاری واہ وا

اس شاعرانہ تعلی کو نعت سرور کائنات (صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم) جیسے رفیع الشان اور لطیف موضوع کے حقائق سے کیا نسبت؟ نعت سنت الٰہیہ' وظیفۂ ملائک اور شیوۂ انبیاءؑ و رسل بھی ہے۔ یہ وہ میدان ہے جہاں الفاظ کیا' فکر کی وسعتیں بھی محدود تر نظر آتی ہیں اور ملک سخن کے بڑے بڑے تاجداروں کو اعتراف عجز کے سوا چارۂ کار نہیں رہتا۔ جیسا کہ فقہ کے امام اعظم' ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں :

عن وصفک الشعراء یا مدثر
عجزوا وکلوا من صفات علاکٗ

(ارمغان نعت)

ترجمہ : اے کملی والے! آپ کے صفات عالیہ بیان کرنے سے شعراء عاجز رہ گئے۔ اور آپؐ کے اوصاف عالیہ کے سامنے زبانیں گنگ ہو جاتی ہیں۔

اسی طرح امام شرف الدین بوصیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ "قصیدہ بردۂ شریف" میں (جسے بارگاہ افصح العرب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں شرف قبولیت کی بشارت حاصل ہے) توصیف سرکار دو عالم میں اعتراف عجز کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

فان فضل رسول اللّٰہ لیس لہ
حد فیعرب عنہ ناطق بفمٖ

(ارمغان نعت)

ترجمہ : رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی فضیلتوں کی کوئی حد نہیں۔ اور کوئی بولنے والی زبان اس کا حق ادا نہیں کر سکتی۔

مندرجہ ذیل اشعار کو اردو نعت میں اعتراف عجز کی بہتر مثال کہا جا سکتا ہے :

تیرے توصف' عیب تناہی سے ہیں بری
حیراں ہوں میرے شاہ میں کیا کیا کہوں تجھے

(مولانا احمد رضا خاںؒ بریلوی)

بلند اس کا وہ ایوان مراتب ہے کہ واں کب ہے
خیال ساکنان عرش کو یارا رسائی کا

(شیخ قلندر بخش جرأت)

بشر کی تاب وطاقت کیا جو لکھے نعت احمدؐ کی
خدا ہی جانتا ہے خوب' بس رتبہ محمدؐ کا

(نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ)

نعت والا کہاں اور کہاں مستقیم
اس کا حق' حق تعالیٰ ادا کر چکا

(حافظ مستقیم)

بساط فکر ہے محدود' وصف لامحدود
نہ ہو سکے ہیں' نہ کر پاؤں گا شمار حضورا

(حنیف اسعدی)

(نعت رنگ۔ شمارہ اول سے ماخوذ)

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدحت کا حق ادا کرنے کے دعویٰ سے کئی قدم آگے بڑھ کر ایک اور محترم نعت گو شاعر اس طرح اظہار فخر کرتے ہیں :

کبھی در فکر اقدس (تخلص) ایسا بھی ہوتا ہے
مرے الفاظ پہ مدحت سرائی ناز کرتی ہے

یعنی شاعر محترم کے نتیجۂ فکر کی صورت میں کبھی ایسے اشعار بھی تخلیق ہوتے ہیں کہ ان اشعار کی شوکت الفاظ پہ خود توصیف مصطفائی بھی ناز کرتی ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ انسانی اذہان اب تک کوئی ایسا لفظ وضع ہی نہ کر سکے جو مدحت سرکار دو عالم کی شان کے شایاں ہو۔ اس حوالے سے مندرجہ ذیل شعر کس قدر مبنی بر حقیقت ہے :

ایک بھی حرف نہیں عرصۂ گویائی میں
آپ کی شان کے شایاں رسولؐ عربی

(امید فاضلی)

شاعر دربار مصطفیٰؐ ہونے کا دعویٰ

شاعری اگرچہ ذوقی اور وجدانی چیز ہے۔ لیکن فن سیرت نگاری میں جن عام الفاظ کے کوئی مخصوص معنی متعین ہیں نعت گو شعراء کیلئے ان الفاظ کا علم اور انکے معانی کا ادراک ضروری ہے۔ چونکہ نعتیہ شاعری کا اصل مدار الفاظ کی معنوی حالت پر ہوتا ہے' لہٰذا معنی کے لحاظ سے الفاظ میں جو اختلاف مراتب ہوتا ہے' نعت گو شاعر کو اس سے پوری طرح باخبر ہونا چاہیے۔ کون نہیں جانتا کہ دنیا کی دیگر زبانوں کی طرح اردو میں بھی بکثرت مترادف الفاظ موجود ہیں۔ عموماً" ایک ہی معنی پر دلالت کرتے ہیں۔ لیکن جب عمیق نگاہ سے دیکھا جائے تو ان میں باہم فرق نظر آتا ہے۔ یعنی ہر لفظ کے معنی و مفہوم میں کوئی ایسی خصوصیت ہوتی ہے جو دوسرے (مترادف) لفظ میں نہیں پائی جاتی۔ لہٰذا شاعر کیلئے اور خصوصاً" کسی نعت گو شاعر کیلئے اس نکتہ دانی کی ضرورت ہے کہ جس مضمون کے ادا کرنے کیلئے جو خاص لفظ موزوں و محقق ہو' وہی استعمال کیا جائے۔ ورنہ نعت گو کی علمی وجاہت اور ثقاہت متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے گی۔ لہٰذا نعت گو شعراء کو بڑی دقت نظر سے یہ دیکھنا چاہیے کہ کون سے الفاظ میں وہ شرعی سقم مخفی ہے' جو ذرا سی توجہ دلانے پر سب کو محسوس ہونے لگے گا۔ مثلاً" ایک بزرگ اور کہنہ مشق شاعر محترم کی نعت میں شامل یہ شعر ملاحظہ فرمایئے :

(تخلص) شاعر دربار مصطفیٰ میں ہوں
عطا ہوئے ہیں مرے فکر و فن کو لوح و قلم

نعت کے اس مقطع میں شاید لاعلمی کی بنا پر تعلی کا صدور ہوا ہے۔ جس کی نشاندہی ذیل میں کی جاتی ہے۔

سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ صحابہ کرام، جو کفار کی ہجوگوئی اور ہرزہ سرائی کا منہ توڑ جواب دے کر اسلام اور مسلمانوں کا دفاع کیا کرتے تھے، ان کی تعداد صرف تین شمار کی گئی ہے۔ یعنی حضرت حسان بن ثابت، حضرت عبداللہ بن رواحہ اور حضرت کعب بن مالک (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)۔ یہ حضرات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر اپنے اشعار سے مشرکین کی ہجوگوئی کا جواب دے کر اسلام کی مدافعت کرتے تھے۔ یعنی سرکاری طور پر اس کام کیلئے مقرر و مامور تھے۔ لہٰذا صرف ان حضرات کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ انہیں شاعر دربار رسالت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہا جاتا ہے۔ رہے حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، تو وہ ایک بلند پایہ شاعر ضرور تھے۔ لیکن یہ فتح مکہ کے بعد اسلام لائے تھے۔ (اور اپنا معروف قصیدہ بانت سعاد خدمت اقدس میں پیش کیا تھا) چونکہ فتح کے بعد کفار کی ہجوگوئی کا سدباب ہو چکا تھا، لہٰذا ان کا شمار شاعر دربار رسالت کے بجائے شاعران رسولؐ کی فہرست میں کیا جاتا ہے۔

واضح رہے کہ بنو تمیم کے وفد نے ۹ھ میں (فتح مکہ کے بعد) مدینہ منورہ آکر مفاخرت کی دعوت دی تھی (ہجوگوئی نہیں کی تھی)، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ، کو ان کی مفاخرت کا جواب دینے کا حکم دیا تھا۔ اور بنو تمیم نے اعتراف شکست کے ساتھ اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول مبارک کا مفہوم بھی سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے (حضرت کعب سے روایت ہے کہ) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مومن اپنی تلوار سے بھی جہاد کرتا ہے اور اپنی زبان سے بھی۔ (تفسیر مظہری بحوالہ استیعاب)۔

چونکہ شاعر دربار مصطفیٰؐ ایک مخصوص اعزاز ہے جو آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد تاقیامت امت مسلمہ کے کسی اور فرد کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اب اگر کوئی شخص خود کو شاعر دربار مصطفیٰؐ کہے گا، تو اس قول کی حیثیت بے بعید دعویٰ سے زیادہ نہیں۔ جسے عرف عام میں تعلی کہا جاتا ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ : عصر حاضر کے بعض واعظین اور اہل قلم یہ گمان رکھتے ہیں کہ شاعر دربار رسالت حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، منبر رسولؐ پر بیٹھ کر مدحت محبوب خدا بیان کرتے تھے۔ جبکہ یہ بات تواتر کے ساتھ بیان ہوئی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے لئے ایک نقل پذیر (Portable) منبر رکھواتے تھے۔ جس پر کھڑے ہو کر حضرت حسان

مدحت محبوب کردگار بیان فرماتے تھے۔ (وفا الوفا) لہٰذا حضرت حسان کے 'منبر رسول' پر بیٹھنے کی بات محض قیاس آرائی ہے۔ تحقیقی بات یہی ہے کہ حیات ظاہری کے آخری برسوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو پائے اقدس میں ضعف کی وجہ سے وعظ کیلئے قیام میں زحمت ہوئی تو ۸ھ میں آپ کے لیے جھاؤ کی لکڑی سے ایک منبر تیار کیا گیا۔ جس کے تین زینے (Steps) تھے۔ اس منبر کو مسجد نبوی کی محراب میں دائیں جانب نصب کر دیا گیا۔ (فتح الباری۔ جلد دوم) اس منبر کے بالائی (زمین سے تیسرے) زینے پر آپ نشست فرماتے تھے۔ اور دوسرے زینے پر پائے اقدس رکھتے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب خلیفہ ہوئے تو اس منبر شریف کے دوسرے زینے پر بیٹھتے تھے' جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم قدم مبارک رکھتے تھے۔ انکے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب خلیفۃ المسلمین ہوئے تو آپ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ادب میں ان کے بیٹھنے کی جگہ کے بجائے منبر پر اس جگہ (پہلے زینے پر) بیٹھتے تھے' جہاں خلیفۂ اول پاؤں رکھتے تھے۔ (جذب القلوب۔ وفا الوفا)

لہٰذا قارئین کرام کو یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ حضرت حسان کیلئے منبر رسول کے بجائے ایک علیٰحدہ منبر رکھوایا جاتا تھا۔ جس پر بیٹھ کر نہیں بلکہ عربوں کے رواج کے مطابق کھڑے ہو کر وہ مدحت سرکار دو عالم (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) مجمع عام میں بیان کرتے تھے۔ کتب سیر و شروح حدیث میں یہ بات صراحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔

شاعر رسول ہونے کا دعویٰ : بعض شعرائے کرام خیال آفرینی کے گل کھلاتے ہوئے ایسے اشعار بھی کہتے ہیں' جن میں کوئی ایسا دعویٰ ہوتا ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ لیکن شاعر اس کا مدعی ہوتا ہے۔ یہ بھی تعلی ہی کی ایک صورت ہے۔ مثلاً"

شاعر مصطفیٰ ہوں میں (تخلص)
مجھ پہ حق رحمتیں چھڑکتا ہے

شاعر دربار مصطفیٰ کی طرح "شاعر رسول" بھی ایک مقدس و مخصوص اعزاز ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے عربی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے یوں تو ہر شخص فطرتاً "شعر و سخن سے آشنا تھا۔ لیکن جن خوش نصیب لوگوں کو حبیب کردگار صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی مدح میں اشعار کہہ کر خدمت اقدس میں پیش کرنے کی سعادت حاصل ہوئی' وہ شاعر رسول کہلاتے ہیں۔ اہل سیر نے ان میں سے (مرد) شعراء کی تعداد ۱۲۰ اور شاعرات کی تعداد ۱۲ بیان کی ہے۔ ان کے علاوہ بعض سیرت نگاروں نے حضرت سحبان کا تذکرہ سہواً" شاعران رسول میں کیا ہے۔ ان کے بارے میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں کہ ان کا مسلمان ہونا تو ثابت ہے۔ لیکن انہوں نے نہ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو دیکھا' اور نہ خلفائے راشدین ہی سے انکی ملاقات ہوئی۔ اس سے معلوم

ہوتا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے شعراء میں سے نہ تھے۔ (مدارج نبوت)۔

سطور بالا میں یہ بات واضح ہو چکی کہ صحابہ کرام کا وہ مخصوص گروہ جس نے جوش محبت و عقیدت کے زیر اثر سرور کونین صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی مدح میں اشعار کہے' اور آپ کی خدمت اقدس میں پیش کئے' اس گروہ کے افراد ہی کو "شاعر رسول" کہا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ جو شعرائے کرام خود کو شاعر رسول کہتے ہیں' تو ان سے محض لاعلمی کی بناء پر ایسے بے حقیقت دعوئی کا صدور ہوتا ہے۔ اور ہر بے حقیقت شاعرانہ دعوئی کو تعلی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اس حوالے سے درج ذیل شعر قدرے احتیاط پر مبنی دکھائی دیتا ہے :

فہرست شاعران محمدؐ تو دیکھنا
میرا بھی نام ہو کہیں شاید لکھا ہوا

(مظفر وارثی)

دربان رسولؐ ہونے کا دعوئی : علمائے اخلاق نے لکھا ہے کہ خود بینی و خود نمائی کا جذبہ اپنے نفس سے غیر معمولی محبت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ جس کی اصل یہ ہے کہ بعض اوقات انسان اپنے کمال و خوبی پہ پھولا نہیں سماتا۔ اور کبھی ان پر ایسا فریفتہ ہو جاتا ہے کہ حقیقت سے بعید دعوے کرنے لگتا ہے۔

مثلاً" یہ شعر دیکھیے :

جبریلؑ سے مجھے بھی ہے نسبت قریب کی
میں بھی ہوں اور وہ بھی ہے دربان مصطفےٰ

اردو کے نعت گو شعرائے کرام نے کثرت سے خود کو "دربان رسول" کہا ہے۔ اس اظہار فوقیت یا تعلی کی اساس بھی تخیل کی شعبدہ گری کے سوا کچھ نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرام کے جس گروہ کو مختلف مواقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی خیمہ گاہ یا کاشانۂ اقدس کی پہرے داری یا دربانی کا شرف حاصل ہوا' ان خوش نصیب مجاہدان اسلام کو "دربان رسول" کہا جاتا ہے۔ ان میں سے ایک حضرت سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ جنہوں نے بدر کے روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے عریش (جھونپڑا) کی پہرے داری کی تھی۔ یا محمد بن سلمہ انصاری اور ذکوان بن عبداللہ رضی اللہ عنہما' جنہوں نے احد کے روز آپؐ کے خیمۂ اقدس کی دربانی کی تھی۔ (روضۃ الاحباب) یا حضرت زبیر بن عوام اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ایک رات ہتھیار سجا کر کاشانۂ نبوت کی پہرے داری کے لئے حاضر ہوئے۔ حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کون ہے؟ آواز آئی سعد بن ابی وقاص۔ فرمایا کس وجہ سے آئے ہو؟ عرض کیا حضور! مجھے آپ کی ذات کے بارے میں اندیشہ ہوا۔ اس لئے پہرے داری کے لیے حاضر ہو گیا۔ حضورؐ نے انہیں دعا دی اور سو گئے۔ (صحیح مسلم)۔ یا

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنھوں نے غزوۂ خیبر میں (خیمہ گاہ نبویؐ کی) دربانی کی تھی۔ یا حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو وادی القریٰ میں حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دربان تھے۔ (مدارج نبوت)۔ ان صحابہ کرام کے علاوہ کاشانۂ نبوت کی سب سے زیادہ نگہبانی کرنے والے حضرت علی ابن ابی طالب ہیں جو حجرہ مبارک کے سامنے مسجد نبوی میں کثرت سے نفل پڑھا کرتے تھے۔ اور اس مقام پر بیٹھ کر راتوں کو حجرہ مبارک کی پہرے داری یا دربانی کرتے تھے۔ چنانچہ مسجد نبوی (کے اس حصہ میں جسے ریاض الجنتہ کہا جاتا ہے) میں واقع آٹھ ستونوں میں سے ایک ستون (ستون حرس) ہے جسے استوانہ علی ابن ابی طالب بھی کہتے ہیں۔ (جذب القلوب۔ تاریخ مدینہ)۔

حضور فخر موجودات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دربان ہونے کا بے حقیقت دعویٰ یوں تو اکثر شعرائے کرام کے کلام میں نظر آتا ہے، لیکن شاید ہی کسی نے یہ دل آزار انداز اختیار کیا ہو :

در کے آگے قدم رکھوں کیسے
ان کا دربان ہوں کہیں تو نہیں

یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ روضۂ اقدس پر سرکاری طور پر پاسبانی کے فرائض انجام دینے والے موجودہ افراد کو بھی معنوی اعتبار سے دربان رسول نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ یہ قابل احترام لوگ دربان رسول ہونے کے بجائے روضۂ اقدس کے دربان ہیں۔ اور دربان رسول ہونے کا اعزاز صرف زمانۂ رسالت کے پاسبانوں کیلئے مخصوص ہے۔ چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دربانوں کے تقدس اور مرتبۂ عالیہ کا ادراک رکھنے والے عارف شیراز علیہ الرحمتہ نے کیا خوب کہا ہے :

یک جاں چہ کند سعدیؒ مسکیں کہ دو صد جاں
سازیم فدائے سگ دربان محمدؐ

(شیخ سعدیؒ)

خادم رسولؐ ہونے کا دعویٰ :

اسلامی ادب کے مخصوص و متعین الفاظ سے بے خبر نعت گو شعرائے کرام نے جہاں اور بہت سے تعلی آمیز مضامین نظم کئے ہیں، وہاں ان میں سے بعض کو خادم رسولؐ ہونے کا بھی ادعا ہے۔ جس کی ایک مثال یہ شعر ہے :

میں فقیر احمدؐ ہوں، مصطفیٰؐ کا خادم ہوں
سوچ کتنی پیاری ہے، ذہن کتنا اعلیٰ ہے

بظاہر اس شعر میں کوئی تعلی نظر نہیں آتی۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "خادم مصطفیٰؐ" جیسے الفاظ کی جلالت معنوی پر شاعر محترم توجہ نہ دے پائے جس کے نتیجے میں "خادم مصطفیٰؐ" جیسے مقدس منصب کا خلاف حقیقت دعویٰ صادر ہو گیا۔ اس منصب رفیعہ کا اطلاق کن نفوس قدسیہ پر ہوتا ہے ملاحظہ

فرمایئے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام کے انبوہ کثیر میں سے یوں تو جسے چاہتے جو خدمت سپرد فرما دیتے۔ لیکن ان میں سے کچھ حضرات ایسے تھے جو مختلف خدمات پر مامور تھے اور ان کی خدمات بھی متعین و خاص تھیں۔ کتب سیر میں ایسے ۲۱ صحابہ کرام اور ۱۱ صحابیات کا تذکرہ ملتا ہے جنہیں خدام بارگاہ رسالت مآب ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمتہ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب مدارج نبوت میں ایک مستقل باب کے تحت خدام بارگاہ رسالت اور جن خدمات پر یہ مامور تھے ان کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے۔ جیسے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت پر مسلسل دس سال مامور رہے اور سفر و حضر میں آپ کی خدمت کی سعادت حاصل کی۔ یا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کے سپرد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعلین پاک، مسواک شریف اور عصائے مبارک تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوتے تو یہ آپؐ کو نعلین پاک پہناتے۔ جب مجلس میں جلوہ افروز ہوتے تو پائے اقدس سے نعلین پاک اتارتے اور اپنی آستینوں میں ڈال لیتے، آپ کا عصائے مبارک لے کر آگے آگے چلتے حتیٰ کہ آپؐ حجرہ مبارک میں داخل ہوتے۔ یا حضرت ایمن ابن اُمّ ایمن رضی اللہ عنہ جو آپؐ کیلئے پانی کی چھاگل اٹھانے والے تھے۔ یا حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو آپؐ کیلئے وضو کا پانی مہیا کرتے تھے۔ یا حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو دوران سفر آپ کے اونٹ کے ساربان ہوتے تھے۔

مختصر یہ کہ جو صحابہ کرام، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت پر مستقل مامور تھے، صرف انہی مقدس ہستیوں کو خادم رسول ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ ان کے علاوہ امت مسلمہ کے کسی فرد کو خادم رسول کہنا خلاف حقیقت اور عصر حاضر کے حوالے سے ایک بہت بڑا دعویٰ ہے۔ اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

ایک شبہ کا ازالہ : اکثر دیکھا گیا ہے کہ بعض اہل قلم نعتیہ مجموعوں پر تبصروں اور تقاریظ کے آخر میں اپنے نام کے ساتھ "خاکِ پائے رسولؐ، خاکپائے خیر الانامؐ یا خاک پائے سرور کونینؐ" وغیرہ لکھ دیتے ہیں۔ بظاہر یہ نسبت اظہار عجز و نیازی پہ محمول نظر آتی ہے اور بلاشبہ ان اہل قلم کی نیت بھی یہی ہوتی ہے۔ لیکن یہ رویّہ باعث تخلیق دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاک پائے مبارک کی عظمت سے بے خبری پہ دلالت کرتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم مبارک کی برکت کا تو کہنا ہی کیا، حضرت بلیا بن ملکان کو خضر (علیہ السلام) اسی لئے کہا جاتا ہے کہ وہ جہاں تشریف فرما ہوتے، وہ جگہ سرسبز ہو جاتی تھی۔ (حاشیہ

سوڑ کنف۔ تفسیر ضیاء القرآن)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مبارک قدموں کی برکت سے خاک مدینہ کو یہ تقدس حاصل ہے کہ اگر صحابہ کرام میں سے کوئی شخص اپنے چہرے یا سر کو گرد و غبار سے چھپاتا تو آپؐ اس کو اس بات سے منع فرماتے تھے۔ اور یہ مژدۂ جانفزا سناتے کہ مدینہ طیبہ کی خاک میں شفا ہے۔ (جمع الفوائد)۔ تراب مدینہ کے وہ مقدس ذرّے جو آپ کے کف پائے مبارک سے لپٹ جاتے تھے' ان کے تقدس کا کیا ٹھکانہ' جبکہ بقول مولانا اشرف علی تھانوی صاحب "یہ تجربہ بزرگان دین نقشہ نعل مقدس حضور سرور عالم فخر آدم صلی اللہ علیہ وسلم نہایت قوی البرکت اور سری الاثر پایا گیا ہے.... حصول مقصد کے طالب کو چاہیے کہ نماز تہجد کے بعد درود شریف پڑھ کر اس نقشہ کو باادب اپنے سر پر رکھے اور بتضرع تمام جناب باری تعالیٰ میں عرض کرے کہ الٰہی میں جس مقدس پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشہ نعل شریف کو سر پر لئے ہوں ان کا ادنیٰ درجے کا غلام ہوں۔ الٰہی! اس نسبت غلامی پہ نظر فرما کر بہ برکت اس نعل شریف کے میری فلاں حاجت پوری فرما۔ مگر خلاف شرع کوئی حاجت طلب نہ کرے پھر (اس نقش پاک کو) سر پر سے اتار کر اپنے چہرے پر ملے اور اس کو محبت سے بوسہ دے.... انشاء اللہ عجیب کیفیت پائے گا۔" (زاد السعید۔ مطبوعہ تاج کمپنی)۔

مولانا اشرف علی تھانوی صاحب نے اپنے رسالے "نیل الشفا بنعل المصطفیٰ" میں نقش نعل پاک کے فضائل تفصیل سے بیان کرتے ہوئے امام جزری علیہ الرحمتہ کے یہ اشعار نقل کئے ہیں :

یا طالباً تمثال نعل نبیہ
ھاقد وجدت الی اللقاء سبیلاً
فاجعل فوق الراس واخضعن لہ
فتغال فیہ واولہ التقبیلاً

ترجمہ : اے اپنے نبیؐ کے نقش نعل شریف کے طالب! آگاہ ہو جا کہ بے شک تو نے اس کے ملنے کا راستہ پالیا۔ پس اس کو اپنے سر پر رکھ اور اس کیلئے خضوع کر' اور خضوع میں مبالغہ کر اور اسے پے در پے بوسے دے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ جب محبوب خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نعلین شریفین کی یہ فضیلت ہے کہ انکی شبیہہ بنا لینے میں شفا ہے۔ اور بارگاہ کبریائی میں اس نقش مبارک کو وسیلہ بنایا جاتا ہے تو جو خاک پاک آپؐ کے پائے اقدس کے بوسے لے رہی ہو' اس کی فضیلت کتنی عظیم ہو گی۔ لہٰذا کسی شخص کا خود کو "خاک پائے رسول" لکھنا' ایک بہت بڑی عظمت کا دعویٰ کرنا ہے ہمیں ان باتوں کا خیال رکھنا چاہیے۔

شاعر صاحب کا انوکھا دعویٰ شرف : خود بینی و خود ستائشی انسان کو کس قدر خود فریبی میں مبتلا کر دیتی ہے' اس کا اندازہ تعلی پر مبنی اس شعر سے لگایا جا سکتا ہے :

(تخلص) شرف ملا ہے یہ نعت رسول سے
جس جا ہے ان کا نام، وہیں تیرا نام ہے

صاحب ضیاء القرآن آیۂ مبارکہ ورفعنالک ذکرک (سورۃ الانشراح۔ آیت ۴) کی تفسیر کرتے ہوئے یہ حدیث نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ (اے رسول!) آپ کے رفع ذکر کی کیفیت یہ ہے کہ جہاں میرا ذکر کیا جائے گا وہاں میرے ساتھ آپ کا بھی ذکر کیا جائے گا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ کلمۂ شہادت میں، وجوب طاعت میں، اذان میں، نماز میں، گذشتہ صحائف میں، وظیفہ میں، ملائک میں اور جہاں اللہ نے چاہا اپنے نام کے ساتھ اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا نام شامل کیا ہے۔

ان نصوص صریحہ کی روشنی میں بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ شاعر محترم حقیقت سے بعید کتنا بڑا دعویٰ کر بیٹھے ہیں۔ نعت گو شعرائے کرام کو یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیے کہ نعت گوئی صحت بیان اور صدق مقالی کا تقاضا کرتی ہے۔ اور نعت رسول سے انسان میں، تواضع اور ادب و انکسار جیسی اعلیٰ اخلاقی صفات پیدا ہوتی ہیں۔ اس طرح بے بنیاد فخر و مباہات اور اظہار فوقیت جیسے مذموم احساسات کی بیخ کنی ہوتی ہے.... اگر یہ بات ہمارے پیش نظر رہے کہ ہم بارگاہ رسالت مآبؐ میں نذرانۂ عقیدت پیش کر رہے ہیں تو ہمیں ہر قسم کی خام خیالی سے نجات مل سکتی ہے۔ یہاں یہ صراحت بھی ضروری ہے کہ نعت رسول مقبول (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے فیضان کا حقیقت پسندانہ اظہار کرنے میں نہ صرف کوئی شرعی قباحت نہیں بلکہ اسے تحدیث نعمت ہی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً"

فیضان نعت احمدؐ مرسل ہے اے قمر
حاصل ہے بزم نعت میں جو برتری تجھے
(قمر یزدانی)

نعت سرورؐ کا اے فیضان کہیئے اے طفیل
ہے جو اقلیم سخن میں نیک نامی آپ کی
(طفیل ہوشیار پوری)

نعت گو کا دعویٰ تقدس : بعض نعت گو شاعروں کا یہ رویہ بھی اصلاح طلب ہے کہ وہ نعت گوئی کی اساس پر خود کو بڑا پاکیزہ اور مقدس انسان سمجھنے لگتے ہیں۔ اور ایسے دعوے کر بیٹھتے ہیں جو مبالغہ کی انتہائی حدود سے بھی متجاوز ہوتے ہیں۔ مثلاً" یہ شعر ملاحظہ فرمایئے :

ملائک خاک سے میری تیمم کرتے ہیں اے (تخلص)
مجھے رتبہ ملا ہے یہ فقط نعت پیمبرؐ سے

یعنی شاعر محترم کو یہ دعویٰ ہے کہ نعت گوئی کے سبب ان کا وجود اتنا مقدس ہو چکا ہے کہ فرشتے بھی

ان کی خاک سے پاکی حاصل کرتے ہیں۔ جبکہ قرآن کریم یہ گواہی دے رہا ہے کہ تمام ملائکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی حمد و ثناء اور نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیم پر درود بھیجنے میں ہمہ وقت مصروف رہتے ہیں۔ مزید یہ کہ ملائکہ وہ نورانی مخلوق ہیں جن کی طہارت و پاکیزگی کبھی ساقط نہیں ہوتی۔ چنانچہ یہ دعویٰ مبالغہ آرائی کی انتہائی حدود سے بھی متجاوز نظر آتا ہے کہ ایسی پاک مخلوق کو بھی طہارت کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اور وہ روئے زمین کے تمام سمندروں اور دریاؤں کو چھوڑ کر شاعر صاحب کی خاک سے تیمم کرتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے فلا تزکوا انفسکم (سورۃ النجم۔ آیت ۱۳)

ترجمہ : پس (اے اللہ کے بندو!) اپنی پاکیزگی مت جتایا کرو۔

مولانا عبدالماجد دریا آبادی صاحب اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یہاں اہل طاعت کو تنبیہ کی گئی ہے کہ اپنے متعلق عجب و پندار میں مبتلا نہ ہو جائیں' مولانا اشرف علی تھانوی صاحب فرماتے ہیں کہ آیت مبارکہ میں دعویٰ تقدس سے صریح ممانعت ہے (تفسیر ماجدی)۔ اور مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی صاحب لکھتے ہیں کہ اس آیت میں خود نمائی اور خود سرائی کی ممانعت فرمائی گئی ہے۔ (حاشیہ کنزالایمان)۔

جہاں تک شاعری میں مبالغہ آرائی کا سوال ہے تو مبالغہ مقبول اور معقول تشبیہات و استعارات میں کوئی مضائقہ نہیں۔ مثلاً "ممدوح کو چودھویں کا چاند اور اس کے ہونٹوں کو گلاب کی پنکھڑی کہنا وغیرہ۔ ایسے کلام کو سن کر ہر آدمی جانتا ہے اس تعریف و توصیف میں اگرچہ حقیقی معنی مراد نہیں۔ لیکن معنوی صداقت ضرور موجود ہوتی ہے۔ لہٰذا ایسے الفاظ کو مبالغہ نہیں کہا جا سکتا۔ مبالغہ تو اسے کہتے ہیں جہاں صریحاً" کوئی غلط بات پیش کی جا رہی ہو یا بیان حد سے متجاوز ہو۔ جیسا کہ محولہ بالا تعلی آمیز شعر میں نظر آتا ہے۔ ایسے بے سروپا اور خود فریبی پر مبنی مضامین کی فن نعت گوئی میں کوئی گنجائش نہیں۔

نعت گوئی یا خود ستائی :

اہل سخن بخوبی جانتے ہیں کہ ذات ممدوح خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں ایسا شعری یا نثری نذرانہ عقیدت جس میں آپ کی مدح و توصیف' خصائص و کمالات اور اوصاف و شمائل کا تذکرہ ہو' نعت کہلاتا ہے۔ اسی طرح بارگاہ بیکس پناہ میں شاعر کا شوق زیارت' استغاثہ و فریاد اور امید شفاعت و التفات جیسے عاشقانہ مضامین بھی اصولاً "نعت کے زمرے میں آتے ہیں۔ اس کے برعکس بعض شعرائے کرام اپنے جذبۂ خود بینی و خود پرستی سے مغلوب ہو کر نعت کے نام پر خود ستائی اور اپنے فرضی مناقب کا اظہار کرتے ہوئے محض اپنی انا کی تسکین کا سامان فراہم کرتے ہیں۔ مثلاً "ایک محترم شاعر اور نعت خواں کا یہ اظہار فخر ملاحظہ فرمائیے :

جہاں کسی کا تخیل نہ جا سکے (تخلص)
میں لاکھ مرتبہ اس لامکاں سے گزرا ہوں

اس اظہار تفاخر میں نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کون سا پہلو ہے؟۔ رہوار تخیل کی اس بے لگامی کو حق و صداقت سے کیا نسبت؟ کیا کوئی اہل ایمان اس انداز فکر کو بارگاہ اصدق الصادقین (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں نذرانۂ عقیدت سے تعبیر کیا کر سکتا ہے؟۔ ہر گز نہیں۔ لہٰذا نعت گو حضرات کو مدحت خیرالانامؐ کے تقدس کا خیال رکھتے ہوئے ایسی روح فرسا مبالغہ آرائی سے گریز کرنا چاہیے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کلام میں انتہائی مبالغہ کرنے والے ہلاک ہو گئے (یعنی اللہ و رسول کی ناراضگی کی وجہ سے برباد ہو گئے)۔ یہ بات آپؐ نے تین مرتبہ فرمائی۔ (تفسیر مظہری۔ سورۂ شعراء)۔

خود نمائی کی ایک مثال : جذبۂ خود نمائی میں یہ خواہش مضمر ہوتی ہے کہ انسان اپنی اچھائیاں خود بیان کرکے اور اپنی فوقیت کا اظہار کرکے لوگوں میں اپنی نسبت حسن ظن پیدا کرے۔ اور اپنے آپ کو دوسروں کے سامنے بڑا کرکے دکھائے۔ چنانچہ غرور بھی اسی شاخسانہ کی پیداوار ہوتا ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ مذہبی حیثیت سے جن مبتدیوں کی ظاہری حالت اچھی ہوتی ہے، انہیں عجب و خود بینی کی بناء پر اپنے زہد و ورع کا بڑا دعویٰ ہوتا ہے۔ اور احساس برتری کے زیر اثر ان کے کلام سے شوق خود نمائی کا اظہار ہوتا ہے۔ مثلاً "ایک معروف نعت خواں اور نعت گو شاعر کا یہ شعر دیکھئے :

اس نے محسوس کیا عشق کے کہتے ہیں
جس نے (تخلص) کو کبھی نعت سناتے دیکھا

اس شعر سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاعر محترم اس خود فریبی میں مبتلا ہیں کہ ان کی ذات، عشق سرکار دو عالم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ایسا کامل نمونہ بن چکی ہے کہ جو شخص انہیں نعت سناتے ہوئے دیکھ لے اس پر عشق کا سر نہاں فاش ہو جاتا ہے۔ ایسے دعووں کی اصل یہ ہوتی ہے کہ انسان اپنے اچھے اعمال ظاہر کرکے اور اپنی پارسائی جتا کر دوسرے لوگوں پر اپنا اثر ڈالنا چاہتا ہے۔ اور انہیں اپنی شخصیت کی جانب مائل کرنا چاہتا ہے۔ قرآن کریم میں دکھاوے کے نیک اعمال کرنے یا احساس برتری کا اظہار کرنے کی شدید ممانعت آئی ہے۔ (دیکھئے سورۃ الانفال آیت ۴۷، سورۃ النجم۔ آیت ۳۲ اور سورۃ الماعون آیت ۶ وغیرہ)..... اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک بار صحابہ کرام (فتنہ) دجال کا ذکر کر رہے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے۔ اور فرمایا کیا تمہیں وہ چیز بتاؤں جو میرے نزدیک تمہارے لئے..... دجال سے بھی زیادہ خطرناک ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا "جی ہاں"۔ آپؐ نے فرمایا "شرک خفی" اور یہ کہ آدمی نماز کیلئے کھڑا ہو اور اسے زیب و زینت کے ساتھ ادا کرے اس لئے کہ وہ دیکھ رہا ہے کہ اس کو کوئی دوسرا شخص دیکھ رہا ہے۔ (ابن ماجہ)۔

عشق صادق کا کمال یہی ہے کہ عاشق کو اپنے محبوب کے سوا جملہ تعلقات موجودات عالم سے کامل

یکسوئی حاصل ہو۔ بحر عشق کے شناوروں کا مشاہدہ ہے کہ گرمیٔ عشق جملہ موجودات کے خیال کو زائل و معدوم کردیتی ہے۔ بقول کسے :

عشق آں شعلہ ست کہ چوں برفروخت
ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

اول الذکر شعر میں چونکہ شاعر محترم کے شوق خود نمائی کی ترجمانی ہوتی ہے۔ لہٰذا عشق کی صداقت کے منافی اس رویّہ کو تعلی ہی سے تعبیر کیا جائے گا۔

اردو نعت میں شاعرانہ تعلی کی مثالیں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایک متوسط مقالے میں ان سب کی نشاندہی ممکن نہیں۔ اور ہمارا مقصد بھی یہیں تک محدود ہے کہ اردو نعت نگاری میں پائے جانے والے شرعی اسقام کی نشاندہی کرتے ہوئے معنوی تنقید کے ساتھ (قارئین کی تشفی کی حد تک) نصوص صریحہ پر مبنی مواد فراہم کردیا جائے۔ تاکہ بعض غلط فہمیوں کا ازالہ ہو کر ان کے اعادہ کی راہیں مسدود کی جاسکیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری اس کاوش کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔ اور ہماری کوتاہیوں کو معاف فرمائے۔ آمین۔

صراحت : راقم الحروف نے اپنے اس سلسلۂ مضامین میں پوری طرح یہ احتیاط برتی ہے کہ جن شعرائے کرام کے اشعار معنوی تنقید کے ساتھ پیش کرتے ہوئے کسی شرعی سقم کی نشاندہی کی گئی ہے وہاں شاعر موصوف کا نام ظاہر کرنے سے اجتناب کیا ہے۔ تاکہ بعض نعتیہ اشعار میں پائی جانے والی معنوی لغزشیں بھی سامنے آجائیں اور کسی کی تحقیر یا دل آزاری بھی نہ ہو۔ فدوی کے اس طرز عمل سے بعض حضرات نے یہ تاثر بھی لیا کہ شاعر کا تخلص حذف کرکے اس بندۂ ناتواں نے اپنے اندرونی خوف کا مظاہرہ کیا ہے۔ بہرحال یہ اپنا اپنا انداز فکر ہے۔ البتہ اس ضمن میں یہ بے بضاعت اس قدر وضاحت کا اعادہ ضروری سمجھتا ہے کہ فدوی نے یہ طرز عمل صاحب خلق عظیم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے اسوۂ حسنہ ہی کی روشنی میں اختیار کیا ہے۔ جیسا کہ امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ "رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم اگر کوئی کراہت والی بات دیکھتے تو حیا اور کریم النفسی کے باعث اس شخص سے اس سلسلے میں گفتگو نہ فرماتے۔ جب کوئی ناخوشگوار گفتگو آپؐ تک پہنچتی تو آپ یہ نہ فرماتے کہ فلاں شخص کا کیا حال ہے جو یہ کہتا ہے، بلکہ یوں فرماتے کہ لوگوں کا کیا حال ہے جبکہ وہ ایسا کرتے ہیں یا کہتے ہیں۔ گویا اس ناپسندیدہ فعل سے منع فرمادیتے۔ اور جس سے یہ فعل سرزد ہوتا اس کا نام تک ظاہر نہ فرماتے۔" (بخاری شریف)۔

اس حوالے سے "نعت پر تنقید اور (دوسرا رخ)" کے عنوان سے محترم پروفیسر عالی کرنالی صاحب کی تحریر سے بھی استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ : نعت کے موضوع پر تنقیدی اور تحقیقی مضامین کا،

الحمدللہ سلسلہ چلا نکلا ہے۔ اور متعدد اہل قلم نے اس میدان میں قدم رکھا ہے۔ اور نہایت ادب آمیز جرأت کے ساتھ بہت سی کام کی باتیں لکھی ہیں۔ اور لکھ رہے ہیں۔ حتیٰ کہ احتیاط کا یہ عالم ہے کہ اگر کسی نعتیہ شعر پر تحسین کی جاتی ہے تو شاعر کا نام درج ہوتا ہے۔ اگر کہیں تنقید و تعریض ہوتی ہے' اور کوئی اختلافی بات لکھی جاتی ہے تو شاعر کا حوالہ حذف ہوتا ہے۔ یہ روش نہایت قابل تعریف ہے۔ بات بھی ہو جاتی ہے اور پردہ بھی رہ جاتا ہے۔ اس روش کو اگر اسی طرح برتا جائے تو زیادہ کمل کر بات ہو سکتی ہے۔"
(نعت رنگ شمارہ ۳)

اس وضاحت کے بعد شاید یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ راقم السطور کے مضامین میں زیر تنقید نعتیہ اشعار کے ساتھ شعرائے کرام کے اسمائے گرامی کا اظہار یا اخفا کسی منفی رویّے کے زیر اثر نہیں۔ بلکہ اسوۂ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی پیروی کی ایک حقیری کوشش ہے۔

پیش نظر ہے سیرت آقائے دو جہاں
ہر شخص محترم ہے نظر میں غلام کی

(لاشیء)

آپ بھی توجہ فرمائیے :

حسب سابق، نفسِ مضمون کے حوالے سے مندرجہ ذیل اشعار بلا تبصرہ پیش کئے جاتے ہیں۔ تاکہ مضمون کے مطالعہ کے بعد' قارئین کرام ان اشعار میں مضمر تعلیوں کی خود نشاندہی فرما سکیں :

——— (حضورؐ سے خطاب)

ہے میری نوائیں چمکتی ہیں بن کے قندیلیں
میرے ہر شعر میں ہے ذکر محمدؐ کی مٹھاس
زہے خیال رخ مصطفیٰؐ کئی دن سے
(تخلص) ہیں گنبد خضریٰ پہ نظریں
آپ ہیں میرے دل و جان رسولؐ عربی
اب شاعر رسولؐ مرا نام ہو گیا
کوئی حسانؓ ہے کوئی (تخلص) ہے
میں اس منزل سے بھی گزرا ہوں (تخلص)
کیا (تخلص) اس نعت گرامی کا اثر ہے
زہے قسمت ہے (تخلص) خاک بوس کوچہ والا

عجیب شان کا طرز کلام لایا ہوں
(تخلص) ایسا نمک خوار نہ دیکھا نہ سنا
دکھا رہا ہے مجھے آئینہ کئی دن سے
تجلی طور کی ہے اور میں ہوں
آپ کے در کا میں دربان رسول عربی
اور مدحت نبیؐ ہی مری ذات ہو گئی
کیسے کیسے ہیں مدحت سرا آپؐ کے
ملک ہمت نہیں کرتے جہاں تک
اشکوں سے مرے ہو گئے جبریلؑ کے نم پر
زہے رحمت ہے (تخلص) شاعر دربار کیا کہنا

اُردو نعت اور جدید اسالیب

عزیز احسن

قدیم نعت کے موضوعات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال صوری سے توانائی پاکر متعین کیے جاتے تھے آپؐ کی ذات والا صفات سے عقیدت اور مدینے پہنچنے کی تمنا بھی نعت کا محرک ہوتی تھی اس لیے نعت کا کینوس زیادہ وسیع نہیں ہو سکا تھا۔ جدید نعت میں موضوعات کی وسعت اور اسالیب کا تنوع دیدنی ہے۔ اب نعت میں روح عصر (ZEITGEIST) اسی طرح جاری و ساری ہے جس طرح کسی زندہ ادب میں ہونی چاہیے۔

عہد حاضر مسلمانوں کے لیے ابتلا کا دور ہے کیونکہ زندگی کا پھیلاؤ اور مغربی اقوام کی مادّی برتری سے جو سوالات ابھرتے ہیں اور جو مسائل پیدا ہوتے ہیں ان کا حل مسلمان معاشرہ فکری اور عملی سطح پر دینے کی سکت نہیں رکھتا اور یوں تشکیک کے اژدر بے یقینی کے غاروں سے نکل کر وادیٔ یقین پر حملہ آور ہونے لگتے ہیں جن کا مقابلہ کرنا موجودہ صورت حال میں مسلمان معاشروں کے بس کی بات نہیں۔ اقبال نے اس صورت حال کو بہت پہلے بھانپ لیا تھا۔

گلا تو گھونٹ دیا اہلِ مدرسہ نے ترا
کہاں سے آئے صدا لاالٰہ الاّ اللہ

اس لیے اقبال نے بھٹکے ہوئے آہو کو سوئے حرم لے جانے کی تمنا اور دعا کی تھی اور عملاً "اپنا پورا نظام فکر و فن اسی آرزو کے باطن سے ابھارا تھا۔ آج کا شاعر براہ راست نعت اس لیے کہہ رہا ہے کہ اسے گرد و پیش کی زندگی کا کھوکھلا پن بے چین کرنے لگا ہے اور وہ اپنی زندگی کے اس کھوکھلے پن کو دور کرنے کے لیے اُس حقیقت تک رسائی چاہتا ہے جس کے ادراک کے بغیر زندگی کی معنویت کبھی بھی ظاہر نہیں ہو سکتی۔ وہ حقیقت 'حقیقتِ محمدیہ' ہے۔ جس کے بارے میں اقبال نے کہا تھا۔

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو
آں کہ از خاکش بروید آرزو

یا زِ نور مصطفےٰؐ اورا بہاست
یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفےٰؐ است

چنانچہ آج کا شاعر اسی حقیقت کو واشگاف الفاظ میں مختلف اسالیب، متنوع انداز اور طرح طرح کے پیرایوں اور مختلف شعری ہیئتوں میں اظہار میں لا رہا ہے۔

شاعری خواہ کسی قسم کی ہو اس کا اصل جوہر اس کی وہ شعری قوت ہے جو ہر باذوق قاری کے لیے ایک مقناطیسی کشش رکھتی ہے۔ یہ مقناطیسی کشش شاعر کی داخلی کیفیت، حسی تجربے اور اسلوبِ اظہار سے پیدا ہوتی ہے نری موضوع کی معلومات یا خالص تبلیغ شعر کی قدر نہیں بڑھا سکتی۔ نعت کہتے وقت جو لوگ اس تخلیقی شعور کے تابع رہتے ہیں وہ کچھ ایسی شاعری ضرور کر جاتے ہیں جو لائق توجہ ہو۔ جدید اسالیب نعت کی تلاش میں جب میں نے شبنم رومانی کی نعتیہ شاعری پڑھی تو مجھے احساس ہوا کہ وہ نعت میں شعریت کی بازیافت کے لیے شعوری کاوش فرماتے ہیں۔ ملاحظہ ہو ان کی نظم حرفِ نسبت

انؐ کی دہلیز چھو کر
جو پتھر تھا پل بھر میں پارس ہوا
انؐ کے ہاتھوں سے جو ہاتھ بھی مس ہوا
چاند تاروں نے اس ہاتھ پر بیعت شوق کی
اس زمیں پر وہی ہاتھ سایہ رہا
یہ فلک بھی اسی کا کنایہ رہا

جس نے دیکھا انہیں
اس کی بینائی کے داہے دھل گئے
اس پہ آفاق کے سب ورق کھل گئے

جس نے مانا انہیںؐ
اپنے پیکر میں شہر یقیں ہو گیا
جس نے جانا انہیںؐ
جہل بھی اس کا علم آفریں ہو گیا

جس نے ڈھونڈھا انہیںؐ
وہ سلیماں قدم
عالم راز کا سیر بیں ہو گیا
جس نے پایا انہیںؐ
وہ فقیر حرم
معرفت کے حرا میں مکیں ہو گیا

جس نے سوچا انہیںؐ
وہ خدا کی قسم
ماورائے زمان و زمیں ہو گیا
جس نے لکھا انہیںؐ
اس کا معجز قلم
شہپرِ جبرئیلِ امیں ہو گیا

جس نے چاہا انہیںؐ
اس کی چاہت جفا کی نگارش ہوئی
اس پہ دن رات پھولوں کی بارش ہوئی
جس نے چاہا انہیںؐ
اس کو چاہا گیا
اس کی دہلیز تک ہر دورا ہا گیا

اس نظم میں شبنم رومانی نے آج کے بھٹکے ہوئے انسان کو بالعموم اور مسلمانوں کو بالخصوص آئینۂ تاریخ کے روبرو لا کھڑا کیا ہے اور اپنے تاریخی شعور کو ایک فنی شان سے شعری پیکر میں ڈھالا ہے۔ نظم میں ایسے افراد کی شبیہیں ابھاری گئی ہیں جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے اور آپ کے بخشے ہوئے نظامِ حیات سے وابستہ ہو گئے اور کامیابیوں نے ان کے قدم چوم لیے۔ جبکہ دامنِ رحمتِ بے کراں سے وابستگی سے قبل ان کی زندگیوں کی جھلک بھی چند علامتوں کے ذریعے دکھا دی ہے۔ اس طرح ایک حقیقت ESTABLISH کر دی کہ ماضی ہی نہیں بلکہ حال اور مستقبل بھی اسی ذاتِ والا صفات سے تعلق استوار کرنے سے تابناک ہو گا اور اپنے وجود کی معنویت بھی اسی نسبت سے ظاہر ہو گی۔ شبنم رومانی نے بھرپور تخلیقی شعور کے ساتھ فنی نزاکتوں کا خیال رکھتے ہوئے یہ نظم لکھی ہے۔ یہ نظم اپنی سادگی اور پرکاری کے باعث ابلاغ کے بے پناہ امکانات بھی رکھتی ہے اور نعت کے جدید اسالیب میں ایک اہم اضافہ بھی کہی جا سکتی ہے۔

شبنم صاحب نے غزل کی ہیئت (FORM) میں بھی نعتیں کہی ہیں اور یہاں بھی اپنے لہجے کی تازگی برقرار رکھی ہے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

ثبوتِ حق کی جو دانش وروں سے بات ہوئی
تو اتفاق کا نکتہ انہیںؐ کی ذات ہوئی

ہر اک عمل مرے آقاؐ کا ایک آیت ہے
ان آیتوں ہی سے تفہیمِ کائنات ہوئی

پیکرِ حکمت سے پہلے نسخۂ حکمت سے قبل
لفظ میں معنی تو تھے معنی میں گہرائی نہ تھی

کریں زیارتِ سرکار کی دعائیں ہم
مگر وہ ہاتھ وہ آنکھیں کہاں سے لائیں ہم
بس اک لباس ہمارا لباسِ عشقِ رسولؐ
رتوں کے ساتھ بدلتے نہیں قبائیں ہم
بس ایک راہ ہماری صراطِ مصطفوی
کبھی بھٹک کے نہ جائیں گے دائیں بائیں ہم
بس اک دعا ہے ہماری فروغِ جاں کی دعا
انہیں کو یاد رکھیں خود کو بھول جائیں ہم

ہوا طلوع حقیقت کا آخری سورج
جب اڑ رہی تھی بہت دھول داستانوں کی

مذہب کی ناقابلِ تردید حقیقتیں جب پردۂ سخن میں صورتِ اظہار پاتی ہیں تو لفظ لفظ میں شاعر کا باطنی تجربہ لمعہ ریز ہونے لگتا ہے اور شہرِ نعت میں اجالا ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت میں قاری نعت کو شاعر کی کاوشِ ہنر کی داد دیے بغیر رہ ہی نہیں سکتا۔ محشر بدایونی کا نعتیہ کلام "حرفِ ثناء" کے روپ میں سامنے آیا ہے۔ آمدِ مصطفٰےؐ کا ذکر بہت سی نعتوں کا موضوع بنا ہے لیکن محشر نے یہ بات کچھ اس انداز سے کی ہے کہ نئی نئی سی لگتی ہے۔

وہ ایک رات چراغاں ہوا زمانے میں
ہوا بھی ہو گئی شامل دیے جلانے میں

اس شعر میں ایک روشن حقیقت کا اظہار تو ہے ہی لیکن شعر میں سائنسی اصول کہ آکسیجن کی موجودگی کے بغیر چراغ روشن ہو ہی نہیں سکتا اس شاعرانہ انداز سے بیان ہوا ہے کہ مبالغہ معلوم ہوتا ہے۔ اور شعر کا تمام تر حسن اسی احساس میں مضمر ہے۔
محشر نے بھی اپنی شاعری سے اتباعِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبہ ابھارنے کا کام لیا ہے

لیکن تبلیغی لہجے میں نہیں بلکہ فنکارانہ شعور کے ساتھ۔

جہاں تک آپ کی تقلید ہو اسی حد تک
سلیقۂ بشریت بشر میں رہتا ہے
چراغ سیرتِ پُر نور اگر نگاہ میں ہو
تو پھر اندھیرا کہاں رہ گزر میں رہتا ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اکملیت پر کتنا بھرپور شعر کہا ہے۔

اس کو کہتے ہیں تکمیلِ انسانیت
ساری اچھائیاں ایک انسان میں

محشر کی شاعری میں سجا کر شعر کہنے کا سلیقہ بھی کار فرما نظر آتا ہے۔ درج ذیل نعت میں قوافی کی تکرار نے کیا حسن پیدا کیا ہے ملاحظہ ہو

دھڑکنیں دل کی صدا دیتی ہیں طیبہ طیبہ — آ کے طیبہ سے طلب اور ہے تشنہ تشنہ
آپ کے دامنِ رحمت کا ہے سایہ سایہ — کسی دیوار کا سایہ بھی کوئی سایہ ہے
آئینہ کر دیا پھر جوڑ کے ریزہ ریزہ — خلقِ معجزہ ہے، جو آئینۂ دل ٹوٹا
لوگ پتھر ہیں پگھل جائیں گے رفتہ رفتہ — کارِ دیں سخت کٹھن اور یہ رضائے شہِ دیں
آدمی عقل کے نرغے میں ہے تنہا تنہا — آپ کے سائے میں آجائے تو یہ حال ہو کیوں
خُلد ساماں ہو مری زیست کا لمحہ لمحہ — حرم و طیبہ میں گزریں جو مرے شام و سحر

اُمتی جائیں کہاں جائے اماں پائیں کہاں
یہ غلام آپ کے، آپ ان کے ہیں آقا آقا

ایک طویل مسدس "نورِ ہدایت" کے صرف بارہ بند "حرفِ ثناء" میں شامل ہیں۔ مجھے نہیں معلوم یہ مکمل مسدس کہیں چھپا ہے یا نہیں؟ لیکن یہ بارہ بند پڑھنے کے بعد اس مسدس کو پڑھنے کی شدید خواہش ضرور پیدا ہو گئی ہے۔ اس مسدس میں محشر بدایونی نے پورے فنی شعور کے ساتھ دعوت دی ہے اور بیانیہ (NARREATIVE) کو تخلیقی (CREATIVE) بنا دیا ہے۔ سادگی اور سلاست نے اس نظم کے لیے ابلاغِ عام کے دروازے کھولے ہیں تو روانیِ اظہار نے ادب شناسوں کے دلوں میں گھر کرنے کی راہ نکالی ہے۔ بحر کے انتخاب سے بھی شاعر کی خلاقانہ بصیرت کا اظہار ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہوں چند بند

سکوں سے محروم بے نواؤ جو ہے سکوں کی طلب تو آؤ
دل اپنا اللہ سے لگاؤ درِ نبیؐ پر نظر جماؤ

یہ طور بدلو یہ راہ چھوڑو
پھر اپنا رشتہ حرم سے جوڑو
وہ دیکھو اٹھی گھٹا حرم کی وہ نور پھیلا وہ برق چمکی
لرز اٹھیں وادیاں ستم کی سنو صدا ہے یہ کس قدم کی
صدا جو عالم پہ چھا رہی ہے
دیارِ بطحا سے آ رہی ہے

چند بند کے بعد کہتے ہیں
اسی کی تعلیم عینِ عرفاں اسی کا اخلاق شرحِ قرآں
اسی کا کردار روحِ انساں اسی کی طاعت سے ہم مسلماں
یہ غم جو دل سے لپٹ گئے ہیں
ہم اپنے مرکز سے ہٹ گئے ہیں
نہ فرش ریشم نہ چتر گوہر زمیں ہی تکیہ، زمیں ہی بستر
جہاں نوازو زمانہ پرور وہ مہرِ جود و سخا کا پیکر
تمام خلق اس کی زیرہ چیں ہے
مگر وہ خود بو ریا نشیں ہے
اسی سے ہم کو اماں ملے گی اسی سے تسکینِ جاں ملے گی
فراغتِ بے کراں ملے گی مسرتِ جاوداں ملے گی
خلوص و خُلق و ادب ملے گا
جو کھو چکے ہو وہ سب ملے گا

اس مسدس میں محشر بدایونی کا شاعرانہ کمال نظر آتا ہے۔ خلوصِ فن کے باعث جذبے نے ہر ہر لفظ کو اپنی گرفت میں اس طرح لے لیا ہے کہ جذبے کی ترسیل میں کوئی حرف مانع نہیں ہوتا بلکہ مددگار ثابت ہوتا ہے۔

نظم نگاری میں یدِ طولیٰ رکھنے والا ایک شاعر صہبا اختر بھی نعت کی دنیا میں اپنا ایک منفرد مقام رکھتا ہے۔ "اقراء" صہبا اختر کا مجموعۂ نعت ہے جو ۱۹۸۱ء میں زیورِ طباعت سے آراستہ ہوا۔ صہبا اختر پر دبستانِ لکھنؤ کی چھاپ ہے۔ اس کی شاعری پر "اک پھول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں" والی بات صادق آتی ہے۔ نعت میں صہبا نے حُبِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا درس دینے کی کوشش کی ہے اور محبتِ رسولؐ

کے حوالے سے اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب بھی۔ بعض جگہ صہبا نے فکری نکتے بھی پیدا کیے ہیں اور سوال بھی اٹھائے ہیں جس سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ نعت کو رسمی عقیدت کے اظہار سے آگے کی چیز سمجھتے تھے۔ اس بات کا اظہار انہوں نے کتاب کے دیباچے میں بھی کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔

"صرف عام قاری کے لیے اتنا کہنا چاہوں گا کہ میرا کلام محض عقیدت کے رسمی اظہار یا نعت کی مروّجہ روایت پسندی پر موقوف نہیں ہے۔ میں نے اس میں کچھ نئی جہتوں کو چھونے اور کچھ نئے اوراق الٹنے کی بھی کوشش کی ہے"

شاعر کے اس بیان یا دعوے کی روشنی میں جب ہم "اقراء" کی شاعری پر نظر ڈالتے ہیں تو بعض جگہوں پر ہمیں کچھ ایسے نکتے ضرور نظر آتے ہیں جو فکری سطح پر نعت کے لیے خوش آئند ہیں۔ لیکن اس کا کیا جائے کہ شاعر اپنی فکر کو نظم (VERSIFY) کرتے وقت بیانیہ NARRATIVE یا خطابیہ ELOQUENT طرز اختیار کرتا ہے اور بیشتر کلام میں جوشِ خطابت میں شعریت دب جاتی ہے۔ لیکن اب ایسا بھی نہیں کہ شاعر بالکل ہی ناکام ہو گیا ہو نہیں نہیں صہبا کے خطاب میں بھی کہیں کہیں بے پناہ ادبیت آگئی ہے۔ پہلے تو ایک "سوالیہ" ملاحظہ ہو جو شاعر کے اس دعوے کی دلیل فراہم کرتا ہے کہ اس نے کچھ نئی جہتوں کو چھونے کی کوشش کی ہے۔

جو ارضِ کعبہ پہ حکمراں تھے
وہ تین سو ساٹھ بت کہاں ہیں

وہ اب زمیں میں بھی نہیں ہیں
وہ اب ذہن میں بھی نہیں ہیں
وہ آستینوں میں بھی نہیں ہیں
ذرا حجاب نظر اٹھائیں
مرے مسلماں مجھے بتائیں
کہ کیا وہ حرص و ہوس کی صورت
ہمارے سینوں میں بھی نہیں ہیں

اسی طرح ایک اور نظم کا عنوان بھی "سوال" ہے۔

عیدِ میلاد کا ساماں کیوں ہو دل ہیں تیرہ تو چراغاں کیوں ہو
بت کدے دل میں اگر ہیں آباد ہاتھ میں مشعلِ قرآں کیوں ہو
تم منافق ہی منافق ہو اگر تو صداقت کے ثناء خواں کیوں ہو

خود بجھائے ہیں اگر تم نے چراغ تو اندھیروں سے پریشاں کیوں ہو
تم اگر رحمتِ عالم کے نہیں
مہرباں رحمتِ یزداں کیوں ہو

ان نظموں میں صہبا ایک تلخ نوا خطیب نظر آتے ہیں تلخ نوائی میں ان کے دل کا کرب بھی جھلکتا ہے لیکن اس خطابیہ میں شعریت کا فقدان ہے کہیں کہیں تاریخی واقعات سے صہبا نے کچھ نتائج بھی اخذ کئے ہیں۔ لیکن اس سارے عمل میں ان کے بیان میں کوئی فلسفیانہ گہرائی نہیں ہے۔ مثلاً "وہ "دامِ عنکبوت" والی نظم میں غارِ ثور کا ایک واقعہ بیان کر کے کہتے ہیں۔

اور یہ سب یوں ہوا تاکہ دنیا جان لے
کُل جہاں یہ مان لے راہِ حق آثار میں
بے اثر ہے ہر ستم پار کر سکتے نہیں
اس کو باطل کے قدم خیر و شر کے درمیاں
ایک مکڑی بھی اگر
اپنا جالا تان دے

صہبا اختر کی شاعری پر کہیں کہیں جوش ملیح آبادی کے لہجے کا گمان گزرتا ہے اور بعض جگہ انیس کی گونج سنائی دیتی ہے لیکن وہ نہ انیس بن سکے نہ جوش۔ مشاعروں میں اپنی بھرپور گھن گرج سے شعر سناتے وقت وہ البتہ ایک کامیاب شاعر لگتے تھے۔ ملاحظہ ہوں دو مثالیں

صبح دم جب بزمِ گل میں چہچہاتے ہیں طیور
پو پھٹے جب جھلملاتا ہے فضائے شب میں نور
روشنی جب پردۂ ظلمت سے کرتی ہے ظہور
تب مجھے محسوس ہوتا ہے کہ کیا ہوں گے حضور
روشنی کے تار جب بُنتے ہیں تارِ عنکبوت
صورتِ غارِ حرا ہوتا ہے جب شب کو سکوت
اور ابھرتی ہے افق سے اک جبیں صدر شکِ طور

تب مجھے محسوس ہوتا ہے کہ کیا ہوں گے حضورؐ
اک ہوائے سر خوشی میں جھومتے ہیں جب نہال
جب اذاں بن کر چمک اٹھتی ہے آوازِ بلالؓ

دل پہ جب اسمِ محمدؐ سے برستا ہے سرور
تب مجھے محسوس ہوتا ہے کہ کیا ہونگے حضورؐ

اس پوری نظم پر جوش ملیح آبادی کا پرتو ساف دکھائی دیتا ہے۔ اب درجِ ذیل مسدس کے لہجے اور انداز کو ملاحظہ فرمایئے اور دیکھیے میرانیس کا پورا عکس اس میں جھلکتا ہے کہ نہیں؟ مسدس کا عنوان ہے "بارانِ نور"

اے موجۂ کوثر مرے لہجے میں نشے گھول
اے زمزمِ تکلم مرے لفظوں کی گرہ کھول
اے روحِ سخن اٹھ کے سرِبزمِ سخن بول
میزانِ مناقب میں عقیدت کے گہر تول

ہو اسمِ محمدؐ کا فسوں نعتِ محمدؐ
جبریل قلم دے کہ لکھوں نعتِ محمدؐ

اے چشمۂ صد لطف و کرم مجھ پہ کرم کر
سدرہ کی طرح نور فشاں میرا قلم کر
شائستۂ تعریفِ شہنشاہِ امم کر
مجھ جیسے ہمہ جہل کو اعجاز رقم کر

احساس ہو قدرت کے نوشتوں کی طرح سے
الفاظ مؤدب ہوں فرشتوں کی طرح سے

احساس پہ چھائی ہوئی یثرب کی گھٹا ہو
ہر شعر میں گل ریز مدینے کی ہوا ہو
مُہرِ بجہاں مدحتِ محبوبِ خدا ہو
یارب مجھے اس بار یہ توفیق عطا ہو

اس طرح کروں ذکر رسولِ عربی کا
بلبل کہیں سب لوگ مجھے باغِ نبی کا

خورشید کی کرنوں سے تجلی کو نچوڑوں
اس طرح ستارے حسیں آفاق سے توڑوں
اس طرح مہ و مہر کو قرطاس پہ موڑوں
یوں انجم و مہتاب کو الفاظ سے جوڑوں

الفاظ میں گرمی ہو اگر مہرِ تپاں کی
مصرعوں میں چمک آئے نظر کاہکشاں کی

انیس کا مشہور مرثیہ "یارب چمنِ نظم کو گلزارِ ارم کر" جن لوگوں نے پڑھا ہے وہ ضرور اس بات کا اندازہ لگالیں گے کہ صہبا اختر نے انیس کی بحر، تیکنیک اور لفظیات تک سے بھرپور تاثر قبول کیا ہے۔ لیکن انیس انیس ہے۔ (فسوں اور یثرب کے استعمال کی کراہیت ایک طرف رہی)

بڑے نظم نگاروں کا تتبع اپنی جگہ لیکن جہاں فکرِ آزاد سے کام لے کر صہبا نے کسی موضوع پر قلم اٹھایا ہے اور شکوہِ الفاظ کے بجائے سادگی سے اپنی فکر کو شعری قالب میں ڈھالا ہے وہاں وہ پر تاثیرات کہنے میں کامیاب نظر آتے ہیں۔ ایک چھوٹی سی نظم ہے "صدا"

یہ عالمِ صفات ہے جس کی قبائے ذات
پھیلائے وہ گلیم تو معراج کی ہو رات
وہ مسکرا پڑے تو تبسم کرے حیات

وہ عالمِ رکوع میں، قوسِ تجلیات
سجدے میں سر جھکائے تو جھک جائیں شش جہات
محوِ قیام ہو تو صدا دے یہ کائنات

قد قامتِ الصّلوٰۃ
قد قامتِ الصّلوٰۃ

صہبا غزل کے مزاج آشنا شاعر نہ تھے یہی وجہ ہے کہ ان کی غزل پر بھی نظم نگاری کا گمان ہوتا ہے۔ ایک نعتیہ غزل کے چند اشعار بھی ملاحظہ فرمالیجئے۔

وہی قدسیؔ وہی جامیؔ وہی حسانؓ ہو جائے
سلیقہ نعت لکھنے کا جسے امکان ہو جائے
ابھی سرکار کی سیرت سے دل واقف نہیں ورنہ
جہانِ سنگ پیاں آئینہ سامان ہو جائے
اگر وہ ابرِ رحمت ترک کر دے بارشِ رحمت
زمیں تو پھر زمیں ہے آسماں ویران ہو جائے
مری دیوانگی اتنی بڑھے عشقِ محمدؐ میں
کہ یہ دیوانگی بڑھ کر مرا دیوان ہو جائے

مجھے صہبا اختر کا یہ رویّہ بڑا پسند آیا کہ انہوں نے شعوری طور پر نعت کو نئی جہتوں سے ہمکنار کرنے کی کوشش کی۔ کامیابی کی شرح تو پھر کبھی طے ہو گی لیکن یہ ایک قابل تحسین بات ہے کہ کسی شاعر نے نعت کو سنوارنے کے بارے میں سوچا تو سہی۔ صہبا کی زندگی وفا کرتی تو شاید وہ کچھ اور نعتیں لکھتے اور اپنے آدرش کو پانے کی سعی کرتے لیکن آدرش رکھنے اور اس کو پانے کی کوشش کرنے کے حوالے سے وہ نعت کی دنیا میں ضرور زندہ رہیں گے۔

علیم صبا نویدی ایک ہندوستانی شاعر ہیں۔ جدید فکر، جدید اسلوب اور نئی نئی شعری صورتیں اپنانے کے معاملے میں بڑے معروف ہیں۔ آزاد غزل کے تجربات کر چکے ہیں۔ جاپانی صنف ہائیکو میں بھی طبع آزمائی کر کے اپنی جدت پسندی کا ثبوت فراہم کر چکے ہیں۔ انہوں نے اردو نعتیہ ادب کو پہلا سانیٹ کا مجموعہ بھی دیا ہے جس کے مطالعے سے کم از کم یہ ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ وہ موضوعات اور اسلوب اظہار میں بھی روایت سے گریز کے قائل ہیں اور نعت کو محض حصولِ ثواب کے لیے نہیں بلکہ ادبی صنف کی حیثیت سے لکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی نعتیہ ہائیکو اور سانیٹ دونوں ہی میں ان لوگوں کے لیے بھی اپیل موجود ہے جو نعتیہ شاعری کو شاعری نہیں کہتے۔ ملاحظہ ہوں علیم صبا نویدی کے ہائیکو اور سانیٹ۔

ہائیکو ←

وہ انسانیت کا چمکتا نصیب
بدی کا تصور مٹاتا ہوا
خلوص و وفا نیکیوں کا نقیب

وہ اک منبعِ علم و فن کا جلوس
ہے ارض و سما کی نگاہوں کا نور

سراپا تجلی سراپا خلوص

وہ اک جام توحید کا لب بہ لب
وہ اک میکدہ نوری آیات کا
نبوت کا دل تاج دارِ عرب

سانیٹ۔

① ظلمتوں کی دھرتی پہ رحمتوں کا ڈیرا ہے
عطر بیز جلوے ہیں کہکشانی راہوں میں
نور کی شفق پھوٹی آسمانی باہوں میں
منظروں کے ہونٹوں نے مسکراہٹیں پائیں
بے زبان لمحوں نے گنگناہٹیں پائیں
پھوسوں میں جاگا ہے راگ زندگانی کا
خاتمہ ہوا گویا کفر کی کہانی کا
آئینہ نما شب ہے انوری سویرا ہے
بھید دونوں عالم کے ان پہ ہو گئے افشا
دین حق کی خوشبوئیں ان کی ذات میں روشن
جلوہ ہائے نورانی کائنات میں روشن
ہر طرف سے قرآنی آیتوں کا آئینہ

گویا اول و آخر شاہِ دیں کا صدقہ ہے
نور آفریں منزل راہِ دیں کا صدقہ ہے

---

② زندگی کے دائروں کو وسعتیں ملتی گئیں
کفر کے گہرے سمندر خشک ہو کر رہ گئے
ظلم اپنی مات پر دامن بھگو کر رہ گئے
آسمانی ذات کی جب قربتیں ملتی گئیں

پھول کلیوں پر مبارک نام تھا جلوہ نشاں

موسموں کے بخت پر پرنور برساتیں ہوئیں
جلوہ فرما خاک پر رحمت کی باراتیں ہوئیں
سر بسجدہ ہو گئے سورج سمندر آسماں

آدمی انسانیت کے راز سے واقف ہوا
مٹ گئے احساس سے وہ ظلمتوں کے نقش سب
جاگزیں جب سے ہوا ہے ذہن و دل میں خوفِ رب
ایک نوری ذات سے ہم سب پہ یہ عقدہ کھلا

بندگی میں زندگی کے راز پوشیدہ ہیں سب
اور خدائی کے سفر میں ہمسفر شاہِ عرب

علیم صبا نویدی کی نعتیہ شاعری کے یہ نمونے اس بات کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں کہ نویدی اپنی فکر میں تازگی، طبیعت میں جدّت پسندی اور شاعرانہ رویّے میں روایت گریزی کا میلان رکھتے ہیں اور نعت کہتے وقت اپنی تخلیقی بصیرت پوری طرح کام میں لاتے ہیں۔

نعیم صدیقی ایک کہنہ مشق شاعر ہیں۔ اسلامی طرزِ فکر سے مکمل آگاہ کلاسیکی شعری روایات سے پوری طرح آشنا عصرِ حاضر کی فکری کجروی اور عملی بے راہروی کی تمام جہات کے دانندہ اور جہادِ حیات کے لیے ہمہ دم کمربستہ اردو نعت میں ایسی فکری اور عملی سچائی کو پیش کرنے والے اگر دو چار نام دیانت داری سے لکھنا پڑیں تو ان میں یقیناً" ایک نام نعیم صدیقی کا ضرور شامل ہو گا۔ نعت کو مسلمانوں کی حیاتِ اجتماعی سے ہم آہنگ کر کے امت کو آئینہ دکھانے کا کام جس فنی شعور کے ساتھ نعیم صدیقی نے لیا ہے ایسا کم شعراء نے لیا ہے۔ نعیم صدیقی ادیب بھی ہیں اور شاعر بھی۔ ادب میں اسلامی ادب کا فروغ ان کا مقصد اور نعت میں عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اتباعِ رسولؐ سے مشروط کرنے کا جذبہ ان کا رہنما ہے۔ نعیم صدیقی کی شاعری پر عربی فارسی کی شعری روایات کا عکس ہے اس لیے ان کے ہاں بے تکان عربی فارسی کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں شاید یہی وجہ ہے کہ ان کا نعتیہ کلام خواص کو زیادہ اپیل کرتا ہے۔ لیکن ان کے اشعار اتنے مشکل بھی نہیں ہوتے کہ عوام ان سے استفادہ نہ کر سکیں۔ بہرحال نعت کو شعوری طور سے روحِ عصر سے ہم آہنگ کرنے والے شعراء میں نعیم صدیقی کا نام ہمیشہ نمایاں رہے گا۔ نمونہ ملاحظہ فرمائیے۔

تو رسولِ حق، تو قبولِ حق، ترا تذکرہ ہے فلک فلک
تو ہے مصطفےٰ تو ہے مجتبیٰ، ترا نعت خواں ہے ملک ملک

نہ زمیں ہے میری قرار گہ، نہ فلک ہی منزلِ جذبِ دل
بڑی دیر سے ہے سفر مرا، تری یاد سے تری یاد تک
یہ طبق ترا، وہ طبق ترا، یہ افق اِدھر وہ افق اُدھر
تری جلوہ گاہیں ہزار ہیں کبھی یہاں چمک کبھی واں جھلک
ترے سب زماں، ترا کل مکاں ترے مہرومہ، تری کہکشاں
تو اِدھر سے اٹھ تو اُدھر سے آ تو یہاں چمک تو وہاں دمک
ابھی غار میں ابھی بدر میں، ابھی فرش پہ ابھی عرش پہ
کبھی وہ ادا، کبھی یہ ادا، کبھی وہ جھلک، کبھی یہ جھلک
ہے شبِ فراق محیطِ دل بڑی بے کلی ہے بڑی تپش
سرِ شام سے دمِ صبح تک نہ لگی پلک سے ذرا پلک
مری پیاس ہے کئی قسم کی مری پیاس ہے نئی قسم کی
کبھی بن کے ایک گھٹا برس، کبھی چاندنی کی طرح چھٹک
وہ جو تو نے غم سے مرے لیے کوئی چاندنی سی انڈیل دی
ہے کئی صدی کا یہ واقعہ مرے جام میں ہے ابھی چھلک
ترا انکسار، غنا، حیا، غمِ حشر، صدق، صفا، دعا
جو یہ سات رنگ ہوئے بہم، تری شخصیت کی بنی دھنک
ترے غم کی جس کو ملی کسک نہ رہا اسے کوئی اور غم
اسے اور کچھ نہیں چاہیے، ترے غم کی جس کو ملی کسک

یہ نعت اپنی ہیئت (غزل کی ہیئت) کے اعتبار سے تو روایت سے مربوط ہے لیکن مضامین اور لہجے کے حوالے سے بالکل نئی ہے۔ یہ نعت فکر کے بہت سے زاویے اور بیان کے کئی پہلو رکھتی ہے۔ بحرِ کامل بڑی رواں دواں بحر ہے تاہم اس کو حشو و زوائد سے پاک رکھنا ہر شاعر کے بس کی بات نہیں ہوتی نعیم صدیقی نے اس بحر کو بڑی فنکارانہ چابک دستی سے استعمال کیا ہے۔ اس نعت میں شاعر نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سراپا لکھا ہے جس کو پڑھ کر قاری کے ذہن میں ایک انتہائی متحرک ہستی (DYNAMIC PERSONALITY) کا تصور ابھرتا ہے حضور پرنور رسولِ گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی اور آپ کی تعلیمات کی اصابت اور اہمیت اس لیے اجاگر کی گئی ہے کہ امت آپ کی اتباع میں ایسے ہی اوصاف اپنا کر دنیا میں انقلاب برپا کردے۔ فی الحال تو امت کے قدم نہ زمین پر جم سکے ہیں (مادی ناکامی) اور نہ آسمان تک رسائی ہے (روحانی کھوکھلا پن) اس لیے دین کا تجمل اور زندگی کا

تحرک چمن چکا ہے اور اب زندگی بخش حوالہ (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اور ان کی یاد) بھی زندگی گریز یاد کی صورت میں باقی رہ گیا ہے۔

بڑی دیر سے ہے مرا سفر تری یاد سے تری یاد تک

شاعر، آقائے نامدار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی کی جھلکیاں دکھا کر زوال امت کی طرف اشارہ کرتا ہے لیکن کسی قسم کی قنوطیت کو اپنے قریب پھٹکنے نہیں دیتا بلکہ بڑے توانا لہجے میں کہتا ہے

ہے کئی صدی کا یہ واقعہ مرے جام میں ہے ابھی چمک

نعیم صدیقی کے کلام میں دینی شعور، قرآنی فکر کی تفہیم، تاریخ سے آگہی اور عصر حاضر کے مسائل کا ادراک جھلکتا ہے۔ حق و باطل خیر و شر کی کشمکش کا ان کے نزدیک ایک ہی حل ہے "جہاد"۔

اے عشق محمدؐ اب اتنی سی تمنا ہے
باطل کے طلسموں سے ایماں کو بچا لے چل
ہاں اے سبقِ اقراء ہاں اے سفرِ اسراء
جنت سے گرا ہوں میں پستی سے اٹھا لے چل
رزمِ حق و باطل نے کھولا دیا خوں میرا
اے دل مجھے اب سوئے میدانِ وغا لے چل

نعیم صدیقی شعری تقاضوں کے لیے شرعی حدود سے ذرا تجاوز نہیں کرتے۔ اس بات کے ثبوت میں ایک نعت کی طرف توجہ دلاؤنگا جس کی ردیف ہے "آیئے" اس ردیف سے بعثتِ ثانی کا تصور ابھرتا ہے جو دینی حقیقتوں اور شرعی تقاضوں کے برعکس ہے کیونکہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ ثانی کا نہ تو امکان ہے اور نہ تکمیلِ دین متین کے بعد اس کی گنجائش ہے۔ ١*

چنانچہ صدیقی صاحب نے اس ایک موڑ کی مسلسل نعت میں یہ شعر رکھ دیا تاکہ مسئلے کی وضاحت بھی ہو جائے اور دلی جذبات کا اظہار بھی۔

دنیا میں واپسی کا تو خیر اب سوال کیا
ہاں خواب میں نصیب جگانے کو آیئے

ہر امتی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار بھی چاہتا ہے اور آپ کی بارگاہ میں اپنی روداد بھی پیش کرنا چاہتا ہے۔ نعیم صدیقی کی بھی یہی خواہش ہے لیکن ان کو یہ مسئلہ درپیش ہے کہ اگر حضورؐ نے اذن تخاطب دیا تو یہ اپنے دلی تقاضے کے تحت آپ کو شاہ کہہ کر کس طرح مخاطب کریں گے۔

حضورِ پاک شاہی کو مٹانے کے لیے آئے

ملے اذنِ تخاطب تو کہوں میں کس طرح شاہا!

اور یہی وہ بصیرت ہے، جس نے تحدیثِ نعت کے طور پر شاعر سے یہ شعر بھی کہلوایا۔

خرد بھٹکی نہ پھر اپنی تمہیں جس روز سے سمجھا
نظر بہکی نہ پھر اپنی تمہیں جس روز سے چاہا!

اس قسم کے اشعار کی موجودگی اس بات کا پتہ دیتی ہے کہ شاعر تخلیقی لمحات میں بھی فکر کی راست رہبری قبول کرتا ہے اور رخشِ سخن کو بے لگام نہیں ہونے دیتا۔ نعت کی تخلیق میں اس رویّے کی بڑی ضرورت ہے۔

ایک نعت جس میں شعریت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے اور پیشِ خدمت ہے۔ اس نعت میں شعری ہنرمندی بھی ہے اور فکری سلامت روی بھی۔

تو گل بھی، نسیم بھی، سحر بھی تو حسن بھی، جلوہ بھی، نظر بھی
تو دردِ نہاں، ــــــ بھی، چارہ گر بھی مرہم بھی، جراحتِ جگر بھی
ساحل سے جو دیکھیں کیسے سمجھیں تو بحر بھی، موج بھی، گہر بھی
گلہائے ــــــ تبسمِ ضیا پاش پھر شبنمِ دیدہ ہائے تر بھی
انسانوں سے رشتۂ مساوات انسانوں سے ہے بلند تر بھی
پھولی ہوئی سانس پاؤں سوجے ہے شب کا قیام اک سفر بھی
ہے باعثِ فخر، فقر و فاقہ قدموں میں پڑے ہیں سیم و زر بھی
اے روشنیاں لٹانے والے ممکن ہو تو اک نظر ادھر بھی
ایماں کا مقام دینے والے حاضر ہے یہ جاں بھی، دل بھی، سر بھی
جب تک ترے، نور سے ہے خالی اک نار ہے علم بھی، ہنر بھی

ذرا درج ذیل نعت کے چند شعر بھی ملاحظہ فرمایئے جس میں "آدمی" کی ردیف کس خوبصورتی سے عصری احساس و فکر سے ہم آہنگ کی گئی ہے۔

سب کا یکساں ہے تری بزمِ اخوت میں مقام
خواہ اعلیٰ آدمی ہو، خواہ ادنیٰ آدمی

تو نے اے نورِ مجسم راز یہ افشا کیا
ہے اندھیرا خود ہی اپنا خود اجالا آدمی

کاش تیرے چشمۂ حیواں پہ آ پہنچے کبھی
یہ سرابوں سے سرابوں تک بھٹکتا آدمی

رزمِ دنیا کا سپاہی، بزمِ عقبیٰ کا فروغ
تیرے ہاتھوں سے ہوا تعمیر پورا آدمی

نعیم صدیقی نظم گوئی میں خاص مہارت رکھتے ہیں وہ اپنے احساس کی قندیل نظم کے حرف حرف میں روشن کر دیتے ہیں۔ یوں تو ان کی ہر نظم ہی قابل توجہ ہے لیکن میں ایک نظم کے صرف دو بند پیش کرنے پر اکتفا کروں گا۔

اے میرے نبیؐ صدق و صفا!
یاں جھوٹ گواہی دیتا ہے جب سچ کا غازہ رخ پہ ملے
کرتا ہے امامت کفر یہاں جب تقویٰ کی محراب تلے
طاغوت کی جب بے باک ہنسی غیرت کو ضرب لگاتی ہے

ایسے میں تڑپتا ہے یہ دل! ایسے میں تری یاد آتی ہے

اے میرے نبیؐ صدق و صفا!
بن باپ کے عاجز بچے جب افلاس کے گھر میں پلتے ہیں
اور ان کے افسردہ چہرے جب پیٹ کی آگ میں جلتے ہیں
کچھ جھوٹی امیدوں سے ان کو جب بیوہ ماں بہلاتی ہے

ایسے میں تڑپتا ہے یہ دل، ایسے میں تری یاد آتی ہے

نعتیہ کلام کے درج بالا نمونوں سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ نعیم صدیقیؔ شعوری طور سے نعت کا رشتہ عصری زندگی اور عصری ادبی تقاضوں سے جوڑنے کی سعیٔ بلیغ فرما رہے ہیں اور خاصی حد تک کامیاب ہیں۔

غیر مسلم شعراء نے بھی نعت نگاری میں اپنا حصہ ڈالا ہے۔ ان کے پاس موضوع کی مکمل آگاہی ہو یا نہ ہو لیکن ان میں سے بیشتر چونکہ شعری آہنگ اور سخن گوئی کی عصری رو سے آگاہ ہیں اس لیے بعض شعراء نے خلاّقانہ شاعری کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ شعر میں مذہبی موضوع کو راست طریقے سے برتا جا سکتا ہے۔ نذیر قیصر ایک مسیحی نعت گو کی حیثیت سے ابھرے ہیں اور انھوں نے اپنی نعتیہ شاعری کا ایک مجموعہ "اے ہوا مؤذن ہو" کے نام سے شائع کیا ہے۔

نذیر قیصر کی شاعری سے ان کی شعری بصیرت اور جدید اسلوبِ سخن کا بھرپور شعور جھلکتا ہے۔ اچھی شاعری میں موضوع کی معلومات فراہم نہیں کی جاتیں بلکہ موضوع کے حوالے سے صرف اپنے احساسات

کو گرفت میں لانے کی کوشش کی جاتی ہے چنانچہ نذیر قیصر نے اپنے احساسات کو بھرپور، شعری زبان میں قلمبند کیا ہے۔ ان کی شاعری میں علامتوں کا جا بجا استعمال ان کی طبیعتِ دشوار پسند کا غماز بھی ہے اور توسیع معانی (EXPANSION OF MEANING) کے رویّے کا عکاس بھی۔ ان کی شاعری آرزوئے تخلیق کے بے ساختہ جذبے سے ابھری ہے۔ اور شعری اسلوب (Style) بذاتِ خود پُرکشش ہے.... یہ باتیں اچھی شاعری کے لیے بنیادی اہمیت رکھتی ہیں۔ کتاب میں شامل پہلی نظم ملاحظہ ہو۔

میں ہوا کا گیت
اور شاخِ ابد تک
گونجتی.... خوشبو کی دستک
ریت کے قدموں میں چشمے کی روانی
قریہ قریہ، خیمہ خیمہ
بند مشکیزوں کا پانی
راستے کا دکھ
سحر کا پہلا تارا
اور.... سفر کی شام
تیرے نام کرتا ہوں
کہ تیرے نام سے
ان سب کا رشتہ ہے
یہ سب تیرا نوشتہ ہے
میں اپنے خواب
اپنے لفظ...
اپنی جاگتی راتیں
ترے قدموں میں رکھتا ہوں

اس نظم میں نذیر قیصر نے زمان و مکان کے تلازمات لفظوں کی گرفت میں لے کر احساس کی ہر جہت اور خیال کی ہر سطح کو آقائے نامدار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور نذر کرتے ہوئے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ آپ کا پیغام ازل ابد کی زمانی حدود سے ماوریٰ اور آپ کا فیضان خطوں اور

اما کن کی قید سے یکسر آزاد ہے۔ چنانچہ انسانیت کے سب خواب (آدرش۔ امنگیں، آرزوئیں اور نیک تمنائیں) اور ان خوابوں کی تعبیر کے لیے کی جانے والی کوشش اور محنت (جاگتی راتیں) سب کی سب آپ کی ذات سے درماں طلبی کے لیے آپ کے قدموں میں رکھی جاتی ہیں۔ تفہیم کے حوالے سے یہ نظم ذرا مشکل ضرور ہے لیکن شاعرانہ TREATMENT نے اس نظم کو نعتیہ شاعری میں ایک انفرادیت سے ہم کنار کر دیا ہے کیونکہ یہ نظم سراسر تاثراتی ہے۔ نذیر قیصر کی کتاب کی یہ اولین نظم گویا ان کے نعتیہ شعری سفر کا دیباچہ ہے اور بعد کی ساری شاعری اس دیباچے کی تشریح لگتی ہے لیکن یہ تشریح تفہیم شعر کے لیے نہیں ہے بلکہ تاثر کے پھیلاؤ کے حوالے سے اسے تشریح کا نام دیا جا سکتا ہے۔

اب ذرا دیکھیے کہ اگلی ہی نظم میں یہ احساس کس قدر خوبصورت پیرایۂ بیان میں جلوہ گر ہوتا ہے۔

دن سے پہلے سورج آئے، رات سے پہلے شام
سجیں تیرے نقشِ قدم ہیں .خوشبو ترا قیام
کاندھے پر خالی مشکیزہ، پاؤں کے نیچے ریت
میں دھرتی پر دیکھ رہا ہوں جل تھل ہوتے کھیت
نسل قبیلے لے کر نکلے اپنے اپنے علم
لیکن ایک ہی اسم تھا آگے ایک ہی لوح و قلم
رات سے آگے سورج اور سورج سے آگے تو
تجھ سے آگے تیرے مقدس قدموں کی خوشبو
خوشبو اسم بنے اور اسم سے آگے نور کا ہالہ
آج کی رات اس ہالے کو میں تنہا دیکھنے والا
دھرتی پر پھیلائے کس نے روشنیوں کے کھیت
تیرے پاؤں کو چومنے والی پاک مقدس ریت
پہلی شام مدینے کی اور دھند میں لپٹے باغ
سایہ سایہ دیکھ رہا ہوں صورت اور چراغ
ہاتھوں میں تاروں کا جھرمٹ ماتھے پر محراب
کرن کرن آنکھوں میں اترے تیرے سچے خواب

اس نظم کے گیارہ اشعار میں سے میں نے آٹھ منتخب اشعار اوپر نقل کر دیے ہیں۔ ان اشعار میں شاعر کا حسی تجربہ (SENSUOUS EXPERIENCE) بڑی خلاقانہ قوت کے ساتھ اظہار کی منزلوں سے ہم کنار ہوا ہے۔

نظم میں استعمال ہونے والے علائم اور ان کے ساتھ شاعر کا جذباتی لگاؤ (INVOLVEMENT) دیدنی ہے۔ یہ نظم محولہ بالا نظم کے مقابلے میں زیادہ ابلاغ آگیں (COMMUNICATIVE) ہے۔

اب غزل نما نعتوں کے اشعار بھی ملاحظہ فرمایئے جن میں نبیؐ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی جناب میں التجا کی گئی ہے۔

ہجر کی کالی رات کو اپنا نور وصال دے
میری شام کے طاق میں اپنا دیوا بال دے
میری زخمی روح پر اپنی کملی ڈال دے

چوموں پاؤں ہجرت والے ہجرت والے برکت والے
کونپل کونپل شبنم شبنم لمحے بھیج زیارت والے
جلتے شہروں پر پھیلا دے بادل اپنی رحمت والے
میرے صفحوں پر بھی لکھ دے حرف وہ نور و نکہت والے
میرے زخموں پر بھی رکھ دے اپنے ہاتھ شفاعت والے

نذیر قیصر کی نعتیہ شاعری میں ان کا طرز احساس قوس قزح کے مانند جھلک رہا ہے اور لفظوں کی بُنت کے جلو میں جذبے کی شدت (INTENSITY) بھی محسوس کی جا سکتی ہے۔ اپنے احساسات کے اظہار کے لیے انہوں نے علامتی زبان استعمال کی ہے اور رنگوں اور خوشبوؤں کے تلازموں میں ایک جہان معانی بھر دیا ہے۔ کہیں کہیں اپنی علامتوں کی معنویت کی طرف بھی اشارے کر دیے ہیں مثلاً

پھول کھلتا ہے نشانی تیری چاند ابھرتا ہے اشارا تیرا
ٹہنی ٹہنی لکھا سیپارا تیرا نام موسم موسم ایک اشارا تیرا نام
پتّی پتّی کونپل کونپل تیری نمو صفحہ صفحہ حرف ستارا تیرا نام
شبنم شبنم پیالہ پیالہ تیری بوند دریا دریا لہر کنارا تیرا نام
روح و بدن میں لاکھوں شمعیں پگھل گئیں کیسے لیتا میں دوبارا تیرا نام۔

نذیر قیصر نے اسلامی تاریخ اور قرآن کریم کا جو مطالعہ کیا ہے وہ ان کے کلام میں جگہ جگہ ضوفشاں ہے۔ لیکن اس مرحلے پر بھی انکے فن پر مطالعے کا وہ اثر نہیں پڑا ہے جو شعر کو محض معلوماتی بنا دے۔ بلکہ ان معلومات نے ان کے تخلیقی عمل کو آگے بڑھانے اور شعری اظہار میں نکھار پیدا کرنے میں مدد دی ہے۔ یا بالفاظ دیگر یوں کہہ سکتے ہیں کہ دین اسلام کی معلومات نے ان کے کلام کی شعری قدر

(POETIC WORTH) میں اضافہ کر دیا ہے اس لیے کہ انہیں خارجی مواد کو احساس کی زبان دینا
آتا ہے۔ ملاحظہ ہو درج ذیل نظم

قسم زیتون کی
صحرا کی....
صحرا میں اترتی پہلی بارش کی
ترے قدموں سے اڑتی دھول کا پیاسا
مرا دل ہے
قسم ہے ابر کی
اور رعد کی تسبیح کی
جب شب کی انگشت شہادت
روشنی میں ڈوب کر ابھرے
فلک مکتوب کی صورت
دنوں، سالوں مہینوں میں بکھر جائیں
ترے اسرار سینوں میں بکھر جائیں

اس نظم کے مطالعے سے میرے اس دعوے کی دلیل فراہم ہو جاتی ہے کہ نذیر قیصر نے خارجی مواد (تاریخ اسلام اور قرآن کا مطالعہ) کو اپنی شعری دانش کا مکمل جزو بنا لیا ہے۔

اس شاعری سے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ عشق کا ایسا اظہار تو نہیں ہوتا جو مسلمان شعراء کا طرۂ امتیاز ہے، اور میرے خیال میں یہ ممکن بھی نہیں تھا، تاہم شاعرانہ خلوص اور فن سے COMMITMENT کے باعث نذیر قیصر کی شاعری کو ایک انفرادیت ضرور حاصل ہو گئی ہے۔

خاطر غزنوی معروف غزل گو ہیں اور ان کا نعتیہ اندوختہ اب ان کے مجموعۂ نعت "سلسلہ انوار کا" میں یکجا ہو کر سامنے آیا ہے۔ خاطر کی نعت گوئی میں ان کا غزل گوئی کا تجربہ اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ عکس ریز ہوا ہے۔

خاطر غزنوی کے نزدیک نعت گوئی اپنی زندگی کے لمحۂ موجود کو سنوارنے اور مستقبل کو نکھارنے کا عمل ہے۔ وہ ایک والہانہ کیفیت کے ساتھ نعت کہتے ہیں اور اس کیفیت میں دوسروں کو بھی شریک کرنا چاہتے ہیں۔

آؤ مستقبل کو نکھاریں نعت کہیں   چن لیں حال کی سب مہکاریں نعت کہیں

گنبد خضرا کی ہریالی آنکھ میں ہے موسم دل پر چھائیں بہاریں نعت کہیں
ذکر نبیؐ کی شبنم شبنم چلی ہوا رحمت کی ہر سو ہیں پھواریں نعت کہیں
جالی پار غنی جھونکے، یاں کا سے ہاتھ ہر اک آنکھ میں اشک قطاریں نعت کہیں
ایک سفر ہے عشق سمندر صحرا کا آؤ کشتی پار اتاریں نعت کہیں

اس نعت میں جذبے کا والہانہ پن، لہجے کا دھیمہ پن، بحر کا ترنم اور طرز احساس کا نیا پن سب آپس میں مکمل مل گئے ہیں اور شاعری میں خود رفتگی کا اثر نمایاں ہو گیا ہے۔

اس نعت میں دعوت نعت گوئی تو محسوس ہوتی ہے لیکن جذبہ ایسا ہے کہ اس دعوت میں بھی فنکارانہ حسن ہے محض نعت کہنے کا پروپیگنڈا نہیں ہے بلکہ نعت میں خود کلامی کی سی کیفیت ہے جس کے باعث شعری قوت POETIC INTENSITY میں اضافہ ہو گیا ہے۔

جدید شاعری میں شاعر صرف شاعرانہ صداقت کا ہی اظہار نہیں کرتا ہے بلکہ زندگی کی عملی اور حقیقی صداقتوں کو بھی اپنے فن کا جزو بناتا ہے اسی لیے اس نعت میں بھی شاعر کے تخیل کی پرواز آسمان کی طرف نہیں ہے بلکہ زندگی کے حقائق اور شدائد کی طرف بھی اس کی نظر ہے اور وہ ان شدائد سے نمٹنے کے لیے عشق کو رہنما بناتا ہے اور کشتی پار اتارنے کا عزم مصمّم لے کر دعوت عمل دیتا ہے۔ یہاں نعت لکھنے کی دعوت عملی میدان میں پیروئ محمدی کے مکمل مظاہرے کی دعوت بن جاتی ہے۔

خاطر غزنوی کی نعتوں میں روایتی الفاظ بھی ردیف کے طور پر آتے ہیں تو ان میں مصرعوں کی لفظیات اور تازہ علامتوں کی وجہ سے ایک طرفگی پیدا ہو جاتی ہے ذرا یہ اشعار دیکھیے۔

کروں میں ان کا تصور تو روشنی دیکھوں سنوں جو اسم محمدؐ پڑھوں ہزار درود
درود ان پہ پڑھا اور سعادتیں پائیں ہٹا گیا مرے سینے سے سب غبار درود
سماعتوں میں چٹکنے لگے گلاب کے پھول مرے دہن کو عطا کر گیا بہار درود
یہ ہے تسلسلِ انوار آلِ ابراہیم ازل کے حسن کا دیتا ہے اعتبار درود

اس ردیف کے ساتھ اردو نعتیہ سرمائے میں ہزار ہا نعتیں مل جائیں گی لیکن درجِ بالا نعت ان نعتوں میں الگ نظر آئے گی کیونکہ اس میں طرزِ احساس جدید ہے اور موضوع (SUBJECT) اور معروض (OBJECT) کے توافق (HARMONY) نے اس نعت میں (GENERAL APPEAL) پیدا کر دی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات کا ذکرِ جمیل نعتیہ اشعار میں تشبیہات تراشنے کا محرک ہوتا ہے سو خاطر غزنوی نے بھی یہ تذکرہ خوبصورت تشبیہات کے پیرائے میں کیا ہے۔

یوں وقت کے دھارے پہ ضیاء بار ہوئے وہ

جیسے زرِ خورشید عیاں آبِ رواں میں
آپ کا جود و سخا صورتِ باراں برسا
آپ کا صدق و صفا کوثر و تسنیم ہوا
میں دھوپ کا باسی ہوں، وہ صبا کا منبع ہیں
میں چٹخی مٹی ہوں وہ مرے لیے نم ہیں

مدینے کے حوالے سے ہونے والی شاعری میں عموماً شاعر کا ذاتی جذبہ جھلکتا ہے اور اس تذکرے میں روایت شکن مرحلے بہت کم آتے ہیں لیکن خاطر غزنوی نے مدینے کے ذکر میں بھی عصری زندگی کی تصویر کشی کی کوشش کی ہے۔

بلند و بالا عمارات رہ میں حائل تھیں
مگر مدینے کی گلیاں کرم پہ مائل تھیں

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے ثمرات کا ذکر ہمیشہ پیروی کی براہِ راست دعوت سے زیادہ اثر انگیز ہوتا ہے سو خاطر نے بھی اسی تیکنیک سے بات کی ہے۔

وہ جس سے پیروی نقشِ پائے پاک ہوئی
وہ رہنمائے زمانہ رہا، امام رہا

حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصافِ حمیدہ کا بیان بھی شعری خصوصیات سے مالا مال ہے۔

آپ کے حسن تکلم نے اجالے پھیلے — جو بھی ارشاد ہوا رفعتِ تعلیم ہوا
تھا پیام ایسا سنورنے لگی ہر ایک روش — تھا کلام ایسا کہ ہر دور میں تسلیم ہوا
حسنِ کردار کی پہچان امانت داری — دوست تو دوست تھے دشمن نے بھی تسلیم کیا
ایک ٹوٹی ہوئی مالا تھی کہ تھی قومِ عرب — نام اللہ کا لے کر اسے تنظیم کیا
ایک دانش کدہ ہے جس کو کہیں غارِ حرا — لفظِ اقراء نے انھیں صاحبِ تعلیم کیا

عجزِ کلام کی مثال :-

میں ذرّہ ہوں اور ذرّہ کب کوہ کی رفعت جانے ہے
میں قطرہ ہوں اور قطرہ کب بحر کی عظمت جانے ہے

بارگاہِ نبویؐ میں عرض داشت کی مثال

مشامِ جاں کو مری خوشبوئے سحر دیجیے
بھٹک رہا ہوں یہاں دشت کی ہوا کی طرح

خمیدہ سر ہوں مجھے رفعتیں عطا کیجے
میں دشت دشت برستا رہوں گھٹا کی طرح

سائنسی ترقی کے باعث عصری زندگی میں راتیں جگمگاتی ہیں اور مادّی اندھیرے دور ہو جاتے ہیں لیکن روحانی تیرگی بڑھتی جاتی ہے۔ کیونکہ منفی قدروں کی آندھیوں سے دن بھی رات کے مانند ہو گئے ہیں اور مثبت اقدار کی چکاچوند کی تلاش میں رہنے والوں کا دم گھٹنے لگتا ہے ایسی صورت حال میں شعراء اس کی توصیف و ثناء میں مصروف ہو کر سکون پاتے ہیں جس کی آمد ہی اندھیروں کو چھانٹنے کے لیے تھی۔ حسن رضوی کی نظم "تخلیق نعت" ان ہی کیفیات کی عکاس ہے :۔

گھپ اندھیری راتوں میں
جب کوئی مدینے کا
ذکر چھیڑ دیتا ہے
چاندنی سی ہوتی ہے
پھول مسکراتے ہیں

گھپ اندھیری راتوں میں
جب کوئی مدینے کا
ذکر چھیڑ دیتا ہے
روشنی سی ہوتی ہے
لفظ بول اٹھتے ہیں
اور نعت ہوتی ہے

حسن رضوی کا مجموعۂ نعت "جمال احمد مُرسَل" کے نام سے شائع ہوا ہے۔ نظم آزاد کی ہیئت میں کچھ نعتوں سے نئے مضامین کی تلاش کا جذبہ جھلکتا ہے لیکن غزل کی فارم میں کہی گئی نعتوں میں روایتی مضامین کی تکرار ہے۔ حسن رضوی نے زیادہ توانائی قدیم زبان کے احیاء میں صرف کی ہے جسے ہریانوی زبان سے منسوب کیا گیا ہے۔ میر تقی میر نے بھی اس زبان میں متعدد غزلیں کہی تھیں لیکن ان کے معجز رقم قلم سے مس ہونے کے باوجود ان غزلوں کے صرف چند اشعار ہی زبانوں پر چڑھ سکے۔ میرے خیال میں اس ترقی یافتہ دور میں قدیم لسانی رویّوں کے احیاء کی کوشش اپنی توانائیوں کا کوئی بہتر مصرف نہیں ہے۔ کسی ادب میں کوئی تجربہ اس زبان کی مزاج شناسی کا متقاضی ہوتا ہے جس زبان میں وہ ادب تخلیق کیا گیا ہے۔ حسن

رضوی کا یہ تجربہ تو کوئی نیا تجربہ بھی نہیں یہ تو محض قدیم اسلوب کی بازیافت کا مسئلہ ہے۔ لیکن تاریخ ادب اس روایت کو میر کے چند تجربات سے آگے نہیں بڑھاتی اس سے ظاہر ہوا کہ اردو کے حرکی مزاج نے اس اسلوب کو اس وقت بھی قبول نہیں کیا تھا جب وہ اسلوب ایک بھرپور تجربے کی صورت میں ظاہر ہوا تھا تو اب یہ کیونکر رائج ہو سکتا ہے اس مرحلے پر حسن رضوی کی کاوش کے دو تین نمونے ملاحظہ فرما لیجیے۔

جو مانگیں ہم نے روضے پر مراداں پالیاں ہیں
دعاواں آج تک آقا نے کس کی ٹالیاں ہیں
نہیں وہ بھی محروم رحمت سے ان کی
وہ دشمن کہ جو باتاں بنیاں کریں ہیں
ان حسرتاں کی جھولی پھیلائیں گے دہیں پر
دل کی مراداں ساری ان سے ہی پانیاں ہیں

قدیم لہجے کی بازیافت کا کام غزل یا مزاحیہ نظم میں تو قابل تحسین ہو سکتا ہے لیکن نعت میں اس قسم کی کاوش کی داد ملنے کے مواقع کم کم ہیں کیونکہ نعت تو افصح العرب والعجم سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پیش کی جاتی ہے لہٰذا اس کو تو زبان کے فصیح ترین لہجے اور خوبصورت ترین اسلوب میں ہونا چاہیے متروک نحوی ترکیبوں اور بھولے بسرے لسانی رویّوں سے نعت میں کوئی خوش گوار اضافہ نہیں ہو سکتا۔ کتاب میں ایک نظم نذر احباب کے زیر عنوان ہے جس میں شاعروں، ادیبوں، صنعت کاروں، سرمایہ داروں، سیاست کاروں، صحافیوں اور دوستوں کو یاد کر کے ان کے لیے نیک خواہشات اور اچھی تمناؤں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ناموں کی اس کی کھتونی سے شاعری میں تو کیا جان پڑ سکتی ہے الٹا نعت کا تقدس مجروح ہوتا ہے کہ اس نظم میں شاعر کا جذبہ توسیع تعلقات عامہ (P.R) چھلکا پڑ رہا ہے۔ نعتیہ مجموعے میں اس نظم کی شمولیت کتاب کے وقار کے منافی ہے۔

علاوہ ازیں نعتیہ مجموعے میں عوامی انداز کی نظم "مست مست" کی شمولیت بھی محلِّ نظر ہے۔ تعلیم نبوی میں مستی اور بے خودی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ کسی صوفی بزرگ کا روحانی تجربہ بھی امت کے لیے سند کا درجہ نہیں رکھتا بزرگوں کے ذاتی احوال میں کسی قدر سکر کیوں نہ ہو لیکن وہ بھی جب بارگاہ نبوی میں حاضر ہوتے ہیں تو با محمدؐ ہوشیار کا مقولہ پیش نظر رکھتے ہیں۔ پھر مذکورہ نظم میں تو محض عامیانہ قسم کا جذبہ ہی بیان ہوا ہے اس نظم کا مواد (CONTENT) تو خود حضرت عثمان مروندی رحمتہ اللہ علیہ (حضرت لعل شہباز قلندر) کے مواعظ حسنہ کی روح سے متصادم ہے چہ جائے کہ اس نظم کو نعتیہ مجموعے میں شامل کرنے کی گنجائش نکالی جائے۔

ان باتوں کے باوجود جن کی نشاندہی نعت کے تقدس، موضوع کی طہارت اور بیان کی پاکیزگی کے پیش نظر بہت ضروری تھی۔ کسی نعت پر رائے دیتے وقت میں بہت حد تک معروضی (OBJETIVE) رہتا ہوں (صد فی صد معروضیت کا دعویٰ کوئی نہیں کر سکتا) اس لیے شاعر کے ایسے اشعار بھی دیکھتے چلیے جو مجھے پسند آئے ہیں۔

تیرے نقش پا کے طفیل ہی مجھے روشنی کے نگر ملے
ہے جو خاک تیرے دیار کی میں اسی کا عشر عشیر ہوں

میں کائنات کے ہر حسن کو حسن رضوی
جمال احمد مرسلؐ کا استعارا لکھوں

اداسیوں کا سمندر ہے اور تنہائی
میں تیرا نام نہ لوں یاں تو دم نکلتا ہے

یہیں سے روشنی پائی سبھی بے نور قدروں نے
اسی کے فیض سے مشرق سے مغرب تک اجالا ہے

چمن چمن میں بہاراں اسی جمال سے ہے
کلی کلی میں ہے خوشبو اسی پسینے کی

مصیبت کی گھڑی میں بے کسوں کی آس ہے گویا
صدائے حق جو ظلم و جور میں محسوس ہوتی ہے

میں تپتی ریت کا صحرا ہوں اک لحظہ عطا کر دے
وہ ٹھنڈک جو گھٹا گھنگھور میں محسوس ہوتی ہے

اور ذرا یہ نظم بھی ملاحظہ فرمایئے

اجالا میرے آقا کا
کبھی سورج
کبھی وہ چاند کی صورت نکلتا ہے
کبھی تاروں کی ضو ریزی میں وہ جلوہ دکھاتا ہے
مدینے کی فضا کو
چاہنے والوں کے سینے میں
وہ خوشبو کی طرح سے روز ہی تحلیل ہوتا ہے
زمانے کے اندھیروں میں

مرے آقا کی رحمت کے سبب ہر سو اجالا ہے
اجالا میرے آقا کا ہر اک شے سے نرالا ہے
بہت ہی کرماں والا ہے

اس نظم میں روشنی کے بیشتر تلازمے تہہ در تہہ معنوی پرتوں کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات وصفات کے لیے بڑے متاثر کن انداز میں برتے گئے ہیں۔ اور پنجابی ترکیب "کرماں والا" بھی بڑی حسن کاری کے ساتھ استعمال میں آئی ہے۔

حقیقت محمدیہؐ کا ادراک آج کی نعت کا بنیادی محرک ہے لیکن اس کا اظہار روایتی سطح سے بلند ہے نعتیہ غزلوں میں اس رجحان کے واضح نشانات پائے جاتے ہیں۔ عصری غزل کے اسالیب میں جو ندرت پیدا ہوئی ہے اس کی گونج بھی نعت میں سنائی دینے لگی ہے۔ نسیم سحر کی نعتیہ شاعری میں آج کے لہجے کی دھنک محسوس کیجیے۔

زمانے بھر میں اجالا ہی اور کوئی نہیں — کہ ان کے نور سا ہالا ہی اور کوئی نہیں
انہی کے دامن شفقت میں پائی ہم نے اماں — کہ ان سی شفقتوں والا ہی اور کوئی نہیں
ذرا زیادہ مرے حال پر ہو رحم و کرم — مری طرح تہ و بالا ہی اور کوئی نہیں
میں ان کے پاس نہ جاؤں تو اور کہاں جاؤں — مجھے سنبھالنے والا ہی اور کوئی نہیں
ہمارا جینا بھی مرنا بھی ان کے نام پہ ہے — ہمارے پاس حوالہ ہی اور کوئی نہیں

دیکھیے اس نعت میں نسیم سحر نے ردیف میں کتنی معنویت پیدا کی ہے۔ مطلع میں حقیقت محمدیہ کا اظہار ہے دوسرے شعر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت و رافت نمایاں ہے تیسرے شعر میں امت کی درماندگی کا حوالہ حصر کے ساتھ ہے بقیہ دو شعروں میں وہی بیان ہے جسے علامہ اقبال نے اس طرح لکھا تھا۔

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است

لیکن علامہ نے دعوت دی ہے جب کہ نسیم سحر نے اپنی ذات کی تخصیص (Paticularity) سے تعمیم (generalisation) کا پہلو نکالا ہے۔

مجھے سنبھالنے والا ہی اور کوئی نہیں
(امت کو سنبھالنے والا اور کوئی نہیں)

"یہ جو سلسلے ہیں کلام کے" نسیم سحر کا مجموعۂ نعت ہے۔ درج ذیل اشعار بھی دیکھیے۔

ذہن بھی روشن، آنکھ بھی روشن، دل بھی روشن ہے
بطحا والے کے دم سے منزل بھی روشن ہے
گہرے پانی میں بھی چمکیں روشنیاں ان کی
اور انہی کے پرتو سے ساحل بھی روشن ہے
جس خلوت میں ذکر نبی ہو وہ بھی تابندہ
اور انہی کے نام سے ہر محفل بھی روشن ہے
دست سخی کچھ اتنا فروزاں، اتنا تاباں تھا
دست سوال کے ساتھ دلِ سائل بھی روشن ہے
ان کے نورِ علم و شعور کی جب سے زکواۃ ملی
اندر باہر سے مجھ سا جاہل بھی روشن ہے
جس نے مدینے کی دانش سے پایا فیض نسیم
اس کا رشتہ بھی روشن، منزل بھی روشن ہے

اس نعت میں خیال کی تابندگی کے ساتھ ساتھ شعری تاثر بھی بھرپور ہے۔ مقطع میں "مدینے کی دانش" استعمال کر کے شاعر نے اس بصیرت کا ثبوت دیا ہے جس نے مدینے کو محض شہر دلبر ہونے کے ناتے ذاتی لگاؤ کا شہر نہیں بلکہ ایک پاکیزہ مکتبۂ فکر (SCHOOL OF THOUGHT) کے حوالے سے پُرکشش بنا دیا ہے اور یہ کشش کائناتی ہے۔ مدینے سے معنوی خوبیاں منسوب کر کے اسے وسیع تر معنوں میں لکھنے کی ضرورت ہے اس طرح اس مقدس شہر سے جذباتی لگاؤ میں ایک سائنٹیفک دلیل بھی مہیا ہو جائے گی اور نعت کے مضامین میں وسعتیں بھی پیدا ہوں گی۔ مجھے نسیم سحر کی شاعری میں اس بات کی شعوری کوشش ملی کہ وہ مدینے کو ایک استعارہ سمجھ کر نعت لکھتے ہیں۔

فقط اک استعارہ ہے مدینہ
نبی کے دم سے پیارا ہے مدینہ
کرے جو بارش انوار سب پر
اک ایسا ابر پارہ ہے مدینہ
یہ دنیا ہے اندھیرے کا سمندر
سمندر کا کنارہ ہے مدینہ

عجب سلسلے ہیں، عجب مرحلے ہیں
کہ مکہ کرے، اقتدائے مدینہ

آخری شعر اپنی معنویت کے اعتبار سے نعتیہ شاعری میں ایک اضافہ ہے اور مدینے کو علامتی طور پر شعر میں برتنے کا نقطۂ آغاز بھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو چارہ سازی کا واحد وسیلہ جاننا آج کی شاعری کا طرۂ امتیاز ہے۔ سو جاوید اقبال ستار نے بھی اسی حوالے سے کہا ہے۔

جز ترے کون مرے غم کی دوا جانتا ہے
چارہ گر تجھ سا نہیں کوئی خدا جانتا ہے

ردیفوں میں جدّت کا ثبوت بھی جاوید اقبال ستار نے اپنے مجموعۂ نعت "رحمت بے کراں" میں دیا ہے۔

روز لیتا ہے جنم خورشید تیرے شہر سے
چاند، تارے بھی کریں تمہید تیرے شہر سے
کیا جہان ماہ و انجم اور کیا بزم چراغ
سب نے سیکھی نور کی تقلید تیرے شہر سے
تیرگی خود چھٹ گئی اور راستہ بھی مل گیا
جب کسی دل میں بندھی امید تیرے شہر سے
گنبد خضرا کا منظر جگمگائے کاخ در کو
روشنی لائے ہیں اہلِ دید تیرے شہر سے
وہ چلے سوئے حرم زنجیر دنیا توڑ کر
ہو گئی جن کے لیے تائید تیرے شہر سے
کہہ رہا ہے یہ ترا ستّارِ خستہ دم بدم
کب کوئی لوٹا ہے ناامّید تیرے شہر سے

کبھی کبھی بلکہ اکثر مدینے کا ذکر نعتیہ شاعری میں شعری اعتبار سے بڑا روکھا اور روایتی بن جاتا ہے اس قسم کی نعتوں کی بہتات نعت کو شاعری کی دنیا میں اپنے مرتبے پر نہیں رہنے دیتی ہے ضروری ہے کہ نعت کی حدود کا خیال رکھتے ہوئے شہر مدینہ کے بیان کو بھی وسعت دی جائے درج بالا نعت اسی کوشش کی آئینہ دار ہے۔

نعت میں گرد و پیش کے ماحول اور مظاہر فطرت کے ذکر سے جو نئی معنویت پیدا ہوتی ہے اس کا نمونہ اس نعت میں ملاحظہ فرمایئے۔

ندیا، دریا بہتا دھارا تیرا نام ماجھی، کشتی اور کنارا تیرا نام
روشن روشن حرفوں میں ہے عکس ترا سورج، جگنو، چاند ستارا تیرا نام
بستی ہو یا جنگل ہو یا ویرانہ شاہِ عرب! سنسار ہے سارا تیرا نام
شاخ سے ٹوٹے برگ ہیں ہم اور تیز ہوا دنیا بھر میں ایک سہارا تیرا نام

جاوید اقبال ستار نے آج کی غزل کے سارے علائم بڑی فنکارانہ چابک دستی سے نعت میں برتے ہیں اسی سلسلے کی کڑی کے طور پر یہ شعر بھی ملاحظہ فرمایئے۔

ترا خیال ہے صحرا میں ابر کی صورت
میں سر پہ اور کوئی سائباں نہیں رکھتا

نظم نگاری کا اسلوب دکھانے کے لیے ایک نظم "اسم مبارک" کے دو بند درج کرتا ہوں

محمد مصطفیٰؐ بدر الدجیٰ
جب جب میں کہتا ہوں
دمک اٹھتی ہیں محرابیں
نظر آتی ہیں
تاحدِ نظر انوار کی کرنیں

محمد مصطفیٰؐ خیر الوریٰ
جب جب میں کہتا ہوں
تو
تھم جاتے ہیں پاؤں گردشِ دوراں کے
..... ایسے میں
مری منزل
مرے قدموں کو آکر چوم لیتی ہے

شاعری کو مواد یا موضوع (CONTENT) اور ہیئت (FORM) کے اعتبار سے مختلف اصناف میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ہیئت کی تقسیم میں مثنوی، قصیدہ، غزل، نظم، مسدس، مخمس، ترجیع بند، مثمن، قطعہ، رباعی، ثلاثی، سی حرفی، دوہا، ترائیلے، ہائیکو، سانیٹ، نظم آزاد، نظم معرا اور نثری نظم (نثری شاعری کہنا بہتر ہے) شامل ہیں جبکہ موضوعاتی تقسیم میں حمد، نعت، منقبت، قصیدہ، غزل، مرثیہ، سلام، سہرا، ہجو، ہزل، رزمیہ اور المیہ کلام آتا ہے۔

اردو مرثیے کے لیے مسدس کی ہیئت متعین کرلی گئی ہے لیکن مسدس حالی اقبال کا شکوہ جواب شکوہ

اور بہت سے شعراء کے مسدس مرثیے نہیں ہیں یعنی مرثیے کے لیے ہیئت کے انتخاب نے موضوعاتی اعتبار سے اس صنف سخن کو محدود یا مخصوص نہیں کردیا۔

نعت کے لیے بیشتر شعراء نے غزل کی ہیئت اپنائی ہے لیکن یہ صنف بھی نعت سے مخصوص نہیں ہے البتہ اس صنف کی خوبیاں نعت کی وسعت کا سبب ضرور بنی ہیں مثلاً" اچھے لحن سے پڑھے جانے کی سہولت' جلد یاد ہو جانے کی صلاحیت' چھوٹی سے چھوٹی شعری اکائی میں جذبے کی بھرپور ترسیل اور کسی خیال کی چست بندش وغیرہ۔

نعت کا وافر حصہ غزل کی ہیئت میں ہونے کے باوجود یہ صنف شریف کسی ہیئتی صنف میں پابند نہیں ہے اور یہی بات نعت کی آفاقیت کی دلیل ہے۔ موضوع کے لیے کسی خاص ہیئت کا متعین نہ ہونا کوئی خامی نہیں بلکہ ادبی خوبی ہے۔

اس تناظر میں جب ہم نعتیہ شعری سرمائے پر نظر ڈالتے ہیں تو انکشاف ہوتا ہے کہ اظہار کی جتنی شکلیں اور شعر کی جس قدر ہیئت (FORMS) عمومی شاعری (GENERAL POETRY) کے لیے برتی گئی ہیں تقریباً" سب کی سب ہیئتیں نعت میں بھی برتی جارہی ہیں۔ نعت میں ہیئتی تنوع سے ایک طرف تو صورت (FORM) کی رنگا رنگی پیدا ہوتی ہے دوسری طرف ان ہیئتوں سے ہم رشتہ اسلوب (FORMS RELATED STYLE) کی طرفگی اور تازگی جنم لیتی ہے۔ پھر نئے نئے تجربات جب بھی ہوتے ہیں یا ہوں گے ان کا براہ راست اثر نعتیہ لہجوں اور اسالیب پر بھی پڑا ہے اور پڑے گا۔

میں نے نعت میں جدید اسالیب پر اس لیے قلم اٹھایا ہے کہ میری معلومات کے مطابق اب تک اس موضوع پر قلم اٹھانے میں کسی نہ کسی وجہ سے اہل قلم کو تامل رہا ہے۔ اسالیب میں جدّت پیدا کرنے کے لئے زبان و بیان کی روایت سے کامل آگاہی۔ موضوع کی تفہیم۔ عصری شعری رجحانات کا ادراک اور اپنے تجربے کو بھرپور انداز سے اظہار میں لا سکنے کی صلاحیت ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس میدان میں صرف وہی لوگ ٹھہر سکتے ہیں جو ان عوامل (ELEMENTS) سے مکمل طور پر آگاہ ہوتے ہیں اور جبر اندروں کے تحت شاعری کرتے ہیں۔ جدّت پیدا کرنے کی شعوری کوشش میں بھی صرف وہی شعراء کامیاب ہوتے ہیں جو عصری حیات کے ادراک کو اپنی تخلیقی قوت کا جزو بنا لیتے ہیں۔

جدید نعت گو شعراء میں بے شمار نام شامل ہیں۔ میں نے تو محض چند شعراء کا تذکرہ کیا ہے۔ انشاء اللہ اپنی کتاب "اردو نعت اور جدید اسالیب" میں شاعری کے زیادہ نمونے پیش کرسکوں گا۔

نعتیہ ادب میں جس تیز رفتاری سے اضافہ ہو رہا ہے اس کا تقاضا ہے کہ نعت کو بھی ان تمام شعری معیارات کی روشنی میں پرکھا جائے جو دوسری اصناف کے لیے وقتاً" فوقتاً" بنتے رہے ہیں۔ اس قسم کی تنقید سے نعت کا کینوس وسیع ہوگا اس میں فکری عنصر داخل ہوگا اور اسالیب میں رنگا رنگی نظر آنے لگے

گی۔ شرعی پہلوؤں کو البتہ تخلیق اور تنقید دونوں سطحوں پر پیش نظر رکھنا ہو گا لیکن اس طرح کہ کسی خاص مسلک کا گمان نہ گزرے اور غیر ضروری بحث نہ چھڑ جائے۔ نعت کی پرکھ میں شدت بھی نہیں آنی چاہیے کہ کسی شعر کی بناء پر شاعر کو دین سے خارج قرار دینے لگیں کیونکہ یہ شدت بھی ایک قسم کے مذہبی جنون سے پیدا ہوتی ہے۔ جس کے لیے یاس یگانہ چنگیزی نے کہا تھا۔

سب ترے سوا کافر آخر اس کا مطلب کیا
سر پھرا دے انساں کا ایسا خبطِ مذہب کیا

میرے خیال میں نعت وہ واحد صنف سخن ہے جس کے ذریعے ہر مکتبۂ خیال کے مسلمان ایک فکری اشتراک پیدا کر سکتے ہیں اور کیوں نہ ہو۔ آقائے نامدار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستگی ہی نے تو ہمیں مسلمان بنایا ہے۔ نعت تو غیر مسلم بھی کہتے ہیں تو ہمیں ان پر پیار آنے لگتا ہے۔

دوسرا رخ۔ بے احتیاطیاں

شبنم شبنم پیالہ پیالہ تیری بوند دریا دریا لہر کنارا تیرا نام

(نذیر قیصر)

اس شعر میں پیالہ بروزن پیارا باندھا ہے جو درست نہیں ہے۔ سند کے لیے درج ذیل اشعار ملاحظہ ہوں۔

پلا دے اوک سے ساقی جو ہم سے نفرت ہے
پیالہ گر نہیں دیتا نہ دے شراب تو دے

(غالب)

پیالہ خالی اٹھا کر لگا لیا منہ سے
کہ یاس کچھ تو نکل جائے حوصلہ دل کا

(یاس یگانہ چنگیزی)

نور اللغات میں پیالہ بروزن قبالہ لکھا ہے اور سند میں درج ذیل اشعار دیے ہیں :۔

رنگ بہار عیش ہے ایسا جما ہوا گل کا پیالہ بجتا ہے دورہ ہے پھول کا
ریاض اور ہی رنگ میں مست ہیں سنا ہے پیالہ پیا ہے کسی کا

(سحر)

بیکس جو مست صاحب باطن محال ہے اک دن نہ جام جم کا پیالہ چھلک گیا

(شاد)

اردو لغت بورڈ کی لغت میں لکھا ہے۔ پیالہ (کس پ۔ نیزی ع۔ فت ل)

اور مثالاً" یہ اشعار دیے ہیں :۔

دریا دلی جنہیں ہے نہیں ہوتے کاسہ لیس
دیکھا ہے واژگوں ہی پیالہ حباب کا

(میر)

سنتا ہے کون نالہ و فریاد عندلیب مدہوش ہے چمن میں پیالہ چڑھائے گل

(آتش)

انتظار ے و ساغر ہو کہاں تک ساقی کہیں لبریز نہ ہو جائے پیالہ اپنا

(داغ)

(۲) تری حدیث ترے رو برو سناؤں تجھے
یہ آرزو ہے کبھی آئینہ دکھاؤں تجھے

(عارف عبدالمتین۔ بے مثال)

مفہوم : یہ آرزو ہے تجھے تیری حدیث (بات) سنا کر آئینہ دکھاؤں۔

(الف) پہلے مصرعے میں "رو برو" یا "تجھے" میں سے صرف ایک لفظ سے کام چل رہا ہے لہٰذا دونوں میں سے کوئی ایک حشو ہے۔ مثلاً"

تیری حدیث ترے۔ رو برو سناؤں
تجھے تیری حدیث سناؤں

(ب) کسی کو اس کی بات سنانے کا مطلب ہوتا ہے مخاطب کو اس کی بات (یا وعدہ) یاد دلانا۔

وفا کریں گے نباہیں گے، بات مانیں گے
تمہیں بھی یاد ہے کچھ یہ کلام کس کا تھا

(داغ)

اس مفہوم میں طنز کا پہلو ہے اور نعت میں طنز کی کوئی گنجائش نہیں ہو سکتی۔

(ج) نعت میں صیغۂ واحد حاضر کے استعمال سے محتاط شعراء اجتناب کرتے ہیں۔ تاہم میں فی الحال اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا قدماء کی سند اور زبان کے مزاج کے پیش نظر میں اس معاملے میں سکوت کا قائل ہوں۔ اس کے باوجود مصرعۂ زیرِ غور میں صیغۂ واحد حاضر کی تکرار کھٹک رہی ہے۔ تری۔ ترے۔ "تجھے" ایک ہی مصرعے میں تین صیغے آ گئے۔ اس طرح یہ مصرعہ عام غزل کی بے تکلفانہ گفتگو کی سطح پر آ گیا ہے۔ یہ لہجہ نعت لکھنے کے لیے مناسب نہیں ہے۔

(د) بالکل مثبت انداز سے سوچیں تو آئینہ دکھانے کا مطلب ہوتا ہے حقیقت سے آگاہ کرنا جیسے مومن خان مومن کا یہ شعر۔

شکست رنگ پہ مستی میں ہنستے ہیں ہم بھی
دکھائیں گے انہیں وقتِ خمار آئینہ

آئینہ دکھانے سے یہ مطلب اخذ کریں تو بات سوئے ادب ٹھہرتی ہے کیونکہ مخاطب (بافتح ط) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے۔

(ہ) شعر میں حدیث کا لفظ بھی مجرد اور بلا تعین ہے۔ کوئی تلمیحاتی اشارہ اور کوئی قرینہ بھی ایسا نہیں ہے کہ کسی خاص حدیث کی طرف توجہ مبذول ہو سکے۔ موضوعات کے حوالے سے احادیث کی بہت سی قسمیں ہیں تاہم اختصار سے کام لیں تو تین موضوعات تو بن ہی جاتے ہیں۔

۱۔ اللہ کی ذات پاک سے منسوب احادیث (حدیث قدسی)۔

۲۔ تفہیم دین سے متعلق احادیث۔

۳۔ معاد۔ قیامت اور آثار قرب قیامت پر مبنی احادیث۔

پہلی قسم کی احادیث کے بارے میں تو تصدیقی بیان دینا محالات میں سے ہے۔ دوسری قسم کی احادیث کی تصدیق کے لیے بھی جبریل علیہ السلام کی شخصیت درکار ہے کیونکہ انہوں نے ہی حدیث احسان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات کی تصدیق فرمائی تھی۔ ۲ رہ گئی احادیث کی تیسری قسم تو اس کے حوالے سے حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیاں من وعن پوری ہو رہی ہیں۔ تو کیا شاعران فرمودات کا تصدیقی بیان دینے کی آرزو لیے بیٹھے ہیں؟ اس سے تو پھر یہی بات ظاہر ہوتی ہے کہ معاذ اللہ شاعر موصوف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حالات حاضرہ سے بے خبر سمجھتے ہیں... آئینہ دکھانے کے سچے دل سے صرف مثبت مطلب لینے کے تو یہ نتائج برآمد ہو رہے ہیں اور اگر وہی معانی فرض کیے جائیں جو عوام میں معروف ہیں یعنی عیب ظاہر کرنا اور جس کی تصدیق مومن کے اس شعر سے بھی ہوتی ہے۔

سیاہ رو نہ کرے ترک الفتِ گل فام
میں بوالہوس کو دکھاؤں ہزار آئینہ

تو بات کہاں ٹھہرے گی؟؟؟ لیکن میں شاعر کے باب میں سوئے ظن نہیں رکھتا اس لیے مؤخر الذکر مطلب کی از خود نفی کرتا ہوں۔

اس طویل گفتگو سے ایک حقیقت اظہر من الشمس ہو گئی وہ یہ کہ شاعروں کو لفظوں کے انتخاب میں محتاط... بلکہ بہت محتاط رہنا چاہیے کیونکہ ان کی ذرا سی بے احتیاطی سے بات کہیں کی کہیں جا سکتی ہے۔

اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں عام مسلمانوں کو حکم دیا تھا "اے لوگوں جو ایمان لائے ہو راعنا نہ کہا کرو بلکہ انظرنا کہو اور توجہ سے بات سنو" (البقرہ ۱۰۴)

اور یہ حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ راعنا کو یہودی راعینا کہتے تھے جس کا مطلب تھا "اے ہمارے چرواہے" گویا عمومی گفتگو میں بھی ذو معنی الفاظ کی ممانعت فرما دی گئی ہے۔ شعرائے کرام کو تو نعت لکھتے وقت ان باتوں کا بہت خیال رکھنا چاہیے۔

حوالہ جات

۱۔ بعثت ثانی کے تصور کے بطلان میں پروفیسر عاصی کرنالی نے اپنے مضمون "ممنوعات نعت" میں اچھے نکات اٹھائے ہیں۔ ملاحظہ ہو نعت رنگ شمارہ اول ص ۱۴۱

۲۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں کہا گیا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام ایک روز انسانی شکل میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام، ایمان، احسان۔ قیامت اور آثار قیامت کے بارے میں سوالات کئے اور ہر سوال کے جواب پر خود تصدیق و تصویب بھی فرمائی جس پر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو تعجب ہوا کہ یہ شخص سوال بھی کرتا ہے اور پھر خود تصدیق و تصویب بھی کرتا جاتا ہے۔ بحوالہ معارف الحدیث جلد اول ص ۵۷۔

کتابیات

۱۔ کلیات اقبال۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور۔ طبع اول ۱۹۸۹ء

۲۔ جاوید نامہ۔ اقبال۔

۳۔ "حرف ثناء" محشر بدایونی۔ مقبول اکیڈمی، لاہور ۱۹۸۶ء

۴۔ "اقراء" صہبا اختر، مکتبہ ندیم، کورنگی کراچی، ۱۹۸۱ء

۵۔ "شعاع شرق" ہائیکو۔ علیم صبا نویدی۔ مدراس (بھارت) ۱۹۸۷ء

۶۔ نور السمٰوٰت۔ علیم صبا نویدی۔ مدراس (بھارت) ۱۹۹۰ء

۷۔ نور کی ندیاں رواں۔ نعیم صدیقی۔ المنار بک سینٹر، منصورہ لاہور (طبع دوم) ۱۹۹۱ء

۸۔ اے ہوا مؤذن ہو۔ نذیر قیصر۔ عہد اکیڈمی لاہور۔ طبع اول ۱۹۹۲ء

۹۔ سلسلہ انوار کا۔ خاطر غزنوی۔ سنڈیکیٹ آف رائیٹرز۔ پشاور۔ طبع اول ۱۹۹۶ء

۱۰۔ جمال احمد مُرسَل۔ حسن رضوی۔ گورا پبلشرز، لاہور۔ ۱۹۹۶ء

۱۱۔ "یہ جو سلسلے ہیں کلام کے" نسیم سحر۔ القلم دارالاشاعت، اسلام آباد، طبع اول ۱۹۹۶ء

۱۲۔ رحمت بے کراں۔ جاوید اقبال ستار۔ محسن منزل، ناظم آباد کراچی۔ طبع اول ۱۹۹۵ء

غیر مسلموں کی نعتیہ شاعری

نور احمد میرٹھی

ہر ایک کا حصہ نہیں نعت نبیؐ جوہر
اللہ جسے بخش دے عرفان محمدؐ

(چندر پرکاش جوہر)

اردو شاعری میں صرف نعت خالص موضوعی صنف سخن ہے جس میں شاعر اپنے جذبات و محسوسات کو اس ذات گرامی سے تعلق کے حوالے سے پیش کرتا ہے جو خالق کائنات کی محبوب ہستی بھی ہے اور مخلوقات کی عزیز و محسن ترین شخصیت بھی یعنی پیغمبر آخرالزماں، فخر کون و مکاں، باعث تخلیق ارض و سما، رحمت للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔

نعت عربی کا لفظ ہے۔ اس کے معنی تعریف و وصف بیان کرنے کے ہیں اگرچہ عربی میں مدح کا لفظ بھی اس مقصد کے لئے مستعمل ہے لیکن ادبیات میں نعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف و محاسن اور بیان سیرت کے اظہار کے لئے مختص ہے اور یہی وہ صنف سخن ہے جس میں شاعر کا عجز نعت کی خصوصیات کا حصہ ہے چاہے وہ کسی بھی زبان میں ہو۔ عربی شاعری میں اس کی مثال حضرت علیؓ کے ایک شعر سے ملتی ہے۔ آپ نے اپنی نعت میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ لکھ کر آخر میں اپنے عجز بیانی کا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

اللہ یعلم شانہ
و ھو العلیم بیانہ

یعنی اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان جانتا ہے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان سے باخبر ہے۔

مرزا غالب (۱۷۹۷ - ۱۸۶۹ء) کی نعت کا مقطع ہے۔

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتیم
کان ذات پاک مرتبہ دان محمدؐ است

نعت کا آغاز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے قبل ہی ہوگیا تھا۔ عربی ادب کے جواہر پاروں میں تبع بن احسان کے نعتیہ اشعار ملتے ہیں۔ ولادت باسعادت کے بعد ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ اور قس بن ساعدہ الدیادی اور بعد کے دور میں حضرت ابوطالب کے نعتیہ اشعار ادب کا حصہ ہیں۔ آپ کے چند اشعار پڑھیے جو تاریخ میں محفوظ ہیں۔

کذبتم و بیت اللہ نبزی محمدا
ولما نطا عن دونہ و نناصل

(بیت اللہ کی قسم، تم نے غلط خیال کیا کہ ہم محمدؐ کے متعلق مغلوب ہو جائیں گے، حالانکہ ابھی ہم نے ان کے بچاؤ کے لئے نہ نیزہ زنی کی ہے، نہ تیراندازی۔)

و نسلمہ حتی نصرع حولہ
و نزھل عن ابنائنا والحلائل

(تم نے غلط خیال کیا کہ ہم انہیں تمہارے حوالے کر دیں گے۔ ہرگز نہیں، حتیٰ کہ ہم ان کے اطراف میں بچھڑ جائیں گے اور اپنے بیوی بچوں کو بھول جائیں گے۔)

و انا لعمر اللہ ان جد اما اری
لتلتبسا اسیافنا بالا ماثل

(اللہ تعالیٰ کی بقا کی قسم، جن واقعات کا میں خیال کرتا ہوں کہ سچ مچ وہی واقع ہوئے تو ہماری تلواریں بڑے بڑے لوگوں کو پہن لیں گی (ان کے پیٹوں میں مار دی جائیں گی) یا بڑے بڑے لوگوں کے ہاتھوں میں ہوں گی۔)

بکفی فتی مثل الشہاب سمیدع
اخی ثقتہ حامی الحقیقتہ باسل

(ایسے جواں مرد کے ہاتھوں میں ہوں گی جو شہاب کا سا (روشن چہرے والا یا بے دھڑک گھس پڑنے والا) سردار، بھروسے کے قابل، صداقت کی حمایت کرنے والا بہادر ہو۔)

شہور او ایا وحولا مجرما
علینا و تاتی حجتہ بعد قابل

(اسی حالت میں ہم پر کئی دن، کئی مہینے، کئی پورے سال گزر جائیں گے اور آنے والے حج کے بعد اور حج آئیں گے۔)

فما تزک قوم - لا ابالک - سیدا
یحوط الذ مار غیر ذرب مرا کل

(تیرا باپ مر جائے۔ ایسے سردار کو چھوڑ دینا کیسی (بدترین) بات ہے، جو حمایت کے قابل چیزوں کی نگرانی کرتا ہے۔ نہ فسادی ہے اور نہ اپنے کام کو دوسروں پر چھوڑنے والا ہے۔)

و ابیض یستسقی الغمام بوجہ
ثمال الیتامی عصمتہ للارامل

(جو ایسے روشن چہرے والا ہے کہ اس وسیلے سے بارش طلب کی جاتی ہے۔ یتیموں کی سرپرستی کرنے والا اور بیواؤں کی پناہ۔)

یلوذبہ الھلاک ال ھاشم
فھم عندہ فی رحمتہ و فواصل

(بنی ہاشم کے مفلس اس کے ہاں پناہ لیتے ہیں اور وہ اس کے پاس نازونعم اور اعلیٰ مراتب پر ہیں۔)

عربی زبان میں خلفائے راشدینؓ اور متعدد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے بھی اپنے اپنے جذبات صادق کو نظم کیا ہے۔ اس طرح عربی کو نعت گوئی میں اولیت حاصل ہے۔ عربی زبان سے ہی یہ صنف فارسی میں آئی۔ جب عربوں نے ایران کو فتح کیا تو عربی زبان و ادب کے اثرات بھی فارسی زبان و ادب پر ظاہر ہوئے اور پھر فارسی نے نعت گوئی کو ایک خاص صنف سخن کی حیثیت سے شعروادب کی دنیا میں متعارف کرایا۔ فارسی زبان نعت گوئی اور مدح رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سب سے زیادہ خوش نصیب ہے۔ اس کی اہل نظر ناقدین نے مختلف توجیہات بیان کی ہیں۔ بعض نے بتایا ہے کہ اس کا تعلق ایرانی مزاج سے ہے اور بعض نے اس کی بڑی وجہ تصوف کو بتایا ہے' وجہ کوئی بھی ہو۔ فارسی شاعری کا دامن نعت گوئی کے بیش بہا موتیوں سے بھرا ہوا ہے۔

اردو میں نعت گوئی کا فن عربی اور فارسی کے اثرات قبول کرتے ہوئے بڑھا ہے۔ اردو میں نعت گوئی کی روایت بھی نئی نہیں ہے۔ اردو شاعری کی چار سو سالہ تاریخ میں نعتوں کا کتنا بڑا ذخیرہ جمع ہے' اس کا اندازہ ممکن نہیں ہے۔ اس کی بڑی وجہ مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرنا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و شخصیت کو روشناس کرانا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی ترغیب دینا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجنا کارِ ثواب بھی ہے اور ذریعہ نجات بھی۔ دوسرا محرک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ عشق و محبت ہے۔ ایک اور وجہ علماء و صوفیاء کی نعت گوئی کی طرف توجہ ہے۔ تقریباً" تمام علمائے دین اور صوفیائے کرام نے اردو اور فارسی کے علاوہ بھی مختلف علاقائی زبانوں میں نعت کہی ہے۔ مختلف مکاتب فکر کی قابل ذکر شخصیات اور مختلف سلاسل کے بزرگوں نے اپنے دل کی دھڑکنوں کو حرف و لفظ کا روپ دینے کے لئے نعت کو ہی وسیلہ اظہار بنایا ہے۔ اس لئے بھی نعت گوئی کو نہ صرف مقبولیت حاصل ہوئی بلکہ اس صنف کو لامحدود وسعت بھی ملی۔

نعت گوئی کے یہ محرکات مسلمانوں کے لئے رہے اور مسلمان دنیا کے تمام حصوں میں موجود ہیں۔ لہٰذا اس کے اثرات دوسری تمام قومی و علاقائی زبانوں اور بولیوں میں بھی نمایاں ہوئے۔ یورپی زبانوں کے علاوہ ایشیاء کے ممالک خصوصاً" برصغیر میں مستعمل تقریباً" سبھی زبانوں میں یہ اثرات بہت واضح ہیں اور نعت ہر زبان میں مقبول و محترم ہے۔

.دو نعت کا قدیم اسلوب جسے عمومی انداز بھی کہہ سکتے ہیں 'نعتیہ منظومات تھا۔ میلادنامے'

معراج نامے اور وفات نامے اس کی مثال ہیں۔ یہ انداز انیسویں صدی کے وسط تک مروج رہا اور پسند کیا جاتا رہا، اگرچہ اس میں روایتی اور رسمی رنگ کا غلبہ ہے۔ اس دور میں لکھی گئی نعتوں کے موضوعات نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ولادت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اذکار، معجزات و غزوات ہیں۔ اس اسلوب نعت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و توصیف کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء مبارک کا تذکار و اعادہ نمایاں ہے اور زیادہ تر مثنوی، قصیدہ اور غزل کی صنف برتی گئی ہے۔ گذشتہ صدی کے پہلے نصف تک کی نعتیہ شاعری میں یہ نمونے بکثرت ملتے ہیں۔

نعت کے دور جدید کا آغاز جنگ آزادی کے بعد بدلتے ہوئے سیاسی و معاشرتی حالات اور پھیلتے ہوئے جدید علوم و فنون کے تحت ہوا اور نعت کے پیرایہ اظہار میں تبدیلیاں آئیں اور سیرت و سوانح نبی الخاتم صلی اللہ علیہ وسلم بھی مستند حوالوں کے ساتھ نعت کے موضوعات کا حصہ بنی۔ اردو نعت جنوبی اور شمالی ہند دونوں حصوں میں مقبول ہوئی اور فن نعت نے بتدریج ہمہ گیریت حاصل کی۔ علم کے فروغ کے ساتھ ساتھ رسمی رنگ بھی کم ہوتا گیا اور شعوری اور فکری انداز بھی نعت میں فروغ پانے لگا۔

نعت اپنے موضوع کی عظمت کی وجہ سے مسلمانوں کے لئے عقیدت و ایمان کا مظہر اور غیر مسلموں کے لئے بین المذاہب یکجہتی کی علامت ہے۔ پروفیسر شفقت رضوی نے "نور سخن" میں شامل اپنی رائے میں لکھا ہے کہ "غیر مسلم شعراء کی نعتوں میں دو خیالات و جذبات ملتے ہیں۔ ایک بڑا گروہ ایسا ہے جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر برحق ہی نہیں بلکہ پیغمبر آخرالزماں تسلیم کرکے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور گلہائے عقیدت پیش کئے ہیں۔ اس حوالے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام صفات عالیہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کا ذکر بلیغ انداز میں ملتا ہے، تو بعض نے صرف انسان کے طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پرکھا ہے اور اس یقین کا اعلان کیا ہے کہ خدمات انسانی کا کامل نمونہ اگر کوئی ہو سکتا ہے تو وہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو صرف مسلمانوں تک محدود نہیں رکھنا چاہئے بلکہ تمام عالم انسانیت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے استفادہ کرنا چاہئے۔ پہلے نقطہ نظر میں عقیدت ہے تو دوسرے میں تفکر اور یہ دونوں باہم مل جائیں تو نعت گوئی کی معراج بن جاتے ہیں۔ اس اعتبار سے غیر مسلم شعراء اور ان کا کلام نہ صرف قابل داد ہے بلکہ دعوت فکر کا سبب بھی۔"

غیر مسلموں کی نعتیہ شاعری کے حوالے سے جب اردو شاعری کے مختلف ادوار کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں ہر دور میں قابل ذکر شاعروں کی اچھی خاصی تعداد نمایاں نظر آتی ہے۔ دور متوسطین میں پہلے غیر مسلم شعراء منشی شنکرلال ساقی اور راجہ مکھن لال مکھن اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ ان دونوں شاعروں نے نعت گوئی میں نمایاں مقام حاصل کیا۔ دور جدید کے شعراء میں مہاراجہ سرکشن پرشاد شاد، دلو رام کوثری، بالمکند عرش ملسیانی اور دور حاضر کے مشہور شعراء میں علامہ امرچند قیس جالندھری، پروفیسر جگن ناتھ آزاد، پیارے لال رونق دہلوی، کالیداس گپتا رضا، کنور مہیندر

سنگھ بیدی سحر' اوم پرکاش' ساحر ہوشیارپوری' گرسرن لال ادیب لکھنوی' رانا بھگوان داس بھگوان' پچھی نرائن ستا میرٹھی اور دامودر ذکی ٹھاکور نے برصغیر کی سطح پر شہرت حاصل کی۔ ان کے علاوہ الن جون تخلص بدایونی پہلے مسیحی شاعر ہیں جن کا ہدیہ عقیدت "گلدستہ نعت" ۱۹۳۹ء میں بدایوں سے شائع ہوا اور دوسرے مسیحی شاعر نذیر قیصر ہیں جن کا مجموعہ نعت "اے ہوا موذن ہو" لاہور سے ۱۹۹۲ء میں منظر عام پر آیا۔ محترم راجا رشید محمود نے آخر الذکر نعتیہ مجموعے کو کسی مسیحی شاعر کا پہلا نعتیہ مجموعہ لکھا ہے جو درست نہیں ہے۔

نعت ایک ایسی صنف سخن بھی ہے جس کی حدود شناسی کو نازک ترین کہا گیا ہے۔ حضرت عرفیؒ کا مشہور شعر ہے ؂

عرفی مشتاب ایں رہ نعت است' نہ صحرا است
آہستہ کہ رہ بر دم تیغ است قدم را

مسلمان شعراء بھی کہیں کہیں ان حدود کا خیال نہیں رکھتے لیکن بقول پروفیسر سید یونس شاہ "یہ امر خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ غیر مسلم شعراء کے نعتیہ کلام میں حفظ مراتب کا خیال بدرجہ اتم موجود ہے۔"

ممتاز محقق شکیل احمد ضیاء نے بھی نور سخن میں پیش کی گئی غیر مسلموں کی نعتیہ شاعری کے ضمن میں اس خصوصیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔ "ان نعتوں کے ایک شعر میں بھی مسلمانوں کی مشکوک و مجہول روایتوں کا سہارا نہیں لیا گیا جن سے بعض مسلمان شعراء اپنے کلام کو مزین یا ملوث کرتے ہیں۔" غیر مسلموں کے نعتیہ اشعار کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام و عمل کی یکسانیت کو رہنما سمجھتے ہیں۔ غیر مسلم شعراء کی نعتیہ منظومات' مسدس اور مخمس وغیرہ میں سیرت کے بعض واقعات اس امر کے شاہد ہیں کہ وہ محض رسمی نہیں ہیں۔ ان میں لفظوں کا زیر و بم بتاتا ہے کہ ان کے قلبی محسوسات کیا ہیں۔ یہ بڑی حد تک ان اعلیٰ انسانی اور آفاقی اقدار کی وجہ سے ہیں جو رسول ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت اور پیغام و عمل سے ثابت ہیں۔ ورنہ یوں ہی کوئی اپنے مذہب پر قائم رہتے ہوئے دوسرے مذاہب کے بارے میں ایسے خیالات جو صادق بھی ہیں' پیش نہیں کرتا۔ اس اظہار کے لئے نہ صرف اپنی انا کی قربانی دینا ہوتی ہے بلکہ خاندانی اور معاشرتی دباؤ کا بھی مقابلہ کرنا پڑتا ہے اور بہت سے معاشی مسائل بھی پیچیدگی اختیار کر لیتے ہیں۔ اس لئے سیرت پاک ہی غیر مسلموں کی نعتیہ شاعری کا جواز تسلیم کی جائے گی بھی پروفیسر ڈاکٹر محمد سعد اللہ چیئرمین اردو بورڈ آف اسٹڈیز ناگپور یونیورسٹی فرماتے ہیں۔ "رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک ہر دور میں تمام انصاف پسند' نیک دل' غیر جانبدار انسانوں کے لئے باعث صد احترام و عقیدت رہی ہے۔ جس کسی نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارک اور تعلیمات کا مطالعہ کھلے دل کے ساتھ کیا' وہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا' چاہے وہ ہندو ہو' عیسائی ہو' سکھ ہو یا کوئی اور۔" اردو نعت کے تمام محققین نے اپنی تصانیف میں

غیر مسلم شعراء کے نعتیہ کلام کے محاسن اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی شیفتگی کا ذکر کیا ہے۔ بعض مصنفین نے اپنی کتب میں اس حوالے سے ایک الگ باب رکھا ہے۔ ڈاکٹر ریاض مجید نے اپنے ڈاکٹریٹ کے مقالے "اردو میں نعت گوئی" میں تحریر کیا ہے۔ "غیر مسلم شعراء کی نعت گوئی کا آغاز جنوبی ہند سے ہو چکا تھا اور مسلمان شاعروں کی طرح ہندو شاعروں نے عقیدت و محبت کے اظہار کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و نعت کو بھی اپنی تخلیقات کا موضوع بنایا ہے۔ لچھمن نرائن شفیق کا معراج نامہ اور راجہ مکھن لال مکھن کا نعتیہ کلام اس اظہار عقیدت کے نمونے ہیں۔"

غیر مسلموں کی نعت سے دلچسپی کی وجوہات بھی مختلف بیان کی گئی ہیں۔ ڈاکٹر ریاض مجید نے اپنے مقالے میں اس پر روشنی ڈالی ہے۔ فرماتے ہیں۔ "ہندو شاعروں کی نعت گوئی کا حقیقی دور ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد ہوا۔ عصر جدید میں ہمیں متعدد ایسے غیر مسلم شاعر ملتے ہیں جنہوں نے مقدار اور معیار' ہر اعتبار سے اس روایت کو آگے بڑھایا ہے۔ اس کے بہت سے سیاسی و معاشرتی عوامل ہیں۔ ایک بڑی وجہ وہ رواداری کی فضاء ہے جو جنگ آزادی کے بعد ہندو مسلم قوموں میں پہلے کی نسبت کچھ نمایاں ہو گئی تھی۔ انگریز کے خلاف جنگ آزادی میں اگرچہ مسلمانوں نے بڑا کردار ادا کیا ہے مگر بعض جگہ ہندو بھی مسلمانوں کے شانہ بشانہ لڑے۔ اس کے بعد حصول آزادی کی جنگ (جو قریب قریب ایک صدی پر پھیلی ہوئی ہے) میں مقصد و منزل کی ہم آہنگی بھی دونوں میں قدر مشترک رکھتی ہے۔ مخلوط معاشرے میں اگرچہ مسلم ہندو تعلقات میں ایک کشیدگی ہمیشہ رہی اور دونوں قوموں کے تہذیب و تمدن میں واضح اختلاف رہا' اس کے باوجود اہل فکر و قلم کے حلقوں میں ایک رواداری کی فضا ملتی ہے۔ جدید علوم اور برصغیر کی بدلتی ہوئی معاشرت میں مذہبی عصبیتوں کا جوش اور شدت ذرا کم پڑی تو اس رواداری میں اضافہ ہوا۔ علامہ اقبال کی نیا شوالہ 'نانک' 'رام' سوامی تیرتھ پر لکھی ہوئی نظمیں اس رواداری کی علامت ہیں ---- رواداری اور یگانگت کے اسی جذبہ کے فروغ کے لئے بعض ادبی و سیاسی اور مذہبی و ثقافتی اجتماعات میں ایک دوسرے کے مشاہیر کو خراج عقیدت پیش کرنے کا رواج ہوا۔ ہندو شاعروں کے ہاں نعت گوئی کے ذوق کو اسی ماحول میں جلا ملی۔ ان معاشرتی و سیاسی عوامل میں سب سے بڑھ کر رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے جن کی سیرت و کردار اور پیغام نے اہل فکر لوگوں کو خاص طور پر متاثر کیا اور انہوں نے اپنے تاثرات کو قلم بند کر کے اس روایت کو مستحکم کیا۔" ڈاکٹر ریاض مجید کے اس تجزیہ سے محترم راجا رشید محمود مدیر "نعت" لاہور کی اس تحریر کی تردید بھی ہو جاتی ہے جو ماہنامہ "نعت" لاہور کی خصوصی اشاعت نومبر ۱۹۹۵ء کے صفحہ ۳۸ پر موجود ہے۔ راجا صاحب فرماتے ہیں--- "غیر مسلم شعراء کا ہمارے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و ثناء میں رطب اللساں ہونا چھوٹی بات نہیں۔ خاص طور پر اس صورت حال میں کہ مسلمان شعراء نے ہندوؤں کے مذہبی رہنماؤں کی تعریف میں کچھ بھی نہیں کہا۔ یہ صورتحال متحدہ ہندوستان میں بھی تھی --- اب بھی ہے۔" ڈاکٹر ریاض مجید

کے مطابق علامہ اقبالؒ نے ہندوؤں کے مذہبی رہنماؤں کے سلسلے میں اشعار کہے ہیں۔ پروفیسر جگن ناتھ آزاد ماہر اقبالیات ہیں۔ انہوں نے "نور سخن" پر جو تبصرہ مجھے ارسال کیا ہے اس میں انہوں نے لکھا ہے۔ ---- "شری رام اور شری کرشن کے متعلق جو نظمیں علامہ اقبال' مولانا ظفر علی خاں' مولانا حسرت موہانی' نفیس خلیلی اور دوسرے مسلمان شعراء نے کہی ہیں ان کی ہمارے ماحول میں اہمیت ان نظموں سے کہیں زیادہ ہے جو ان موضوعات پر چکبست' سرور جہاں آبادی' تلوک چند محروم' مہاراجہ بہادر برق' منور لکھنوی اور شنکر دیال فرحت نے کہیں ہیں۔" نیز میری اطلاع کے مطابق لکھنؤ میں مقیم قادر صدیقی صاحب بین المذاہب یکجہتی کو فروغ دینے کی کوششوں کے طور پر ایک دوسرے کے مذاہب کے پیشواؤں اور رہنماؤں کے سلسلے میں کہے گئے کلام کو یکجا کر رہے ہیں اور غالباً" مکمل بھی کر چکے ہیں۔

اب چند دوسرے ادیبوں کی آراء بھی ملاحظہ فرمایئے۔ محمد ذہین عالم خان نے اپنی ایک تحریر میں بیان کیا ہے۔ "ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کی آمد کے بعد جذب و قبول کے اثرات کے تحت جہاں بے شمار ثقافتی رسوم کو مسلمانوں نے قبول کیا وہیں اسلام کے زریں اصولوں اور تعلیمات نے ہندو ثقافت' تہذیب اور فکر پر اپنے گہرے نقوش ثبت کئے۔ "اردو" مسلمانوں اور ہندوؤں کی تہذیبی سنگم کی بہترین مثال ہے۔ اس سنگم میں دونوں قوموں کی فکری و عملی قدروں کی جھلک نظر آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو کے محسنوں میں ہندو اور مسلم یکساں طور پر دکھائی دیتے ہیں۔ مسلم مجاہدین اور صوفیائے کرام نے اپنے قول و عمل سے جس تصور اللہ اور تصور رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف کرایا' اس سے دین اسلام کی ترویج و اشاعت ہوئی۔ بہت سے لوگ اپنے قدیم دھرم کو چھوڑ کر دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ جن لوگوں پر تبلیغ کا اثر نہ ہوا انہوں نے اسلام کے تصور اللہ کو قبول نہ کرنے' اپنے دھرم پر قائم رہنے کے باوجود مرتبہ ذات گرامی رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے انکار نہیں کیا' بلکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی والہیت و شیفتگی کے اظہار میں کبھی بخل سے کام نہیں لیا۔ قدیم اردو تحریروں میں ہندو بھی مسلمانوں کی طرح نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم لکھا کرتے تھے اور خدائے بزرگ و برتر کی توصیف کے بعد نعت کے طور پر کچھ ضرور لکھتے تھے۔ یہ التزام پنڈت دیا شنکر نسیم کی مثنوی اور منشی طوطا رام شایاں کی داستان امیر حمزہ میں بھی ملتا ہے۔" ڈاکٹر سید عبداللہ نے اپنی تصنیف "ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ" میں "ہندوؤں پر فارسی تعلیم کے اسلامی اثرات" کے عنوان سے لکھا ہے "سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ہندوؤں نے شمائل کے علاوہ بعض ان مذہبی اثرات و رسمیات کو بھی اپنی کتابوں میں قائم رکھا جو مسلمانوں کی محبوب خصوصیات تھیں' لیکن ہندوؤں کا انہیں اختیار کر لینا بہت کچھ قابل تعجب ہے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم' الحمدللہ'، صلی اللہ علیہ وسلم' اس کے علاوہ اپنے آپ کو "برلب گور" لکھا ---- وغیرہ الفاظ اس کثرت کے ساتھ کتابوں میں آتے ہیں کہ اگر مصنف کا نام معلوم نہ ہو تو بہ مشکل پتا چل سکتا ہے کہ مصنف کوئی ہندو ہے"۔

محترم انیس چشتی رابطہ ادب اسلامی کی عالمی ادبی کانفرنس منعقدہ ۷ تا ۹ر اکتوبر ۱۹۸۸ء بمقام اورنگ آباد مذاکرہ بعنوان "نعتیہ شاعری' تاریخی و علمی جائزہ" میں پیش کئے گئے اپنے مقالے "اردو کے ہندو نعت گو شعراء" میں ہندوؤں کی نعت گوئی کا پس منظر بتاتے ہیں۔ "ہندوستان کی سرزمین کو یہ فخر حاصل ہے کہ اسلامی روایات کا پاس رکھنے والے افراد نے یہاں صرف مذہب اسلام کی آبیاری نہیں کی بلکہ یہاں کے دیگر مذاہب کے ماننے والوں میں اسلام کے روح رواں صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایسا تاثر دیا کہ اس ملک میں بسنے والے دیگر طبقات سے متعلق افراد نے بھی ایک سچے محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرز زندگی اور اخلاق و عادات کو اپنی زندگی کا خاصہ بنایا اور جب شعرگوئی کی طرف رغبت اختیار کی تو مدح رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے جوہر دکھائے کہ بے ساختہ ان کی وابستگی اور نسبت پر داد دینے کو جی چاہتا ہے۔" ممتاز محقق محترم ادیب رائے پوری کا تجزیہ یہ ہے کہ "دراصل برصغیر پاک بھارت کی زبان متفقہ اور متحدہ' اردو ہی تھی۔ علم و ادب کے میدان میں فارسی کو بھی دخل تھا' اس لئے جہاں مسلمانوں نے اپنی عقیدت و جذبات کا اظہار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نعتیہ اشعار کی صورت میں کیا' اردو ادب سے گہری وابستگی اور اس ادب کے روحانی افکار کے اثرات کے سبب ہندوؤں نے بھی یقیناً" اچھا خاصا نعتیہ ادب پیش کیا ۔۔۔ برصغیر کے مسلمانوں نے غیر مسلم تہذیب پر جو اپنے اثرات مرتب کئے اور دیگر غیر مسلمین نے اسے قبول کیا' یہ ادب اسلامی کے اس پاکیزہ اور نورانی حصہ کا اثر تھا جو ہر خرافات سے پاک' کلام طیب و طاہر تھا۔ دوم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کا اعجاز بھی پایا جاتا ہے کہ وہ ہر دل میں گزر رکھتا ہے"۔

پروفیسر محمد اکرم رضا نے اپنے ایک جامع مضمون میں ان محرکات کے ساتھ ساتھ چند دوسرے پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالی ہے جن سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا۔ فرماتے ہیں "ایک سوال ابھرتا ہے کہ غیر مسلم شعراء اس کثرت اور تیزی کے ساتھ نعت گوئی کی طرف کیوں مائل ہوئے؟ اس ضمن میں پہلا حوالہ خود سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے جن کے کردار کی سربلندیوں نے اپنوں کے ساتھ ساتھ اغیار کو بھی اس شدت کے ساتھ متاثر کیا۔ تاریخ انسانیت کھلی کتاب کی طرح سب کے سامنے ہے جب غیر مسلم دانشور اور محققین تعصب سے پاک ہو کر بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس معاملے میں انہیں اور کوئی شخصیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کھڑی نظر نہیں آتی۔ ان کے ذہن و ضمیر بے ساختہ اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ اسوہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ مینارہ نور ہے جس سے پھوٹنے والی روشنی اقوام عالم کو ابد تک متاثر کرتی رہے گی ۔۔۔ غیر مسلم شعراء نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت نگاری کی طرف مائل کیونکر ہوئے؟ اس کے کئی اسباب ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ برصغیر میں اسلام صوفیاء کی تبلیغی اور اصلاحی کاوشوں کی بدولت پھیلا ہے۔ ان صوفیاء کی تعلیم محبت' خلوص اور شفقت و عنایت پر مبنی ہے۔ یہ بے سروسامان اللہ والے فقط رحمت ایزدی کے سہارے دور

دراز کے علاقوں کو اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز بناتے تھے۔ ان صوفیاء اور مشائخ کی بارگاہ میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ غیر مسلم بھی حاضر ہوتے۔ بعض تو حلقہ بگوش اسلام ہو جاتے اور جو اسلام قبول نہ کرتے وہ بھی ان صوفیاء کرام کی عقیدت میں اس حد تک آگے چلے جاتے کہ انہیں صوفیاء کے ملجا و ماویٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات بے حد محترم و محتشم نظر آتی اور ان کا قلم بے اختیار صفت و ثنائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جواہر لٹانے لگتا۔۔۔ پھر یوں بھی ہوتا ہے کہ جب شاعر فن شاعری میں اپنی صلاحیتوں کا جادو جگاتا ہے تو وہ اپنے دور کی مروجہ اصناف سخن کا جائزہ لیتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ وہ تمام اصناف سخن میں اپنی حیثیت کو مستند بنانے کی سعی کرے۔ اس لئے بھی جب غیر مسلم، شاعری کے میدان میں آگے بڑھتا ہے تو تمام اسالیب سخن کے حوالے سے اپنے فن کا ظہور چاہتا ہے۔ تاریخ ادب میں ایسے بے شمار نام محفوظ ہیں جنہوں نے غزل، نظم، مسدس وغیرہ کے ساتھ نعت، مرثیہ اور منقبت میں بھی طبع آزمائی کی۔ ہم ان تمام غیر مسلم شعراء کی ترجمانی تو نہیں کر رہے ہیں لیکن ان میں سے ایک بہت بڑا گروہ ایسا تھا جو دوسروں کی دیکھا دیکھی نعت میں اس لئے طبع آزمائی کر رہا تھا کہ نعت صنف شاعری کے طور پر ایک تحریک بن چکی تھی اور شاعر اس کو سمجھا جاتا تھا جو کسی بھی صنف سخن میں پیچھے نہ ہٹے۔۔۔۔ ہمارے خیال میں غیر مسلم شعراء کی نعت کی طرف مائل ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جب وہ اردو شاعری کی طرف راغب ہوتے تھے تو انہیں اصلاح سخن کے لئے کہنہ مشق شعراء کی تلاش ہوتی تھی۔ اردو شاعری میں بیشتر استاد شاعر مسلمان ہوتے تھے جب غیر مسلم شعراء ان مسلم شعراء کے سامنے زانوئے ادب تہہ کرتے تھے تو پھر۔ جمال ہم نشیں در من اثر کرد۔۔۔ کے مصداق اپنے مسلم اساتذہ کی پسند و ناپسند کو اپنی پسند و ناپسند بنا لیتے۔"

ڈاکٹر طلحہ رضوی برق نے بھی اپنے ایک مضمون میں یہی رائے قائم کی ہے کہ "اردو کے غیر مسلم شعراء میں خصوصیت کے ساتھ ہر دور میں چند نعت گو شعراء نظر آتے ہیں جنہوں نے کچھ تو رسم شاعری کے طور پر اور کچھ نے گہری عقیدت کے ساتھ نعتیں لکھی ہیں۔" مولانا سعید احمد اکبر آبادی (۱۹۰۸ء - ۱۹۷۵ء) مدیر "برہان" دہلی کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ آپ نے فانی مراد آبادی کے مرتبہ تذکرے کے پیش لفظ میں غیر مسلم شعراء کی نعت کی طرف توجہ کی بنیاد یہ بتائی ہے "آپ صلی اللہ علیہ وسلم رحمت للعالمین بن کر تشریف لائے۔ اس حیثیت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم انسانیت پر جو عظیم احسانات کئے ہیں، کوئی شخص بھی، بشرطیکہ عناد و تعصب نے اس کی آنکھوں کو خیرہ نہ کر دیا ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا منکر نہیں ہو سکتا۔ ان احسانات اور ذاتی اوصاف و کمالات نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کو اس درجہ دلکش اور محبوب بنا دیا ہے کہ کسی شخص پر اس کی ایک ادنیٰ سی جھلک بھی پڑ جاتی ہے اور طبیعت کی سلامتی اس کی رفیق ہوتی ہے تو اس کے دل و دماغ بے اختیارانہ طور پر اس شخصیت کے لئے عظیم احترام و محبت کے جذبات سے لبریز ہو جاتے ہیں اور اگر وہ شاعر بھی ہوتا ہے تو یہی جذبات مدح کا، جسے اصطلاح میں نعت کہتے ہیں،

روپ دھار کر زبان قلم سے تراوش پانے لگتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے علاوہ نیک دل ہندو حضرات نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کثرت سے نعتیں لکھی ہیں اور جس طرح مسلمانوں میں حضرت محسن کاکوروی اور مضطر خیر آبادی نعت گوئی میں خاصی شہرت رکھتے ہیں' اسی طرح ہندوؤں میں' سکھوں میں بھی بعض خاص شاعر ہیں جو اس وصف میں کمال رکھتے ہیں۔"

محترم راجا رشید محمود نے غیر مسلموں کی نعت گوئی کو بجا طور پر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آفاقی شخصیت کا اعجاز قرار دیتے ہوئے لکھا ہے۔ "حضور رسول کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی تعریف و ثناء پر ہر وہ شخص تیار ملتا ہے' جسے سرکارؐ کی حیات طیبہ کے چند گوشے بھی مطالعے کے لئے نصیب ہو جائیں' کوئی شخص سرور کائنات علیہ السلام کے بارے میں کچھ علم حاصل کرے' انؐ کی سیرت پاک کا مطالعہ کرے' انؐ کے ارشادات عالیہ سے آگاہ ہو' ---- اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مداح نہ ہو جائے' ایسا ممکن نہیں۔ چنانچہ برصغیر کے غیر مسلم شعراء نے بھی آقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و ثناء میں زمزمہ پیمائی کی ہے۔" ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی نے غیر مسلم شاعروں کی نعتیہ کاوشوں کا جائزہ لیتے ہوئے تحریر کیا ہے۔ "غیر مسلم شعراء کی نعتوں کا داخلی مطالعہ واضح کرتا ہے کہ ان کے ہاں صرف تتبع یا معاشرتی رواداری ہی نہیں' جذبوں کا سیل بے پناہ بھی ہے۔ ذہنی گرویدگی اور قلبی تپش نے نعت کو صادق جذبوں کا سیل بے پناہ بنا دیا ہے۔ ---- غیر مسلم شعراء کے کلام میں جذبات کا خلوص بھی ہے اور بات کرنے کا سلیقہ بھی' یہ محض ایک رواداری کا معاملہ نہیں' والہانہ عقیدت کا اثر ہے۔" اس بات کی تائید ممتاز صاحب قلم محترم شان الحق حقی نے بھی کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔ "غیر مسلموں کی نعتوں کے مطالعہ سے یہ بات ظاہر ہے کہ یہ محض تفنن طبع کے لئے نہیں کہی گئیں۔ ان شعراء کو کوئی مجبوری لاحق نہ تھی کہ نعت کے کوچے میں در آئیں۔ یہ ذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی معجزانہ مقبولیت اور اس جذب و کشش کی شاہد ہیں جو سیرت پاک میں ہر ہوش مند انسان کے لئے موجود ہے۔"

ان تمام وجوہات کے ساتھ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں نے اپنے ہادی برحق کی تعریف و توصیف کے ان جذبات کو بلا امتیاز سراہا' ان کے جذبات عقیدت کی قدر کی' ان کی شعری صلاحیتوں میں ان صداقتوں کے اظہار کو پسند کیا اور ہر دور میں انہیں خراج تحسین پیش کیا۔ مثلاً "جن ممتاز دانشوروں نے غیر مسلم حضرات کی نعتیہ شاعری پر گفتگو کی ہے ان میں حضرت مولانا انجم فوقی بدایونی (م ۱۹۹۵ء) بھی شامل ہیں۔ آپ فرماتے ہیں "غیر مسلم شعراء "نعت برائے نعت" کے زمرے میں نہیں آتے بلکہ انہوں نے اسلامی عقائد و افکار کے علاوہ سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی گہرا جائزہ لیا ہے اور مسلمانوں کی تاریخ و تہذیب سے بھی واقف رہے ہیں۔ بیشتر شعراء کی نعتیں زبان و بیان' ندرت و شگفتگی اور اسلامی حقائق و ادب کے حوالہ سے قابل مطالعہ بھی ہیں' لائق تحسین بھی۔" علم و ادب کی معتبر شخصیت اور خاندان شیفتہ کے فرد محترم افتخار احمد عدنی نے ان شعراء کی نعتوں کے حوالے سے زبان و بیان کے ایک وصف کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "ہندو نعت گو

شعراء کے کلام کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے ہندی الفاظ کے ساتھ ہندی شاعری کے استعارے بھی اپنی نعتوں میں آزادی کے ساتھ استعمال کئے ہیں اور اس طرح اردو کے نعتیہ کلام کو ایک نیا رنگ دیا ہے جسے مسلم شعراء نے بھی شوق سے اپنایا ہے۔" "اردو ٹائمز" بمبئی ۱۴مئی ۱۹۸۹ء کی اشاعت میں غیر مسلموں کی نعتیہ شاعری پر اظہار خیال کرتے ہوئے محترم جون کاظمی نے تحریر کیا ہے "عام طور پر مسلمان نعت گو شعراء کی نعتوں میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس حد تک جوش عقیدت کا مظاہرہ کیا جاتا ہے کہ اکثر نبوت اور الوہیت ایک دوسرے میں ضم ہوتی نظر آتی ہے لیکن حیرت انگیز طور پر "نور سخن" کی نعتوں میں یہ عیب دیکھنے کو نہیں ملا۔ ہندو شاعروں نے نعت کہتے وقت سوامی' اوتاری' بالم' پیا موہن وغیرہ جیسے الفاظ کا استعمال نہیں کیا جو عام طور پر مسلم نعت گو شعراء کے نعتیہ کلام میں پایا جاتا ہے۔" اس تبصرے میں اختلاف کی گنجائش بڑی حد تک موجود ہے کہ درج بالا الفاظ عام طور پر مسلمانوں نے استعمال نہیں کئے ہیں۔ ہندوستان کلچر سے متاثر چند ہی شعراء نے ان الفاظ کو نعت میں استعمال کیا ہے۔

غیر مسلم شعراء کے نعتیہ کلام میں جذبات کی حدت بڑی حد تک محسوس ہوتی ہے ان کے پیرایہ اظہار میں بے ساختگی اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ وہ مصلحتاً" نعت نہیں کہہ رہے ہیں۔ جناب مسعود احمد برکاتی کی رائے ہے کہ "غیر مسلم شعراء کے نعتیہ کلام کے مطالعے کے بعد بعض شعراء کو تو غیر مسلم کہنے کو بھی دل نہیں چاہتا۔ ان کے کلام میں فن کا اہتمام ہی نہیں' اور الفاظ کا حسن ہی نہیں' ان کے احساسات اور جذبات کی پاکیزگی اور سچائی بھی دل پر اثر کرتی ہے۔" مولانا سید رفیق عزیزی فرماتے ہیں۔ "غیر مسلم شعراء کے کلام سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان میں بہت سے حضرات نے قرآن کریم میں سرکار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے مناقب کو علی الخصوص پڑھا ہے۔ اس کے علاوہ عرفاء کے بیان کردہ مضامین نعت کا بھرپور مطالعہ کیا ہے اور بلیغ مضامین نعت کو اپنی نعت کا جزو اعلیٰ بنایا ہے۔" محترمہ صبیحہ نسرین نے روزنامہ "سیاست" حیدر آباد (بھارت) کی ۴ستمبر ۱۹۸۹ء کی اشاعت میں "نور سخن" کے حوالے سے تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔" ----- وہ شعراء جو مذہب اسلام کے پیرو تو نہیں مگر عشق محمدی صلی اللہ صلی وسلم سے مست و سرشار ہیں جن کو اصطلاحاً" غیر مسلم اور استحساناً" ہم مشرب کہا جاتا ہے' ان کا یہ منتخب کلام دل کے سرور اور آنکھ کے نور کا آئینہ دار ہے۔"

اکثر محققین اور مصنفین نے بعض غیر مسلم شعراء کے نعتیہ کلام پر تبصرے کئے ہیں اور ان کی نعت نگاری کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔ مولانا عبدالماجد دریا آبادی (۱۸۹۲ء - ۱۹۷۷ء) مشہور شاعر بالمکند عرش ملسیانی کی نعتیہ شاعری کے ضمن میں مسلم ہندو مخلوط معاشرے میں اس انداز کی شاعری سے نمایاں ہونے والی باہمی محبت و یگانگت کی فضاء کے بارے میں فرماتے ہیں۔ "قومی اور اجتماعی حیثیت سے ---- وہ اس وقت بڑی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ ایک پل' ایک برزخ اور ایک ربط کا کام دے رہے ہیں۔ ملک کی دو بڑی قوتوں' دو بڑی تہذیبوں' دو بڑے مذہبوں کے

درمیان' وہی خدمت جو ماضی قریب میں اُس ملک و وطن کی دو محترم ہستیاں انجام دے چکی ہیں ایک مسز سروجنی نائیڈو (۱۸۷۹ء - ۱۹۴۹ء) اور دوسرے مہاراجہ یمین السلطنت سرکشن پرشاد شاد (۱۸۶۴ء - ۱۹۴۰ء)۔

پروفیسر سید یونس شاہ مصنف "تذکرہ نعت گویان اردو" پنڈت ہری چند اختر (۱۹۰۰ء - ۱۹۵۸ء) تلمیذ ابوالاثر حفیظ جالندھری (۱۹۰۰ء - ۱۹۸۲ء) کے بارے میں لکھتے ہیں۔ "ان کی نعتوں میں معنوی اعتبار سے بڑی عظمت اور جلالت کا اظہار پایا جاتا ہے۔ مقصد بعثت اور شان رسالت کا مقصود ان کی نعتوں کا مقصود ہے۔ نعتیہ کلام میں آمد ہی آمد ہے اور اس طرح تکلف و تصنع سے پاک ہے۔" "اردو میں نعت گوئی" کے مصنف ڈاکٹر ریاض مجید نے سادھو رام آرزو سہارنپوری (۱۹۰۰ء - ۱۹۸۳ء) کے محاسن کلام پر روشنی ڈالی ہے۔ فرماتے ہیں۔ "آرزو سہارنپوری کا نعتیہ کلام شیفتگی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مظہر ہے۔ صنف نعت سے ان کی وابستگی سرسری نہیں۔ ان کی نعتوں کا والہانہ پن بتاتا ہے کہ انہوں نے عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈوب کر نعتیں لکھی ہیں۔ معنوی و صوری خوبیوں کے علاوہ حسن و تاثیر ان کی نعتوں کا جوہر ہے۔" "جشن آرزو" کے مجلّہ میں محترم توصیف علوی کیرانوی نے بھی آرزو سہارنپوری کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا ہے۔ "آرزو سہارنپوری کو جب نعت اور منقبت کے آئینہ اور شیشے میں دیکھا جاتا ہے اور گہرائی سے ان کی نگارشات کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو حیرت ہوتی ہے کہ وہ غیر مسلم ہونے کے باوجود اردو ادب کی اس سخت ترین منزل' شعر و سخن کی اس نازک ترین اور مخصوص شاہراہ میں ایک ایسے منفرد اور ممتاز مقام کے حامل ہیں جہاں اچھے اچھے مسلم شعراء ان کے ہم پلہ اور حلیف نظر نہیں آتے۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ ایسے نام نہاد کفر بردار پرستار احمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن پر حاملان دین اور حاملان ایمان کو بھی رشک آتا ہے۔"

ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق نے اپنے تحقیقی مقالے میں منشی شنکر لال ساقی کی نعتوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔ "ساقی کی نعتوں سے کہیں یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ یہ ایک غیر مسلم کا اظہار عقیدت ہے --- شاعر جابجا شرک اور کفر کی برائی اور توحید کے مضامین کو بلا تکلف باندھتے ہیں۔ اس جگہ نہ تو ابہام کو دخل ہے اور نہ کسی تاویل کی گنجائش۔" انہوں نے راجہ مکھن لال مکھن کی نعتیہ شاعری کے بارے میں اپنی اس رائے کا اظہار کیا ہے۔ "جہاں مکھن نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اپنے داخلی جذبات کا اظہار کیا ہے وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے محاسن کا بیان بھی ان کے کلام میں پایا جاتا ہے۔ ان محاسن میں داخلی اور خارجی دونوں ہیں۔"

لطیف احمد اختر مینائی (۱۸۷۱ء - ۱۹۴۰ء) تلمیذ جلیل مانکپوری نے سرکشن پرشاد شاد کی نعت گوئی پر "خمکدہ نعت موسوم بہ ہدیہ شاد" میں شامل تقریظ میں تحریر کیا ہے۔ "کلام خود کہتا ہے کہ ایسے سوز و گداز کے اشعار بغیر دل کی لگی کے نہیں نکلتے۔" شاد کے رنگ سخن کے بارے میں آپ کی رائے ہے۔ "حق تو یہ ہے اس گویائی کا رنگ امیر کے رنگ سے بہت کچھ ملا جلتا ہے۔" اور پھر یہ

اعزاز بھی ایک غیر مسلم شاعر یعنی شاد کو ہی حاصل ہے کہ ان کا کلام مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کتب خانہ کی دیوار پر آویزاں ہے جو مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے متصل شیخ الاسلام عارف حکمت بے نے قائم کیا تھا۔ یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ افضل العلماء ڈاکٹر نینکا شیعب عالم کی ضخیم تصنیف

ARABIC, ARWI AND PERSIAN IN SARANDIB AND TAMIL NADU

مطبوعہ ۱۹۹۳ء کے صفحہ نمبر ۳۴۳ پر تحریر ہے کہ مدرسہ عبدالعلی بحرالعلوم مدراس کے طالب علم مکھن لال خرد نے "مسجد والا جاہی" زیلیکین کی تعمیر کے آغاز پر "ذکر اللہ اکبر" سے تاریخ نکالی تھی جس سے ۱۲۰۹ھ برآمد ہوتا ہے۔ یہ تاریخ آج بھی مسجد کے مرکزی ہال کی محراب پر سب سے پہلے کندہ ہے۔ مکھن لال خرد مولانا عبدالعلی اور حضرت شرف الملک کے شاگرد تھے اور اپنے ہندو ہمعصر عربی اور فارسی اسکالرز اور شعراء لالہ جسونت رائے منشی، منشی جگن ناتھ پرشاد عزت اور ندوی وغیرہ میں نمایاں حیثیت کے حامل تھے۔ لالہ جسونت رائے منشی بھی فارسی کے معتبر شاعر و ادیب تھے۔ انہوں نے ایک طویل مثنوی "سعید نامہ" کے عنوان سے لکھی۔ ان کی دوسری مثنوی "لال وہیرا" بھی مشہور ہے۔ انہوں نے "خردنامہ غواصی" کا ترجمہ بھی کیا ہے۔

چودہری دلو رام کوثری کی نعتیہ شاعری کو تقریباً تمام ناقدین فن نے سراہا ہے۔ ان کے جذبات کی صداقت کا ہر صاحب ایمان معترف ہے۔ ڈاکٹر سید دلدار علی فرمان فتح پوری (پ ۱۹۳۶ء) فرماتے ہیں کہ "انہوں نے نعت گوئی میں زبان و بیان کو بڑی ہنرمندیاں دکھائی ہیں۔ ان کا کلام ظاہر کرتا ہے کہ نعت گوئی ان کی ذہنی کاوش یا محض محنت کا نتیجہ نہیں بلکہ ان کے دل کی آواز اور ان کی طبع شاعرانہ کی فطری جولانگاہ تھی اسی لئے ہر جگہ ان کی سادگی ایک طرح کی پرکاری لئے رہتی ہے۔" حضرت پیر جماعت علی شاہؒ نے دلو رام کوثری کی نعت سے متاثر ہو کر انہیں "حسان الہند" کا خطاب دیا تھا۔ بیشتر محققین کی رائے ہے کہ نام کی صراحت کے بغیر یہ نعتیہ کلام منظر عام پر آئے تو یہ کہنا مشکل ہوگا کہ یہ کسی غیر مسلم کا ہدیہ عقیدت ہے۔ موصوف نے عمر کے آخری حصہ میں اسلام قبول کر لیا تھا۔

سید شریف الحسن نقوی (پ ۱۹۲۷ء) نے گرسرن لال ادیب لکھنوی (پ ۱۹۰۲ء) کے مجموعہ نعت و مناقب "نذرانہ عقیدت" کے پیش لفظ میں ادیب کی نعت نگاری کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے "ادیب صاحب کی جو نعتیں اس مجموعے میں شامل ہیں وہ حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان افروز جذبے میں سرتا سر ڈوبی ہوئی ہیں لیکن اس جذبے کی سرشاری نے ان کے پائے قلم میں وہ لغزشیں کہیں نہیں آنے دی ہیں جس سے یہ گمان گزرے کہ وہ صراط مستقیم سے بال بھر بھی ادھر ادھر ہو گئے ہیں۔" محترم حسن الدین احمد نے دامودر ذکی ٹھاکور (۱۹۰۳ء۔ ۱۹۷۶ء) کے مجموعہ کلام "ارج" میں حرف عقیدت کے عنوان سے ان کی نعتیہ شاعری کے حوالے سے یہ جملے تحریر کئے ہیں۔

"نعت گوئی میں بھی ذکی کا مقام بلند اور قابل قدر ہے۔ ان کے نعتیہ اشعار سے عقیدت و احترام کا پورا پورا اظہار ہوتا ہے۔" اسی مجموعہ کلام میں ذکی ٹھاکور کی چودہ نعتیں اور پانچ قطعات شامل ہیں۔

پنڈت ہری چند اختر (۱۹۰۰ء - ۱۹۵۸ء) کی نعت کا آخری شعر ہے۔

آدمیت کا غرض ساماں مہیا کر دیا
اک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا

پروفیسر ممتاز حسن (۱۹۰۷ء - ۱۹۷۴ء) نعت کے حوالے سے شائع ہونے والے مضمون میں اس شعر کی معنی آفرینی پر اپنے تاثرات ان لفظوں میں بیان کرتے ہیں۔ "اس غیر مسلم کی سعادت کا کیا کہنا جس کی بصیرت نے ہم مسلمانوں سے بڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے اس پہلو کو دیکھا، سمجھا اور سمجھایا۔"

ڈاکٹر طلحہ رضوی برق بھارت سے شائع ہونے والی نعتیہ ادب کی پہلی کتاب "اردو کی نعتیہ شاعری" میں رگھوندر راؤ جذب عالم پوری (۱۸۹۴ء - ۱۹۷۳ء) اور مصر کے نعتیہ کلام کی خصوصیات کے بارے میں لکھتے ہیں۔ "جذب اور مصر کی نعتیں اردو کی فنکارانہ اور عمق دل سے کہی گئی نعتوں کی نمائندہ ہیں۔ ایک سرشاری ایک بے خودی' ایک جذب' ایک کیفیت اور ایک مستی کا عالم ہے جو ایک ایک شعر سے مترشح ہے۔ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ اشعار کسی غیر مسلم کے ہیں۔" "شام و سحر" لاہور کے نعت نمبر میں شامل اپنے ایک مضمون بعنوان "اردو میں نعت نگاری --- ایک جائزہ ۱۹۷۵ء تک" میں ڈاکٹر محمد انور الدین انور سدید (پ ۱۹۲۸ء) تحریر کرتے ہیں۔ "اردو شعر و ادب میں جگن ناتھ آزاد' عرش ملسیانی اور ہری چند اختر کی نعتیں اس پائے کی ہیں کہ ان میں وفور جذبات کی صداقت پوری شان سے جلوہ گر ہوتی ہے۔"

الن جون مخلص بدایونی (۱۸۷۹ء - ۱۹۵۵ء) تلمیذ شیخ محمود حسن جلیل بدایونی (م ۱۹۱۸ء) پہلے مسیحی شاعر ہیں جن کا مجموعہ نعت و مناقب "گلدستہ نعت" ۱۹۳۹ء میں بدایوں سے شائع ہوا۔ "تذکرہ غیر مسلم شعرائے بدایوں" کے مولف شاداب ذکی بدایونی نے اپنے تذکرے میں مخلص بدایونی کے نعتیہ کلام کے بارے میں لکھا ہے کہ "آپ کے یہاں عقیدت و احترام کے ساتھ نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اچھے نمونے ملتے ہیں۔"

اردو ادب کی بیشتر اہم شخصیات نے نعتیہ شاعری کے محاسن کو تو نمایاں کیا ہی ہے مگر بعض اہم دانشوروں نے غیر مسلموں کی نعتیہ شاعری کو تنقیدی رخ سے بھی دیکھا ہے۔ نعتیہ شاعری کے حوالے سے شائع ہونے والی ایک اہم کتاب ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی تصنیف کردہ ہے۔ جس میں آپ نے لکھا ہے۔ "نعت گوئی سے دلچسپی کا اظہار صرف مسلمانوں نے ہی نہیں غیر مسلم شعراء نے بھی کیا ہے۔ یہ سلسلہ زمانہ قدیم سے چلا آرہا ہے اور آج بھی کسی نہ کسی طور پر جاری ہے ---- مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمان شعراء کی طرح غیر مسلم شعراء کی نعتوں کا بیشتر حصہ یکسر رسمی ہے۔" محترم

راجا رشید محمود نے اس پر روشنی ڈالی ہے۔ فرماتے ہیں۔ "کئی غیر مسلموں کی نعتوں میں بھی ایسے مضامین پائے جاتے ہیں جن میں حمد و نعت کے فرق کو اور ان کے آپس میں تعلق کی نزاکت کو پیش نظر نہیں رکھا جاتا اور مسلمان عوام (بلکہ خواص بھی) کی حوصلہ افزائی سے یہی راہ مستقل ہو جاتی ہے۔۔۔۔ اس صورت حال میں غیر مسلموں کی نعتوں کو پڑھتے ہوئے قارئین کرام کے ذہن میں یہ بات راسخ ہونی چاہئے کہ غیر مسلموں کے جذبات استحسان کے اظہار میں' ایمان کی مبادیات کا کوئی تعلق نہیں ہوتا' اس لئے ان کے لئے نعت کے معاملے میں کچھ حدود و قیود نہیں ہیں۔ ہمارے لئے ہیں۔ جو موضوعات و مضامین غیر مسلموں نے نظم کئے ہیں' وہ عموماً" وہی ہیں جو مسلمان بیان کرتے ہیں لیکن مسلمانوں کے ہاں جو احتیاط' حدبندی اور رکھ رکھاؤ ہے' وہ غیر مسلموں کے ہاں نہیں ہو سکتی' اور شاید ضروری بھی نہ ہو۔" ان آراء سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ بعض غیر مسلموں نے بھی بعض مسلمانوں کی پیروی کی ہے۔ غیر مسلم ہونے کی وجہ سے ان کا نعتیہ کلام اعتراف صداقت کے زمرے میں آتا ہے اس لئے انہیں ممتاز کرتا ہے۔ بقول شاہ رشاد عثمانی مصنف "اردو شاعری میں نعت گوئی" کہ "سچی بات تو یہ ہے کہ ان شعراء نے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی والہانہ وابستگی اور پر خلوص عقیدت کو ایسے اشعار میں پرو دیا ہے کہ ان نعتوں پر امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ افراد بھی انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں۔"

راجا رشید محمود مدیر ماہنامہ "نعت" لاہور نے "غیر مسلموں کی نعت" حصہ دوم میں ایک قابل ذکر اداریہ لکھا ہے جس کے مندرجات دعوت فکر بھی دیتے ہیں۔ تحریر فرماتے ہیں۔ "میرا سر تو ہر اس شخص کے آگے مستقلاً" خم سمجھو جو اپنا سر میرے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جھکاتا ہے۔ وہ کوئی بھی ہو۔ میں تو ایسے غیر مسلموں کا بھی نام لیوا ہوں اور رہوں گا۔ میرے اس رشتہ نیاز کا حلقہ بہت وسیع ہے لیکن ۔۔۔۔ غیر مسلموں کی مدح سرائی کے دو پہلو ہیں۔ ایک طرف تو دوسرے مذاہب کے ایسے ماننے والے' حضور حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ان امتیوں سے بہتر لگتے ہیں جو آقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و ثناء میں بخل سے کام لیں۔ اس صورتحال کا ایک رخ یہ ہے کہ امتی اپنے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی توصیف کا دائرہ گفتار سے کردار تک وسیع کریں' ورنہ وہ کئی جہتوں میں غیر مسلموں سے مختلف اور اونچے دکھائی نہ دیں گے۔ ہم بھی اپنے آقا مولا صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں تر زبان ہوتے ہیں اور رام سروپ یا روپ سنگھ بھی ان کی ثناء میں زمزمہ خواں ہوں ۔۔۔۔ نہ وہ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم مانتا ہے' نہ میں اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر چلتا ہوں۔ ہم تو کلمہ گو ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہمارے ایمان کی بنیاد ہے' حضورؐ کی تعریف ہمارا فریضہ ہے اور ۔۔۔۔ کسی غیر مسلم پر ایسی کوئی پابندی نہیں ! پھر بھی وہ آقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں رطب اللسان ہے۔ تو وہ ہم سے بڑا ہے۔ بہت بڑا ہے۔"

غیر مسلم شاعروں نے اپنی نعت گوئی کو عطیہ خداوندی اور عرفان محمد صلی اللہ علیہ وسلم قرار دیتے ہوئے اور اپنی نعت نگاری کو باعث فخر سمجھا ہے۔ چند شعراء کے اشعار دیکھئے۔

دی داد سخن مجھ کو ہر اک پیر و مغاں نے
اعزاز بڑھایا ہے مرا نعت نبیؐ نے
(پیارے لال رونق دہلوی)

ہر ایک کا حصہ نہیں نعت نبیؐ جوہر
اللہ جسے بخش دے عرفان محمدؐ
(چندر پرکاش جوہر)

کیوں نہ ہو فخر، یہ توقیر ہے کیا کم ہمدم
بخش دی نعت کی جاگیر نبیؐ نے مجھ کو
(گوری پرشاد ہمدم)

اترے ہیں جب بھی ذہن میں اشعار نعت کے
اے سوز انؐ سے میری عقیدت سوا ہوئی
(ہیرا نند سوز)

پڑھتا ہوں نعت جب میں تو کہتے ہیں اہل دل
اے قیس ! تو ہے بلبل بستان مصطفیٰ
(امرچند قیس جالندھری)

یہ سرفرازیاں تھیں ان کی نوازشیں تھیں
لکھی ہے نعت ورنہ کب اپنے بل ذکی نے
(دامودر ذکی ٹھاکور)

کاش یہ توفیق دیں حضرت محمدؐ اے روی
نعت روزانہ لکھوں میں اور گاؤں بار بار
(روی پرکاش بھاردواج)

نعت لکھتی ہے سرکارؐ کی اب
کیا تجیندر ادا بے ہنر ہے
(تجیندر ادا)

الفت حضرتؐ کا نافذ ایک ادنیٰ ہے یہ وصف
یہ کمال نعت گوئی اور پھر ہندو میں ہے
(نافذ دہلوی)

یہ اثر اسی کا ہے یا نبیؐ! جو عقیدت اس کو ہے آپؐ سے
بھلا نعت کہتا بھی سوم سے کہیں اختیار کی بات ہے

(سوم مورنوزوی)

غیر مسلم شاعروں کے نعتیہ کلام میں جذبات کی حدت اور محسوسات کی شدت کے ساتھ ساتھ وہ شعور اور سلیقہ اظہار بھی صاف نظر آتا ہے جو نعت کے لئے مخصوص ہے۔ یہ کہنے میں بھی کوئی تمسل نہیں کہ بعض اشعار شعری حسن کے علاوہ نعت کا حق ادا کرتے نظر آتے ہیں اور یقین کے توانا اظہار کا خوبصورت نمونہ ہیں مثلاً"

کیوں وجد آفریں نہ ہو احساس زندگی
گونجا ہے ساز روح پہ نغمہ رسولؐ کا

(گوپال کرشن شفق)

منم اے شوق بیگانہ ز اسلام
مگر کفر است انکار محمدؐ

(بابو رگھننن شوق مراد آبادی)

بہت اچھا ہوا جنت سے نکلے
میسر ہے یہاں کوئے محمدؐ

(دامودر ذکی ٹھاکور)

صاف آ رہی ہے اس سے صدائے درود پاک
پہچانتے ہیں ہم یہ سحّا کا مزار ہے

(لکشمی نرائن سحّا)

کونین ہے اک کوچہ محبوب دو عالمؐ
فردوس ہے اک گوشہ دامان محمدؐ

(چندر پرکاش جوہر)

مثال محمدؐ چہ جوئی' چہ جوئی
نہ یابی' نہ یابی مثال محمدؐ

(علامہ امرچند قیس جالندھری)

کون ماہ رو ہے یہ دیکھنے کی خواہش میں
ظلمتوں کے عاشق بھی روشنی میں آئے ہیں

(سیلانی سیوتے)

نہ قول و عمل میں کوئی فرق مطلق
پیامی سراسر، پیام اللہ اللہ

(عرش ملسیانی)

چشمہ فیضان احمدؐ در جہاں
سو بہ سو، گوشہ بہ گوشہ، کو بہ کو ست

(راجہ مکھن لال مکھن)

کاش مل جائے کسی روز انہیں رنگ قبول
ہیں ندامت کے یہ آنسو ہی گنہگار کے پھول

(کنول سیالکوٹی)

فخر یہ بھی ہے محمدؐ کی بدولت حاصل
جو ملک کو نہ میسر ہو بشر دیکھ سکے

(ماتھر لکھنوی)

تصور میں میرے محمدؐ محمدؐ" تخیل میں میرے محمدؐ محمدؐ
بہاریں مرے اب قدم چومتی ہیں' بہاروں کی مجھ کو ضرورت نہیں ہے

(شمشیر سنگھ شیر)

یہ کیا کہنا یہاں آئے سکوں کی کھوج جس کو ہو
مناسب تو یہ کہنا ہے یہیں آئے یہیں آئے

(امن لکھنوی)

غیر مسلم شعراء کے موضوعات نعت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان شعراء کی خاصی تعداد اسلامی تعلیمات اور سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے بخوبی واقف ہے اور بعض شعراء نے تو قرآن حکیم سے بھی استفادہ کیا ہے۔ ان شعراء کی نعتوں کا ایک اہم پہلو شفاعت طلبی ہے۔ یہاں صرف اسی رخ کے حامل چند اشعار پیش کروں گا جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا توقعات وابستہ کئے ہوئے ہیں۔

مجھے اے برق ! کیا غم ہے بھلا روز قیامت کا
شفاعت کے لئے حامی مرے خیرالوریٰ ٹھہرے

(کنج بہاری لال برق)

چوں سر محشر ز محشر عرصہ بر خود تنگ دید
تفتہ گریاں آمد و دامان پیغمبر گرفت

(ہرگوپال تفتہ)

میں حشر میں دیدوں گا ثبوت اپنے کہے کا
مجھ سا نہ گنہ گار، نبیؐ سا نہ سخی اور

(رمیش نرائن سکسینہ گلشن بریلوی)

ہم از تشنگی روز جزا نیست صفا
کہ امید کرم از ساقی کوثر دارم

(رائے منولال صفا لکھنوی)

سر پہ ہو ان کا دست شفاعت اثیم کے
جس دم کھڑا ہو داور محشر کے سامنے

(ٹھاکر بوا سنگھ اثیم)

ہے حامی و ممدوح مرا شافع عالمؐ
کیفی مجھے اب خوف ہے کیا روز جزا کا

(پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی دہلوی)

حشر کا جب آئے دن رکھئے گا کشل کو بھی یاد
اے شفیع عاصیاں، اے شفیع عاصیاں

(شیر پرتاب سنگھ کشل)

ہندو ہوں بہت دور ہوں اسلام سے لیکن
مجھ کو بھی محمدؐ کی شفاعت پہ یقیں ہے

(برج ناتھ پرشاد مخمور لکھنوی)

اے نبیؐ ! تیری شفاعت تری رحمت کے سوا
تیرا شاعر کسی نعمت کا طلب گار نہیں

(کالیداس گپتا رضا)

عبث ہے فکر تجھ کو اے فدا اپنے گناہوں کی
شفیع عاصیاں جب نام ہے تیرے پیمبرؐ کا

(پنڈت جگ موہن ناتھ فدا دہلوی)

قیامت سے مجھ کو ڈراتا ہے ناصح
پتہ ہے کہ میں ہوں غلام محمدؐ

(سرجیت سنگھ ناشاد)

ہو عرصہ محشر میں کہیں فاش نہ پردہ
لے دامن رحمت میں چھپا احمدؐ مختار

(پنڈت پربھو دیال مصر)

نہیں نامی کو کچھ ڈر پرسش روز قیامت کا
گنہ گاروں کے سرور ہو، شفیع روز محشر ہو

(منشی روپ کشور نامی سہارنپوری)

ہمیں دوزخ کی کیا پروا، ہمیں کیوں ڈر ہو محشر کا
ہم عاصی شافع روز جزا کی بات کرتے ہیں

(اودھے ناتھ نشتر لکھنوی)

یہی نعت پیمبرؐ ہوگی اپنی حافظ و ناصر
کریں کس واسطے ہم نغز کھٹکا روز محشر کا

(کرشن سہائے نغز بلگرامی)

اُمید شفاعت پہ جیتا رہا، ہوں
مری عمر بھر کی یہی ہے کمائی

(بالمکند عرش ملسیانی)

کیا میری شفاعت میں بھلا دیر لگے گی
کیا مجھ کو نہیں جانتے سلطان مدینہ

(سرکشن پرشاد شاد)

صاحب سے ہوئی تو داؤدی صاحب نے ان کو اتنی اچھی نعت لکھنے پر مبارکباد دی تو قیس صاحب نے بتایا کہ وہ ہندوؤں کی ایک فرم میں کلرک تھے۔ جس دن "سیاست" میں نعت چھپی' اسی دن انہیں ملازمت سے نکال دیا گیا۔ داؤدی صاحب نے یہ خبر سید حبیب مرحوم (سیاست کے مالک و مدیر) کو سنائی تو وہ بہت متاثر ہوئے اور قیس صاحب کے فراغت کے دن سے انہیں "سیاست" میں ملازمت کی پیشکش کرنے کو کہا۔ داؤدی صاحب قیس صاحب سے ملے اور یہ خوشخبری سنائی تو قیس جالندھری فوراً" بولے' "نہیں صاحب' آپ کیا سمجھتے ہیں؟ میں نعت بیچوں گا؟ میں اپنے جذبات کی قیمت وصول نہیں کرسکتا۔" اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ بہت سے نیک دل اور شریف النفس غیر مسلموں نے نعت اپنے حقیقی جذبات کی عکاسی کے لئے کہی ہے۔ اس کا اظہار اس سے بھی ہوتا ہے کہ کالیداس گپتا رضا اپنے اسی (۸۰) صفحات پر مشتمل مجموعہ نعت و مناقب "اجالے" مطبوعہ بمبئی ۱۹۷۵ء کے پیش لفظ میں تحریر فرماتے ہیں۔ "اجالے' میرا چھوٹا سا مجموعہ ہے جس میں چند

پرسش روز حشر کا کیا ڈر ؟
کیا نہیں میں غلام احمدؐ کا ؟

(مہیندر پرتاپ چاند)

یہ سچ ہے جوش شرمندہ ہے' عصیاں کار ہے لیکن
اسے کیا خوف ہو جب شافع روز جزا تم ہو

(رادھا رمن جوش بدایونی)

سر محشر مزے لے لے کر ہر اک سے کہوں گا
میں سودائی محمدؐ کا ہوں دیوانہ محمدؐ کا

(مایلا رام)

حشر میں ہم سے گنہ گاروں کی قسمت دیکھیں
سر پہ ہے سایہ دامان رسول عربی

(دھرمیندر ناتھ)

غیر مسلم شعراء نے نعت ہی نہیں کہی' اپنے کردار سے بھی اس شعور کا مظاہرہ کیا ہے جو سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطالعہ کے بعد ہی پیدا ہوسکتا ہے۔ صرف ایک واقعہ پر اکتفا کروں گا۔ مشہور نعت گو حضرت امرچند قیس جالندھری مداح پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے لقب سے مشہور ہوئے۔ مقبول انور داؤدی متحدہ ہندوستان میں روزنامہ "سیاست" کے عملہ ادارت میں تھے۔ انہوں نے راجا رشید محمود صاحب کو بتایا کہ امرچند قیس جالندھری نے "سیاست" میں اشاعت کے لئے ایک نعت بھیجی۔ وہ اخبار کے صفحہ اول پر چھاپ دی گئی۔ چند دن بعد ان کی ملاقات قیس

نعتیں، سلام، رباعیاں اور قطعے ہیں۔ تین چار نظموں کو چھوڑ کر تمام اشعار ۱۹۷۰ء کے پہلے کے ہیں جب کہ میں کینیا، مشرقی افریقہ کے شہر نیروبی میں مقیم تھا۔ آپ کہیں گے "تقریباً" ربع صدی کا قیام افریقہ اور صرف یہی چند اوراق؟" حقیقت یہ ہے کہ اس سے کم از کم تین گنا کلام جو نعتوں اور سلاموں پر مبنی تھا۔ ۱۹۷۰ء میں نقل ملک کے دوران ضائع ہوگیا۔" اس پیش لفظ کا آخری جملہ یہ ہے۔ "تمنا ہے میرا یہ حقیر سا مجموعہ جس پر میرا دل و جان نثار ہے، قاری کے لئے باعث تسکین دل و جاں ہو۔"

یہ غیر مسلموں کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت و محبت ہی ہے کہ متعدد شاعروں کی نعتیں ان کے شعری مجموعوں میں ملتی ہیں مگر یہ بات ہر اعتبار سے اہم ہے کہ بعض غیر مسلم شعراء کا نعتیہ ذخیرہ اتنا ہوا کہ ان کے مجموعے منظرعام پر آئے۔ گلبن نعت کوثری : دلو رام کوثری، ہدیہ شاد : مہاراجہ سرکشن پرشاد شاد، آہنگ حجاز : بالمکند عرش ملسیانی، گلدستہ نعت : الن جون مخلص بدایونی، ظہور قدرسی : آرزو سہارنپوری، نذرانہ عقیدت : ادیب لکھنوی، اجالے : کالیداس گپتا رضا، رہبر اعظم : چرن سرن ناز مانکپوری اور اے ہوا موذن ہو : نذر قیصر شائع ہوچکے ہیں۔ علامہ امرچند قیس جالندھری اور پروفیسر جگن ناتھ آزاد کا ذخیرہ نعت بھی کچھ کم نہیں مگر ابھی کتابی شکل میں منظرعام پر نہیں آیا مگر آزاد صاحب کی نعتوں کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ صورت کتاب بنام HOMMAGE A MAHOMET شائع ہوچکا ہے، جسے متعلقہ اہل زبان نے پسند کیا ہے۔ یہ ترجمہ اردو، فارسی، عربی، انگریزی اور فرانسیسی کے جید عالم، ممتاز محقق اور نقاد ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے کیا ہے جو چالیس سال سے پیرس میں مقیم ہیں۔ یہ کتاب فرانس کے مشہور ناشر EDITIONS TOUGUI نے پیرس سے شائع کی ہے۔ مختلف زبانوں کے غیر مسلم شعراء کی نعتوں کے مختلف زبانوں میں منظوم تراجم بھی ہوئے ہیں۔ جرمنی کے مشہور شاعر گوئٹے کی نعت کا فارسی ترجمہ حضرت اقبال اور اردو ترجمہ محترم شان الحق حقی نے کیا ہے۔ سریش بھٹ کی مراٹھی نعت کا منظور ترجمہ ڈاکٹر عصمت جاوید اور ڈاکٹر یحییٰ نشیط اور سندھی کے غیر مسلم شعراء صوفی تنورام اور پرسرام ضیاء کے ہدیہ عقیدت کے تراجم پروفیسر آفاق صدیقی نے کئے ہیں۔ یہ تراجم تذکرے میں شامل ہیں۔ سندھی زبان کے ان دونوں غیر مسلم شعراء کا تذکرہ ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی کی کتاب "سندھی کی نعتیہ شاعری" میں بھی موجود ہے۔ پنجابی زبان کے شعراء میلارام اور مکھی کا ذکر ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی نے اپنے ڈاکٹریٹ کے مقالے "پنجابی کی نعتیہ شاعری" میں کیا ہے جو ابھی زیور طباعت سے آراستہ نہیں ہوا۔ عربی زبان کے شعراء کا کلام محترم ادیب رائے پوری کی تحقیقی کتب "مدارج النعت" اور "مشکوۃ النعت" اور عبداللہ عباس ندوی کی کتاب "عربی میں نعتیہ شاعری" میں موجود ہے۔ راجا رشید محمود صاحب نے ماہنامہ "نعت" لاہور کی خصوصی اشاعت میں محمد عبدالغنی حسن موئف "الشعر العربی فی المھجر" مطبوعہ قاہرہ کے حوالے سے عیسائی شعراء ریاض معلوف، رشید ایوب اور رشید خوری کے نعتیہ اشعار نقل کئے

ہیں۔ ان شعراء کے کلام کا نمونہ "من الشعراء العربی" مرتبہ ابراہیم العریض مطبوعہ بحرین میں بھی ملتا ہے۔ جس سے واضح ہے کہ عربی زبان میں غیر مسلم شعراء کا نعتیہ کلام موجود ہے اور اگر تلاش کیا جائے تو مزید شعراء کا کلام مل سکتا ہے۔

برصغیر میں شائع ہونے والے نعتیہ انتخاب بھی کم نہیں اور ایسی تقریباً تمام کتابوں میں غیر مسلم شعراء کا کلام بھی شامل ہے جن میں ارمغان نعت : شفیق بریلوی، خیرالبشر صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں : ممتاز حسن، مخزن نعت : پروفیسر محمد اقبال جاوید، گلدستہ نعت : ضیاء محمد ضیاء طاہر شادانی، مدح رسول صلی اللہ علیہ وسلم : راجا رشید محمود، نعت کائنات : راجا رشید محمود قابل ذکر ہیں، لیکن غیر مسلموں کی نعتیہ شاعری کے حوالے سے جن کتابوں کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی ان میں فانی مراد آبادی کا مرتبہ انتخاب "ہندو شعراء کا نعتیہ کلام" "محمد محفوظ الرحمن کا مرتبہ انتخاب "ہندو شعراء دربار رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں" "محمد الدین فوق کا مرتبہ انتخاب "اذان بتکدہ" "عبدالمجید خاں سوہدروی کا مرتبہ انتخاب "ہندو شعراء کا نعتیہ کلام" اور راقم السطور کا مرتبہ انتخاب "نور سخن" ہیں۔ آخرالذکر میں ڈیڑھ سو غیر مسلم شعراء کا نعتیہ کلام شامل ہے۔ ناظر کاکوروی کی کتاب "اردو کے ہندو ادیب" میں بھی کئی ہندو شعراء کا نعتیہ کلام موجود ہے۔ ۱۹۳۷ء میں سندھی زبان میں ایک کتاب "انوار محمدی" چشتی کتب خانہ نے شکارپور (سندھ) سے شائع کی تھی جس کے مولف مولانا عبدالکریم چشتی ہیں۔ ۸۸ صفحات کی اس کتاب میں بھی کئی غیر مسلم شعراء کا اردو نعتیہ کلام ایک الگ باب میں پیش کیا گیا ہے۔

تاریخ و تحقیق نعت کے حوالے سے تحریر کئے گئے ڈاکٹریٹ کے مقالات "اردو میں نعتیہ شاعری" : ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق، "اردو میں نعت گوئی" : ڈاکٹر ریاض مجید، "اردو شاعری میں نعت" : ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتح پوری، "اردو شاعری میں نعت گوئی" : شاہ رشاد عثمانی اور پنجابی میں نعت (غیر مطبوعہ) : ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی، اور دیگر محققین کی تصانیف جن میں "اردو کی نعتیہ شاعری" ڈاکٹر فرمان فتحپوری، "تذکرہ نعت گویان اردو" پروفیسر سید یونس شاہ، "نعت کے چند شعرائے متقدمین" ڈاکٹر سید شمیم گوہر، "اردو کی نعتیہ شاعری ڈاکٹر طلحہ رضوی برق، "مدارج النعت" اور "مشکوۃ النعت" ادیب رائے پوری اور "اردو نعت تاریخ و ارتقاء" : سید افضال حسین نقوی فضل فتح پوری میں غیر مسلموں کی نعتیہ شاعری کے بارے میں خصوصی طور پر لکھا گیا ہے۔ ان میں سے کئی کتب میں محاسن کلام کے ساتھ انتخاب کلام بھی پیش کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی کی کتاب "سندھی کی نعتیہ شاعری" میں بھی دو ہندو شعراء شامل ہیں۔

آنسہ نگار سلطانہ نے غیر مسلموں کی نعتیہ شاعری کے حوالے سے کانپور یونیورسٹی (یو۔پی) بھارت سے ۱۹۹۴ء میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی ہے ان کے مقالہ بعنوان "بیسویں صدی میں اردو کے غیر مسلم نعت گو شعراء" کو اس اعتبار سے بھی اہمیت حاصل ہے کہ اس موضوع پر یہ پہلا تحقیقی مقالہ ہے۔ ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتح پوری نے بھی ایک کتاب "سوغات صنم خانہ" ترتیب دی

ہے جو اشاعت کی منتظر ہے۔

برصغیر کے مختلف رسائل و جرائد کے سیرت و نعت نمبروں میں بھی غیر مسلموں کے نعتیہ کلام کو شامل کیا گیا ہے۔ ماہنامہ "نعت" لاہور نے "غیر مسلموں کی نعت" کے حوالے سے کئی شمارے شائع کئے ہیں اس کے علاوہ نومبر ۱۹۹۵ء کا شمارہ "غیر مسلموں کی نعت گوئی" نہایت اہتمام سے منظر عام پر آیا ہے۔ "شام و سحر" کے نعت نمبروں میں بھی زیر تذکرہ موضوع پر اچھا خاصا مواد ملتا ہے۔ گورنمنٹ کالج شاہدرہ لاہور کے میگزین "اوج" کے نعت نمبر میں بھی بہت سے غیر مسلم شعراء موجود ہیں۔ یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگی کہ ماہنامہ "کیلاش" ہوشیار پور نے اگست ۱۹۴۰ء میں نعت نمبر شائع کیا تھا جو ساٹھ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس شمارے میں بیشتر نعتیہ کلام غیر مسلم شعراء کا ہے۔ "کیلاش" کے مدیر ایم۔ پی۔ چورسیا تھے اور ادارہ تحریر میں ساحر ہوشیارپوری اور امرچند قیس کے نام شامل ہیں۔ یہ کسی غیر مسلم ماہنامہ کا پہلا نعت نمبر ہے اور میرے کرم فرما محترم پیرزادہ عاشق کیرانوی کے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہے۔

جدید اردو نعت اور آنکھیں

منصور ملتانی

جانداروں کے چہرے پر دیکھنے والی چیز کا نام آنکھ ہے۔ جو ہندی زبان کا لفظ ہے۔ اور بطور مؤنث استعمال ہوتا ہے۔ عربی میں اسے "عین" فارسی میں "چشم" اور اس خطے کی کلاسیکی مقامی زبانوں میں "اکھ" کہا جاتا ہے۔ یہ خالق کائنات کی طرف سے عطا کی جانے والی وہ نعمت عظمیٰ ہے جو انسانوں کو اس دنیا کی رنگینیوں سے لطف اندوز ہونے کے قابل بناتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ درد و غم کے اظہار کا ذریعہ بھی ہے۔

جتلائے درد ہو کوئی عضو روتی ہے آنکھ
کس قدر ہمدرد سارے جسم کی ہوتی ہے آنکھ

دوسری بہت سی زبانوں کے علاوہ اردو زبان اس لحاظ سے بڑی خوش قسمت ہے کہ اس نے عربی، فارسی اور ہندی تینوں سے خوشہ چینی کی ہے۔ اس لیے اس میں عین، چشم اور آنکھ تینوں ہی ذریعہ بصارت کے طور مستعمل ہیں۔ اس سے منسلک الفاظ نین، نظر۔ نگاہ۔ بصارت۔ دید۔ دیدار۔ بینا۔ بینائی۔ اشک۔ آنسو۔ غم۔ تر وغیرہ اور اس کے اجزاء یعنی پتلی۔ پلکیں وغیرہ بھی اردو کے دامن خوش رنگ کی زینت ہیں۔ اس کے علاوہ اردو ادب میں ایک محتاط اندازے کے مطابق پانچسو سے زائد ایسے محاورے ہیں۔ جن میں آنکھ کسی نہ کسی رنگ میں موجود ہے مثلاً "آنکھیں پُر آب ہونا۔ آنکھ بھر آنا۔ آنکھ کا تارا۔ آنکھ کے بل چلنا۔ آنکھوں میں بسنا۔ آنکھ نہ جھپکنا۔ آنکھ نیچی کرنا۔ آنکھوں پر بٹھانا۔ آنکھوں سے لگانا۔ آنکھوں میں آنا۔ آنکھیں تلووں سے رگڑنا۔ آنکھیں بچھانا۔ آنکھیں روشن ہونا وغیرہ وغیرہ۔

عین اور چشم کے محاورے ان کے علاوہ ہیں۔

یہ سارے الفاظ اور محاورے اردو زبان میں اپنے مخصوص نفسیاتی پس منظر کے ساتھ مروّج ہوئے۔ اردو ادب میں عموماً" اور اردو شاعری کی مختلف اصناف میں خصوصاً" انہیں بڑے اہتمام کے ساتھ استعمال کیا جاتا رہا ہے اور کیا جاتا رہے گا۔ شعری اصناف میں ابوالخیر کشفی صاحب کے بقول غزل اردو کی شہزادی شہزاد ہے اور غزل تو محبوب کے دیدار کی تمنّا سے لیکر محبوب کے فراق میں درد و غم کی کیفیات سے ہی گوندھی جاتی ہے۔ اور ان سب کیفیات کے اظہار کا سب سے مؤثر ذریعہ آنکھ ہے۔ نظم ہو یا رباعی۔ مرثیہ ہو یا قصیدہ۔ مثنوی ہو یا شہر آشوب غرض آنکھ کے بغیر کوئی ذریعۂ اظہار مکمل نہیں ہوتا۔

حیرت دید ہو یا حسرتِ دیدار کے رنگ
آنکھ بینائی بصارت سے سوا مانگے ہے

نعت سرور دیں میں بھی آنکھ کی موجودگی لازمی ہے کہ اس کا ذکر تو شاہ دین سرور دو عالم سید المرسلین رحمتہ للعالمین ختمیؐ مرتبت حضرت محمد مصطفیٰ احمدؐ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حسن ظاہری کا لازمہ ہے اور پھر وہ آنکھیں جنہوں نے حضورؐ کے چہرۂ پُر انوار کو دیکھنے کی سعادت حاصل کی۔ وہ آنکھیں جو آپ کے اس دنیائے فانی سے پردہ فرمانے پر آنسوؤں کے دریا میں غرق ہوئیں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زبان پر بے اختیار شعر جاری ہوا۔

یا عین فابکی ولا تشامی
و حق البکاء علی السید

یا پھر وہ آنکھیں جو آپ کو دیکھ پانے کی سعادت سے محرومی پر اشکبار ہوئیں آج بھی اشکبار ہیں اور ابد تک اشکبار ہوں گی۔ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار آنکھیں۔ دیدار مصطفیٰ کی طلبگار آنکھیں۔ روضۂ سرور عالم سے ضیا بار آنکھیں۔ بلاوے کے لیے محو انتظار آنکھیں۔ خواب میں دیکھنے کو تیار آنکھیں۔ مدینے جا کر گہربار آنکھیں۔ اپنی نارسائی پر نادم و شرمسار آنکھیں۔ اپنی مجبور تقدیر پر عزادار آنکھیں۔ غرض آنکھیں مختلف رنگ و روپ اور بصارت سے بصیرت کے سفر میں کوشاں نعت کے اشعار میں ایک حسین تسلسل کے ساتھ موجود ہیں کیونکہ نعت تو جذبوں کی سچائی۔ سوز عشق رسولؐ اور گداز قلب کی کیفیات سے مزیّن ہوتی ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ :۔

ہے بد قسمت مدینے میں بھی جا کر
تشکّر سے نہ جس کی آنکھ نم ہو

اردو کے ابتدائی دور کی نعتوں میں چونکہ فارسی اور عربی کا اثر بہت زیادہ تھا اس لیے چشم اور عین کا استعمال بہت زیادہ نظر آتا ہے۔ البتہ کہیں کہیں جہاں ہندی کے اثرات زیادہ ہوئے وہاں شاعروں نے آنکھ کو بھی استعمال کیا۔ اس ابتدائی دور کے دو اشعار دیکھیے۔

میری آنکھوں نے اے دلبر عجب اسرار دیکھا تھا
میان ابر اس خورشید کا انوار دیکھا تھا

(بچل سرمست)

اردو زبان جب اپنی خوش رنگی کے ساتھ اہم مرکز دہلی میں مروّج ہوئی تو دبستان دہلی کی بنیاد پڑی۔ نعت سرور دو عالمؐ نے وہاں بھی اپنی جلوہ گری سے قلوب کو منوّر کیا یہی وہ عہد تھا جب ہندی کی آنکھ باقاعدہ اردو زبان میں اپنی مستقل جگہ بنانے میں کامیاب ہوئی۔ اس عہد کی سوچ کا انداز دیکھیے کہ

حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اطہر کا سایہ نہ ہونے کی بابت کیا توجیہہ پیش کی گئی۔

سبھی نے لیا چلیوں سے اٹھا زمیں پر نہ سائے کو گرنے دیا
سیاہی کا پتلی کی ہے یہ سبب وہی سایہ پھرتا ہے آنکھوں میں اب

(میر حسن)

یا پھر آنکھ کا مقصود کس طرح بیان ہوا ہے۔

ایک کیا آنکھیں ہیں میری ہی ادھر
تجھ سے راجع ہے بصر۔ اہل نظر

(میر تقی میر)

پروفیسر حفیظ تائب نے اپنے مضمون "اردو نعت پر قرآنی اثرات" میں نعت کے حوالے سے جن ادوار کا تعین کیا ہے اس کی صورت کچھ یوں ہے کہ پہلا دور قدما کا دور ہے جو سلطان محمدؐ قلی قطب شاہ سے لیکر منعتی ولی دکنی اور سراج اور نگ آبادی وغیرہ کو اپنے دامن میں سمیٹتا ہوا مولانا محمدؐ باقر آگا (المتوفی ۱۲۲۰ھ) پر ختم ہوتا ہے۔ دوسرا دور متوسطین کا ہے جس میں حفیظ تائب صاحب نے ناسخ سے لے کر لطف بریلوی (المتوفی ۱۳۹۸ھ) کا تذکرہ کیا ہے اسی دور میں انہوں نے شہیدی، مومن، انیس، دبیر، بہادر شاہ ظفر اور غلام امام شہید کو شامل کیا ہے اور پھر متاخرین کا دور جس میں شائق حیدر آبادی، بیان یزدانی، امیر مینائی اور محسن کاکوروی قابل ذکر نام ہیں۔ مذکورہ ادوار کے بعد یعنی ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد کے دور کو پروفیسر حفیظ تائب نے نعت کے دور جدید کا نام دیا ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر محمدؐ اسحٰق قریشی نے بھی دور جدید کو ۱۸۵۸ء تا حال ہی لکھا ہے۔

اگر ہم مندرجہ بالا قدیم ادوار کی نعتیہ شاعری کا جائزہ لیں تو ہمیں ان میں اولاً تو آنکھ کا استعمال ہی خال خال ملتا ہے ثانیاً" آنکھ صرف آلۂ بصر کے طور پر اشعار عقیدت میں شامل رہی ہے۔ مزید بات ان اشعار سے واضح ہے۔

واں کے در و دیوار میرے پیش نظر ہیں
اندھیر ہو گر آنکھ سے چھپ جائے مدینہ

(غلام امام شہید)

احد میں کیوں نہ ہوتی آنکھ پیدا میم معنی سے
کہ تھا حد نظر در پردہ نظارہ محمدؐ کا

(بیان یزدانی)

ہر پھول میں ہے جلوۂ رخسارِ محمدؐ
ہر آنکھ کہاں قابلِ دیدارِ محمدؐ
(امیر مینائی)

دل آپؐ پر تصدق جاں آپؐ پر سے صدقے
آنکھوں سے سر ہے قرباں آنکھیں ہیں سر سے صدقے
(امیر مینائی)

آنکھوں میں سماتی تھی وہ بجلی
جو خواب میں تھی کبھی نہ دیکھی
(محسن کاکوروی)

جدید اردو نعت کا دور جو ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اپنے دامن میں بہت سے خوش رنگ و خوش فکر پھول رکھتا ہے۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے توفیق دی اور حضور کریمؐ نے اپنی مدحت کے لیے چنا۔ ان میں مولانا احمد رضا خان بریلوی۔ مولانا حسن رضا خان۔ مولانا کفایت علی کافی۔ مفتی سرور لاہوری اور حافظ پیلی بھیتی نے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ سخن پایا ہی اس لیے تھا کہ تا زندگی حضورؐ کی مدحت کی خوشبو سے اہل دل کے مشام جاں کو معطر رکھ سکیں۔

جدید نعت میں شعراء نے آقائے نامدار کے روئے انور اور خدوخال کا خصوصی توجہ کے ساتھ نعتوں میں ذکر کیا۔ چند مثالیں دیکھیے۔

سرگیں آنکھیں حریم حق کے وہ مشکیں غزال
ہے فضائے لامکاں تک جن کا رمنا نور کا
(احمد رضا خان)

وہ آنکھیں نور کے سانچے میں ڈھلنے والی لاثانی
ہے شیوا جن کا آئین حقیقت کی نگہبانی

وہ آنکھیں جو کہ پیغام شفا تھیں بہر رنجوراں
وہ نظریں جن میں تھا دردِ بنی آدم کا اک طوفان
(محمد شریف غیرت قادری)

آنکھیں ہیں کہ نور کے کٹورے
صہبائے طہور کے کٹورے

(مرغوب اختر الحامدی)

اے پیمبر روشنی کے اے نبی
آنکھ سورج تھی تو دل دریا تیرا

(ایوب صابر)

تیری آنکھوں میں درخشند تھی روحانی چمک
صبر و استقلال کی تھی تیری سانسوں میں جھلک

(ثاقب زیروی)

عشق رسول گداز قلب سے شروع ہو کر آنسوؤں کی زبان سے عرض حال کرتا ہوا انسان کو ان مراتب سے آشنا کرتا ہے جہاں آنکھ دل بن کر دھڑکنے لگتی ہے اور دل آنکھ بن کر دیکھنے لگتا ہے انسانی محسوسات کا مخرج و ماخذ قلب ہے اور اظہار کا مؤثر وسیلہ آنکھ اور ان دونوں میں جو ربط ہے وہ کارزار عشق میں انسان کو یکسوئی کا وہ لطف عطا کرتا ہے جو نعت کہنے کے لیے ضروری ہے۔ قلب میں تمنا۔ طلب۔ تڑپ اور حاضری سے حضوری تک کے سفر کی لگن ہو تو آنکھ ان نظاروں سے آشنا ہوتی ہے جو بصارت کی حد سے ماوراء ہوتے ہیں۔ اسی لیے نعتیہ شاعری میں جس طرف دیکھیے قلب یا دل اور آنکھ ایک اکائی کی صورت یکجا نظر آتے ہیں۔

درفشانی نے تری قطروں کو دریا کر دیا
دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا

(اکبر الہ آبادی)

بول سنہرے رنگ میں گہرے قلب میں ٹھہرے آنکھ میں تیرے
صوت و صدا و لحن و غنا و نغمۂ قرآں کون محمدؐ

(ادیب رائے پوری)

تاریکیٔ قلوب کو اک روشنائی دے
آنکھوں کو پھر وہ روضۂ انور دکھائی دے

(ع۔ س۔ مسلم)

یاد آقا دل میں تھی آنکھوں میں پھیلی روشنی
نور تھا بنیاد میں مینار سے پھوٹی کرن
(راقم رحمانی)

زہے فیض حضوری ان کے در سے
سمیٹے دل نے آنکھوں سے اجالے
(محب لکھنوی)

کھلتی ہے جب بھی آنکھ عقیدت کی گود میں
دل میں اترنے لگتا ہے شمس الضحیٰ کا رنگ
(گفتار خیالی)

قرآن جمال شکل بشر میں جب آ گئے
آنکھوں کی راہ سے مرے دل میں سما گئے
(وسیم فاضلی)

ہر طرف جلوے ہی جلوے ہیں مدینے میں عیاں
دل کی آنکھوں سے ذرا یاں کا تماشا دیکھو
(سرور اکبر آبادی)

آنکھ ہے بند درودوں کی صدا ہے دل میں
دوستو کتنی مقدس میری تنہائی ہے
(ارم بریلوی)

آنکھوں میں بس گئے ہیں دل میں سما گئے ہیں
دونوں جہاں ہیں روشن نور محمدی سے
(فدا خالدی)

آنکھیں بھی منور ہیں مرا دل بھی منور
ہے جلوہ فشاں صورت سلطان مدینہ
(بیتاب نظیری)

روشنی سے دل و جان منور اللہ اللہ یہ ساعت یہ منظر
نعت پڑھتی ہوئی میری آنکھیں سامنے انکے روضے کی جالی
(شاعر لکھنوی)

ہے آنکھ وہ جو محو دیدار مصطفیٰؐ ہے
اس دل کی بات کیا جو سرشار مصطفیٰؐ ہے
(محسن بھوپالی)

ان کی نسبت سے ہیں جتنی نسبتیں ہیں زیست میں
اہل دل کی آنکھ پر یہ مرحلہ روشن ہوا
(فراست رضوی)

آنکھوں میں نور دل میں بصیرت ہے آپؐ سے
میں خود تو کچھ نہیں مری قیمت آپؐ سے
(شہزاد احمد)

آنکھوں میں بسا ہے مری نظارۂ طیبہ
دل میں ہے خیال رخ زیبائے محمدؐ
(ظفر ہاشمی)

نہیں ہیں جو آنکھیں تو غم کیوں ہو ذاکر
مرے دل کی آنکھوں میرا جب ہیں محمدؐ
(ذاکر دہلوی)

کس درجہ معطر یہ مرے دیدہ و دل ہیں
آنکھوں میں نہاں آپؐ ہیں سانسوں میں رواں آپؐ
(محسن احسان)

چراغ عشق نبی دل میں ضو فگن ہے سخن
نہیں ہے اب مری آنکھوں کو روشنی کی تلاش
(سجاد سخن)

دل میں یم سرور ہے آنکھوں میں بحر نور ہے
لب پہ رواں ہے صبح شام صل علیٰ محمدؐ
(اثر صہبائی)

آنکھ میں آنسو ہجر کا
دل میں بارش نور کی
(نذیر قیصر)

ہجر و فراق ویسے تو ہماری غزل کا محبوب موضوع ہے۔ لیکن غزل کی روح کو جب سے نعت کے رنگ نے روشنی اور خوشبو عطا کی ہے۔ ہمارے نعت گو شعراء کے ہاں بھی ہجر نبی۔ فراق طیبہ۔ اپنی نارسائی۔ رسول پاک کی مسکن سے دوری۔ آقائے دو جہاں کے غلاموں میں شمولیت کی تمنا۔ اپنی ہستی کی ناپائیداری۔ طلب حاضری۔ اذن حضوری' اظہار اشتیاق اور وفور شوق کے بیان کے لیے آنکھوں میں آنسو اور اشکوں کی گھٹاؤں کا تذکرہ ایسا موضوع بن گیا ہے جس سے کسی بھی نعت گو شاعر کا دور رہنا ممکن نہیں ہے۔ حضوری کی تمنا کے اس سفر میں اگر آنکھ بھی دل کے ساتھ ساتھ ہو تو لکھنے والے کے علاوہ پڑھنے اور سننے والوں کے دلوں کو بھی گداز کی دولت سے مالا مال کرتا ہے۔ اور یہ سب فیضان ہے اس ذات پاک کا جو عامل خیر العمل اور خیر البشر کے مرتبے پر فائز ہے۔

جسے ربط صبح ازل سے ہے وہ سحر بھی دیکھیں گے آنکھ سے
ذرا دم تو لے دل جلا فقط انتظار کی بات ہے
(سوم سور عزوی)

سرکار کے جلوؤں کی ہے آنکھ تمنائی
صد شکر کہ دل بھی ہے سرکار کا شیدائی
(عبدالستار نیازی)

اشک آنکھوں سے رکتے نہیں ہیں دل سنبھالے سنبھلتا نہیں ہے
ہم کو جلوہ دکھا دو محمدؐ زندگی کا بھروسہ نہیں ہے
(محب اللہ اظہر)

در پہ پیشانی گھسوں آنکھوں کو تلوؤں سے ملوں

یہ تمنا ساتھ لیکر دل مرے پہلو میں ہے
(نانذ دھلوی)

دل ہے بے چین اگر ذات مقدس کے لیے
آنکھ دیدار کی ہر وقت تمنائی ہے
(انور کیف)

آنکھ نم ہو گئی دل نے سجدہ کیا
چوم کر سبز گنبد جب آئی صبا
(وصی تیموری)

چراغ آرزو دل میں جلا رکھا ہے برسوں سے
ان آنکھوں سے کسی دن روضۂ سرکار دیکھیں گے
(سجاد مرزا)

دیدار ہو نہ ہو یہ مقدّر کی بات ہے
آنکھوں کا شوق تو دل مضطر سے بڑھ گیا
(خلیل صمدانی)

وہ اک آنسو جو ان کی آرزو میں آنکھ سے ٹپکا
وہی آنسو ستارہ ہے مرے حسن مقدّر کا
(صوفی تبسم)

دل بہت دن سے ہے بیتاب مدینے کے لیے
آنکھ ہے دیدۂ بے خواب مدینے کے لیے
(مریم قادری)

اب آیئے ذرا اس آنکھ کا احوال دیکھیں دل نے جس کا ساتھ چھوڑ دیا ہو اور اس کی دوستی ہجر طیبہ میں اور فراق مدینہ میں آنسوؤں۔ اشکوں سے ہو گئی ہو۔ ایسی آنکھیں کبھی تو گناہوں کو اپنے اندر سمو کر سید عالمؐ سے اپنی عقیدت کا اظہار کرتی ہیں۔ تو کبھی اشکوں کے گہر در اقدس پر نذر کرتی نظر آتی ہیں۔ کبھی یہ اشک ندامت کے رنگ میں ڈوبے ہوئے بخشش کا حوصلہ بنتے ہیں تو کبھی ان آنسوؤں سے

آنکھوں سے جمال طیبہ جھلکتا نظر آتا ہے۔ نعت کے اشعار جن خالص۔ سچے اور کھرے جذبوں کے ترجمان ہوتے ہیں ان میں آنسوؤں سے منور آنکھیں۔ نم آنکھیں ساون آنکھیں اکثر ذریعۂ اظہار بن جاتی ہیں۔ یہ اشعار دیکھئے :-

اشک آنکھوں میں تڑپ دل میں قلم مدحت میں
میری بخشش کا مرے گھر میں ہی ساماں نکلا
(ادیب رائے پوری)

فرقت محمدؐ میں خون فشاں ہیں یوں آنکھیں
جیسے مئے چھلکتی ہو سرخ آبگینے سے
(شکیل بدایونی)

تیرے ہجر میں رونا بھی تو اب نہیں بس میں
خشک ہو چکا آقا میری آنکھ کا پانی
(حفیظ صدیقی)

جہاں کے ذرّے بھی ہیں ستارے اس آستانے پر کب چلو گے
زبان گریہ میں مجھ سے شاعر سوال کرتی ہیں میری آنکھیں
(شاعر لکھنوی)

بیتے ہیں جو دن رات غم عشق نبیؐ میں
ایسے ہی تو اشکوں سے نکھرتی ہیں یہ آنکھیں
(سہیل غازیپوری)

یہ دل تو دھڑکتا ہے تیریؐ یاد کے صدقے
آنکھوں نے تو کچھ بھی نہیں دیکھا میرے آقا
(سلیم کوثر)

جب یاد کروں تجھ کو چھلک جائے مری آنکھ
جب نام لوں تیرا تو مری روح پگھل جائے
(عارف عبدالمتین)

ہجر سرکار دو عالمؐ میں ہوا جب بے قرار
اشک آنکھوں سے بہے دل کی دھلائی ہو گئی

(مسعود مظفر ہزاروی)

یہ روز و شب کی بے تابی یہ لطف جاوداں کیا ہے
بجز عشق نبیؐ میری ان آنکھوں سے رواں کیا ہے

(ریاض حسین چودھری)

شدت غم سے مری آنکھوں میں آنسو ہی نہیں
حال دل ناگفتنی ہے رحمۃ للعالمینؐ

(نظرا مروہوی)

چہرے پہ آنکھیں ہیں اک زخم تمنا آقاؐ
مرے اشکوں میں نہاں ہے کوئی نوحہ آقاؐ

(اشرف جاوید)

آنکھ جب مائل گریہ ہو اور دلی جذبات کی ترجمانی کا مقدس فرض سرانجام دے رہی ہو تو اکثر اوقات لبوں کو۔ ہونٹوں کو یا قوت گویائی کو جرأت اظہار سے کوسوں دور ہی رہنا پڑتا ہے۔ کیونکہ آقائے نامدار کا روضۂ مبارک وہ مقام اقدس ہے جہاں لبوں سے فریاد کی لے ذرا بھی بلند ہو جائے تو بے ادبی کا احتمال رہتا ہے۔

لب نہیں آنکھ سے التجا چاہیے
احترام در مصطفےٰؐ چاہیے

(اعجاز رحمانی)

لیکن قوت گویائی بھی بہرحال اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے۔ جس کے سبب انسان کو حیوان ناطق کہہ کر مرتبت میں بلندی ظاہر کی جاتی ہے۔ آنکھوں کا اظہار اپنی جگہ مسلّم مگر اسم محمدؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو حسن اور لطف لبوں سے ادائیگی میں ہے اور اس نام کو ادا کرنے میں زبان کو جو شیرینی اور سانسوں کو جو مہک عطا ہوتی ہے۔ اس کے لیے سچا عاشق رسولؐ اپنی جان تک قربان کرنے پر تیار ہو جاتا ہے۔

نعت گو شعراء نے آنکھوں میں دید کی لذّت و لطف یا شوق دیدار کے ساتھ ساتھ لبوں سے اسم محمدؐ

صلی اللہ علیہ وسلم کی ادائیگی کی بے پایاں کیفیات کا اظہار بھی ایک تواتر کے ساتھ نظم کیا ہے۔ ان اشعار میں آنکھوں اور زبان میں اسم مبارک سے جو ربط اور رشتہ قائم ہوتا ہے اسے دیکھیے۔

ان کا ادیب پہ کتنا کرم ہے لب پہ ثناء ہے آنکھ بھی نم ہے
چاروں طرف سے ابر کرم ہے گھیرے شام سویرے
(ادیب رائے پوری)

زباں پہ ذکر محمدؐ ہو آنکھ پُر نم ہو
تو یوں لگے گا کہ دنیا فضول ہو جیسے
(انور سدید)

حسن آنکھوں میں لب پہ صلّ علیٰ
موت کا دم بھی کیا سہانا لگے
(شاہ انصار الٰہ بادی)

آنکھوں میں ہے دیدار مدینہ کی تمنا
ہونٹوں پہ مچلتی ہے صدا صلّ علیٰ کی
(افتخار انصاری)

میں شرم عصیاں سے مہر بہ لب در نبیؐ پر کھڑا ہوا ہوں
جو میرے لب تک نہ آ سکے وہ سوال کرتی ہیں میری آنکھیں
(غیور احمد خان)

گنبد سبز کا دیدار کریں ہیں آنکھیں
اس طرح قلب کو سرشار کریں ہیں آنکھیں
(طاہر سلطانی)

مدینے سے عجب ہوتا ہے عالم آنے والوں کا
زباں خاموش آنکھیں نم بدن خوشبو جبیں روشن
(قمر وارثی)

مدینۃ النبی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا مسکن مبارک جس سے وابستگی جس سے نسبت۔ جس

ہے قلب کا تعلق۔ جس سے روح کا رشتہ۔ دنیا میں کہیں بھی موجود کلمہ گو کے لیے باعث صد افتخار۔ طیبہ کی دید تو کامیابی دنیا و عقبیٰ کی نوید جانفزا ہے۔ وہ مسکن رسول اکرم۔ ہمسر آسماں۔ ناز بزم قدسیاں جو اس دنیا تو کیا عالمین کے لیے رحمت کا ماخذ و مخرج ہے۔ وہاں کی حاضری تمناؤں کی معراج ہے۔ اس کی گلیاں کوچے مشتاق رسول کے لیے بہشت بریں کے باغوں سے بڑھ کر ہیں اس کی فضا مشام جاں کو لافانی خوشبو سے مہکاتی ہے۔ اس کی ہوا سانسوں کو زندگی کا اعتبار بخشتی ہے۔ محبوب کردگار کی آخری آرام گاہ جہاں سبز گنبد (گنبد خضریٰ) آنکھوں کو روشنی اور رنگوں سے منور کرتا ہوا۔ جس کی دید آنکھوں سے براہ راست دلوں میں نور بھر دیتی ہے۔ نعت گو شعراء کی آرزوؤں۔ امیدوں کا مرکز جسے دیکھنے کی خواہش کبھی آنسوؤں سے کبھی آہوں سے۔ کبھی صبا سے کبھی زائروں کے ذریعے ترسیل کرتا ہر مجبور کے دل کے آواز ہے اور جسے دیکھ لینا شادیٔ مرگ کی سی کیفیات کا سبب بنتا ہے۔ آنسو بے اختیار آنکھوں کے جھروکوں سے ایک تسلسل کے ساتھ رواں ہو جاتے ہیں۔ اور آنکھیں چشمۂ آب بقا ٹھہرتی ہیں۔

مدینہ جگمگاتا آسماں ہے شان و شوکت کا
مری آنکھوں سے دیکھا جائے عالم نور و نکہت کا
(مجید فکری)

کیونکر نہ دل وجاں سے مجھے بھائے مدینہ
آنکھوں میں بسا ہے مرے مولائے مدینہ
(سالک رام سالک)

سوز دل چاہیے چشم نم چاہیے اور شوق طلب معتبر چاہیے
ہوں میسر مدینے کی گلیاں اگر آنکھ کافی نہیں ہے نظر چاہیے
(اقبال عظیم)

جب بھی کھلیں نبی کا مدینہ ہو سامنے
آنکھوں کی صرف ایک تمنا ہے اور بس
(انور جمال)

حسرت دید تو ہے جذب واثر بھی دیکھوں
اب ان آنکھوں سے مدینے کا سفر بھی دیکھوں
(حنیف اسعدی)

ہر لحظہ کو یہ دل ہے طلبگار مدینہ
ہو جائے ان آنکھوں کو بھی دیدار مدینہ
(نور محمدؐ ساغر)

آنکھوں کے لیے اور چمک مانگ رہا ہے
دل گنبد خضرا کی جھلک مانگ رہا ہے
(اختر نثار)

جبریل امیں بھی سنتے ہیں یوں ذکر مدینہ
جیسے کبھی آنکھوں سے مدینہ نہیں دیکھا
(راز مراد آبادی)

ہر نفس اقبال محزوں حسرت طیبہ لیے
میری آنکھوں میں عقیدت کے مچلتے ہیں چراغ
(اقبال محزوں)

نہیں مجھ پر فراغت تاکہ میں پہنچوں مدینے کو
رکھوں آنکھوں کے خاتم بیچ اس نوری نگینے کو
(راجہ مکھن لال)

میری آنکھوں میں مدینے کے سوا کچھ بھی نہیں
اب مجھے کیسے ہو نشتر اپنے گھر در کی تلاش
(نشتر اکبر آبادی)

مدینہ یاد آتا ہے تو پھر آنسو نہیں رکتے
میری آنکھوں کو ماہر چشمۂ آب بقا کہیے
(ماہر القادری)
طیبہ کے خوش آثار مناظر ہیں مرے ساتھ
آنکھوں میں نیا حسن نظرلے کر چلا ہوں
(تابش دہلوی)

ان کی گلیوں میں آنکھ روتی ہے
ہاتھ اٹھتے نہیں دعا کے لیے
(صائم چشتی)

طواف گنبد خضریٰ کیا کیا
مری آنکھوں پہ بینائی فدا ہے
(قمر وارثی)

اس لمحہ کے جرأت اظہار تمنا
جب گنبد سرکار ہو آنکھوں میں ضیاء بیز
(حافظ محمد افضل فقیر)

آج ان آنکھوں کو بینائی کا حاصل مل گیا
روبرو ہے گنبد خضریٰ کا جلوہ اور میں
(سرور بارہ بنکوی)

دیدار شہر نور کا عالم عجیب ہے
آنکھوں کو میری بار مکرّر کی ہے تلاش
(شوکت قادری)

عشق نبیؐ کا جب سے حاصل ہوا قرینہ
اک آنکھ میں ہے مکّہ اک آنکھ میں مدینہ
(طفیل ہوشیارپوری)

منزل و مقصود پہ اپنا سفینہ آ گیا
جسکو آنکھیں ڈھونڈتی تھیں وہ مدینہ آ گیا
(حیرت الہ آبادی)

بصیرت کے چشمے ہیں اشک مسرت
ہے آنکھوں میں میری غبار مدینہ
(حنیف اخگر)

میری آنکھوں نے جب سے روضۂ اطہر کو دیکھا ہے
بلائیں دل سے لیتا ہوں میں خود اپنے مقدر کی
(شیخ ابراہیم آزاد)

منقوش ہے آنکھوں میں مری کوئے محمدؐ
میں اس پہ رواں تھا وہ رواں سوئے محمدؐ
(خاطر غزنوی)

اور یہ غبارِ مدینہ۔ طیبہ کی گلیوں کی خاک۔ وہ مٹی جسے مسکن سرکار سے نسبت ہے یہ عشاق کی آنکھوں کے لیے وہ سرمہ ہے جو ہمیشہ ان کا نور بڑھاتا ہے اور دل بے اختیار یہ تمنا کرنے پر مچل اٹھتا ہے کہ میری مٹی بھی اس قابل ہو کہ اس خاک میں مل سکے۔ یہ متبرک و مقدس مٹی جسے خاک پائے رسول اکرمؐ ہونے کا شرف حاصل ہے ہمیشہ سے نعت گو شعراء کے لیے بڑے خوبصورت اور عقیدت میں ڈوبے ہوئے اشعار کی تخلیق کا محرک رہی ہے۔

جس خاک پہ پڑتے ہوں قدم سرورِ دیںؐ کے
وہ خاک تو آنکھوں میں لگانے کے لیے ہے
(شہاب کاظمی)

خاک صحرائے مدینہ کے ہر اک ذرے کو
اپنی آنکھوں میں بسائیں گے مدینہ جا کر
(نظیر شاہجہانپوری)

ان آنکھوں کا مسعود سرمہ بناؤں
لگے ہاتھ اگر خاکپائے محمدؐ
(مسعود جعفری)

خاک اس در کی مری آنکھوں کا سرمہ ہے کلیم
کیوں نہ میں خود کو غنی اور تو نگر لکھوں
(کلیم عثمانی)

سنتے ہیں ملی اس سے بینائی زمانے کو
ہم خاک مدینہ کو آنکھوں سے لگا دیکھیں
(شمیم صہبائی متھراوی)

کنکریاں آنکھ کی پلکوں سے رکھوں چن چن کر
خاکروبی سے خدائی کا خزانہ دیکھوں
(شمس الدین بلبل)

ہاتھ آئے خاک اگر ترے نقش قدم کی
سر پہ کبھی رکھیں کبھی آنکھوں سے لگائیں
(حسرت موہانی)

آنکھوں میں لگا لوں میں اسے سرمہ سمجھ کر
مل جائے اگر خاک کف پائے محمدؐ
(مشوری لال اختر)

یہ خاک پاک طیبہ ہے یہاں سرکار رہتے ہیں
اسے آنکھوں کا سرمہ دل کے زخموں کی دوا لکھوں
(راز مراد آبادی)

رہتی ہے مرے دل میں تمنا ان کی — دیکھوں کہ کبھی صورت زیبا ان کی
ارمان ہے آنکھوں میں لگاؤں اسکو — مل جائے اگر خاک کف پا ان کی
(فدا خالدی)

خاکپائے رسولؐ کی تمنا میں روشن آنکھیں سدا سے ہی چراغاں کرتی آرہی ہیں۔ کبھی ان میں دید کی تمنا کے دیئے جلتے ہیں۔ کبھی عقیدت کے چراغ روشن ہوتے ہیں۔ کبھی یہ آنکھیں پلکوں پر ستارے اتار کر دلی جذبات سے اظہار کا وسیلہ بنتی ہیں تو کبھی دید کی سرشاری ان میں آنسوؤں کے چاند سورج اتار دیتی ہے۔ لیکن ان میں سب سے قیمتی چراغاں وہ ہوتا ہے۔ جب ان میں ندامت کے چراغ جل اٹھیں۔

دوسرے پلکوں پہ تارے لیکے آقا سے ملے
ہم کہ آنکھوں میں لیے پہنچے ندامت کے چراغ
(اختر لکھنوی)

اے نہاں کیا ہو بیاں اشک ندامت کا وقار
آنکھ سے قطرے کا گرنا تھا کہ گوہر ہو گیا
(رابعہ نہاں)

ہیں آنکھوں میں جسکی ندامت کے آنسو
کرم اس پہ سرکار کا کیوں نہ برسے
(نذیر احمد علوی)

صاف ہو جائے گا اک دن گناہوں کا حساب
میری بھیگی ہوئی آنکھوں میں ندامت بھی تو ہے
(جمشید چشتی)

ہے گنہگاری کا سرمایہ ندامت کا فروغ
خشک آنکھوں سے رواں اک موج طغیانی کریں
(مظہر عرفانی)

آنکھیں اور خواب مدینہ۔ آنکھیں اور خواب میں دیدار رسول عربیؐ۔ کون ہے جو اس تمنا سے نہیں مہک رہا ہے۔ آج کے دور میں جن آنکھوں کو یہ اعزاز میسر آجاتا ہے وہ قابل صد احترام ہیں۔ یوں سمجھ لیجئے کہ انھیں عقبیٰ میں کامیابی کی کلید ہاتھ آگئی۔

ان گنہگار آنکھوں کے حق میں کوئی معجزہ چاہتا ہوں
حضورؐ ایک بار آپؐ کو خواب میں دیکھنا چاہتا ہوں
(عزم بہزاد)

روئے جو خواب میں تو کھلی ان کے در پہ آنکھ
اس سے مقام شوق کوئی بیشتر نہ تھا
(فضل حق)

تیری یاد کو ترے خواب کو مری آنکھ رکھے سنبھال کے
میری زندگی کا جواز ہیں یہی عکس تیرے جمال کے
(محمد فیروز شاہ)

دیکھ رہی ہیں جاگتی آنکھیں تیرے سچے خواب
رحلِ شب پر صفحہ صفحہ کھلتی جائے کتاب
(نذیر قیصر)

اشکوں کی چادر چہرے پر آنکھوں میں گنبد عالی ہے
خوابوں کا نگر آباد رہے خوابوں میں سنہری جالی ہے
(صبیح رحمانی)

اللہ اللہ میری قسمت ایسا رتبہ اور میں
جاگتی آنکھوں سے دیکھوں خواب طیبہ اور میں
(سرور بارہ بنکوی)

آنکھوں کو نعت گو شعراء نے نعت کے مضامین میں اتنے متنوع۔ مختلف اور حسین رنگ میں استعمال کیا ہے کہ جتنا جدید اردو نعت کا مطالعہ کیا جائے سیری نہیں ہو سکتی۔ پھر مضمون کی تنگ دامانی بھی مکمل اظہار کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ اس لیے اس مضمون کو میں آخر میں ان چند اشعار پر ختم کرتا ہوں جہاں آنکھوں کو شعروں میں جدید ترین لہجے میں سچائی کی علامت کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔

آسودہ بصارت سے ہوئیں روضے پہ جا کر
آنکھیں لیے پھرتی تھیں اک تہمت بینائی
(پیرزادہ قاسم)

یہ اور بات مری آنکھ بھیگ جاتی ہے
ہمیشہ وجہ مسرت رہا حضورؐ کا ذکر
(سعید وارثی)

میں جب دیکھوں جدھر دیکھوں جہاں دیکھوں تجھے دیکھوں

تو میری آنکھ کی پتلی میں یوں تحریر ہو جائے
(عاصی کرنالی)

میں نے جن آنکھوں سے دیکھی تھیں سنہری جالیاں
آئینے میں اب وہ آنکھیں دیکھتا رہتا ہوں
(اقبال حیدر)

ماضی و حال آج تک آنکھیں بچھاتے ہیں بہ شوق
ناز آئندہ کو جس پر ہو وہ آئندہ ہیں آپؐ
(شاہ انصار الہ آبادی)

ذات آنکھیں حرف بہتے آئینے
شہر شب کھلتا ہوا باب قبول
(نذیر قیصر)

عجب دھوپ ہے دوریوں کی کہ جس میں
غلاموں کی ہر دم پگھلتی ہیں آنکھیں
(شاہین فصیح ربانی)

سفر کرتی ہے کیا کیا روح کی بینائی آنکھوں میں
کہ جب پیش نظر ہوتی ہے طیبہ کی زمیں روشن
(قمر وارثی)

خلد بریں تک آ گیا دیوانۂ رسولؐ
آنکھوں سے اسکے نقش قدم چومتا ہوا
(سرفراز ابد)

مجھے رتجگوں کے گداز میں وہی آہ نیم شبی ملے
انہی بند آنکھوں سے دیکھ لوں مری بھیگی پلکوں کو نور دے
(نذیر گیلانی)

تیری برکت سے منور ہوئیں جن کی آنکھیں
ان کے لہجے کو نبھالوں تو ترا نام لکھوں
(ابوالخیر کشفی)

شمع امید بن گئی وہ آنکھ
اشک جس نے وہاں بہائے ہیں
(ریاض الرحمن ساغر)

دیواروں میں کوئی روزن آنکھیں بھر سے کر دے روشن
جا کے کوئی منظر خوشتر صلی اللہ علیہ وسلم
(اشرف جاوید)

عجب تھا جوش گریہ اور عجب ہوش تصور تھا
طواف جلوہ میں حائل تھیں اور مائل نہ تھی آنکھیں
(محشر بدایونی)

بے سبب تو نہیں آنکھوں میں حنائی رنگت
رات بھر عطر محبت میں بسی ہیں آنکھیں
(رشید وارثی)

منسوب ہو کے کوئے رسالت مآب سے
آنکھیں ملا رہی ہے کرن ماہتاب سے
(احسان رانا)

گریۂ ہجر محمدؐ کے لیے
دل سمندر آنکھ دریا چاہیے
(ایاز صدیقی)

نبی کے در پہ پہنچ کے خود کو مثال کرتی ہیں میری آنکھیں
کمال رحمت کو دیکھتی ہیں کمال کرتی ہیں میری آنکھیں
(شاعر لکھنوی)

کتابیات

۱۔ (۱) نعت رنگ ۱ (۲) نعت رنگ ۲ (۳) نعت رنگ ۳ مدیر صبیح رحمانی اقلیم نعت کراچی۔

۲۔ کارواں نعت کے حدی خواں از اکرم رضا فروغ ادب اکادمی گوجرانوالہ

۳۔ ایوان نعت مرتبہ صبیح رحمانی ممتاز پبلشرز کراچی۔

۴۔ منتخب شاہکار نعتیں مرتبہ سعد اللہ شاہ الحمد پبلی کیشنز لاہور۔

۵۔ مشہور نعتیں مرتبہ منصور ندیم' ندیم پبلی کیشنز راولپنڈی۔

۶۔ نعت مصطفےٰ مرتبہ محمد رفیق نمازیانی نمازیانی پبلشرز کراچی۔

۷۔ محمدؐ مرتبہ راغب مراد آبادی جشن راغب کمیٹی کراچی۔

۸۔ اوج نعت نمبر (۱) اور (۲) ڈاکٹر آفتاب نقوی گورنمنٹ کالج شاہدرہ لاہور۔

۹۔ "آپ" شاعر حنیف اسعدی اقلیم نعت کراچی۔

۱۰۔ ماہنامہ نعت اشاعت خصوصی غیر مسلموں کی نعت گوئی لاہور۔

۱۱۔ ماہنامہ حمد و نعت اپریل مئی ۹۶ء مدیر شہزاد احمد انجمن ترقی نعت ٹرسٹ کراچی۔

۱۲۔ خوشبو سے آسماں تک مرتبہ قمر وارثی۔ اختر لکھنوی دبستان وارثیہ کراچی۔

۱۳۔ ثنائے محمدؐ شاعر ایاز صدیقی ملتان۔

۱۴۔ جادۂ رحمت شاعر صبیح رحمانی ممتاز پبلشرز کراچی۔

۱۵۔ نصاب عشق مرتبہ محمد محب اللہ اظہر منہاج نعت کونسل لاہور۔

۱۶۔ مشکوٰۃ النعت ادیب رائے پوری پاکستان نعت اکیڈمی کراچی۔

۱۷۔ نذرانۂ اشک مرتبہ غزالہ عارف کاملی پاکستان نعت اکیڈمی کراچی۔

گوشۂ خورشید رضوی

شان ان ﷺ کی سوچیے اور سوچ میں کھو جایئے
نعت کا دل میں خیال آئے تو چپ ہو جایئے

سونپ دیجئے دیدۂ تر کو زباں کی حسرتیں
اور اس عالم میں جتنا بن پڑے رو جایئے

یا حصارِ لفظ سے باہر زمینِ شعر میں
ہو سکے تو سرد آہوں کے شجر بو جایئے

اے زہے قسمت کسی دن خواب میں پیشِ حضورؐ
فرطِ شادی سے ہمیشہ کے لیے سو جایئے

اے زہے قسمت اگر دشتِ جہاں میں آپؐ کے
نقشِ پا پر چلتے چلتے نقشِ پا ہو جایئے

نازاں ہے اس پہ دل کہ بلایا گیا مجھے　　آخر در حضورؐ پہ لایا گیا مجھے
اس راہ میں زمیں کی طنابیں کھچی رہیں　　ہر گام گردشوں سے بچایا گیا مجھے
نادیدہ ایک لمس محبت تھا دستگیر　　تھک کر اگر گرا تو اٹھایا گیا مجھے
سورج بھی اقتدا میں چلا اور کشاں کشاں　　لے کر حضور میں مرا سایا گیا مجھے
ہر کہکشاں کی گرد مرے بال و پر میں تھی　　ایسی بلندیوں پہ اڑایا گیا مجھے
اشکوں کی چلمنوں سے زمانے گزر گئے　　جو کچھ سنا ہوا تھا، دکھایا گیا مجھے
خورشیدؔ حاضری یہ تصور میں ہی سہی
نازاں ہے پھر بھی دل کہ بلایا گیا مجھے

○

سمجھو کہ سب دکھوں سے شفا ہو گئی مجھے　　جب دل دکھا ہے نعت عطا ہو گئی مجھے
مجھ کو کسی سے پوچھ کے جانا نہیں پڑا　　وہ رہگزر ہی راہ نما ہو گئی مجھے
میں ایک مشت خاک تھا اور وہ بھی منتشر　　شیرازہ اس گلی کی ہوا ہو گئی مجھے
ڈوبی جو واں جبیں عرقِ انفعال میں　　موج سموم بادِ صبا ہو گئی مجھے
حاصل تمام عمر کی بینائیوں کا تھی　　دز دیدہ اک نظر کہ روا ہو گئی مجھے
سیرت کے آئنے پہ نگہ جم کے رہ گئی
یاد انؐ کی ایک ایک ادا ہو گئی مجھے

○

دل میں وفورِ جوش ولائے رسولؐ ہو　　منہ میں زبان مدح سرائے رسولؐ ہو
بند آنکھ میں ہو کوئے رسولؐ اور جب کھلیں　　آنکھیں تو متصل کفِ پائے رسولؐ ہو
بانت سعاد و بردۂ پاکیزہ کے طفیل　　حاصل مجھے بھی فیض ردائے رسولؐ ہو
دل میرا نورِ عشقِ محمدؐ سے جگمگائے　　جاں میری جلوہ گاہِ ضیائے رسولؐ ہو
اس کو جہانِ کذب و ریا کیا لبھا سکے　　وہ جس کو یاد صدق و صفائے رسولؐ ہو
اے دل یہ فرصتِ دو نفس رائگاں نہ جائے　　ایک ایک ضرب صرفِ ثنائے رسولؐ ہو
محشر میں آفتابِ قیامت کے روبرو
خورشیدؔ کو پناہِ عبائے رسولؐ ہو

بس احمدؐ کے لئے چشم برہ، زنگ آلود خانۂ دل پہ پڑا قفل گنہ، زنگ آلود
یا نبیؐ! ایک نظر جو اسے محکم کر دے جوش پیکار میں ہے میری زرہ زنگ آلود
نیم شب، گریۂ خلوت مجھے ارزانی ہو دور حاضر کی ہوا سے ہے مژہ زنگ آلود
ہو وہ فیضان کہ سینہ مرا ہلکا ہو جائے بار آہن ہے کوئی دل کی جگہ، زنگ آلود
تیرے پیغام کی جدت نہیں کھلتی اس پر کتنی صدیوں سے ہے امت کی نگہ، زنگ آلود
رزم گاہ حق و باطل میں اترنا کیسا ہو اگر خنجر و شمشیر پہ زنگ آلود
ڈال دے پر تو انوار نبوت اپنا کھول دے فکر کی ایک ایک گرہ زنگ آلود
خسروا! یہ تری جمہور نوازی کا ہے فیض کہ زمانے میں ہے تاج سرشہ زنگ آلود
تیرا در وا ہے سدا تیرے غلاموں کے لئے اہل دنیا کا ہر اک باب پنہ زنگ آلود
خضر پھر الف میقل انگشت کا ہے سال ہا سال سے آئینۂ مہ زنگ آلود

ہو عطا ایک تسلسل اسے تابانی کا
گاہ تاباں دل خورشید ہے گہ زنگ آلود

پھر رہِ نعت میں قدم رکھا پھر دم تیغ پر قلم رکھا
شافعِ عاصیاں کی بات چلی سر عصیاں ادب سے خم رکھا
صانعِ کُن کی غایتِ مقصود جس کی خاطر یہ کیف و کم رکھا
باعثِ آفرینشِ افلاک خاک کو جس نے محترم رکھا
آستاں پر 'امیؐ کے' جھکنے کو آسماں کی کمر میں خم رکھا
مدحتِ شانِ مصطفیؐ کے لئے دل میں سوز اور مژہ میں نم رکھا
ہاں اسی آخریں نوا کے لئے سازِ ہستی میں زیروبم رکھا
تو نے اے چارہ سازِ امتیاں دھیان سب کا بچشم نم رکھا
دکھ کسی کا ہو، اپنے دل پہ لیا تو نے ہم سے وہ ربط غم رکھا
تیری ہستی نے فرقِ امت پر تاج سرتاجیِ امم رکھا
ہر زمانہ ترا زمانہ ہے سب زمانوں کو یوں بہم رکھا
کوشش نعت نے مجھے خورشید خود سے شرمندہ دم بدم رکھا

لفظ عاجز ہوئے تو آخر کار
چشم تر نے مرا بھرم رکھا

میں ہوں، سفرِ شوق ہے، طیبہ کی ہوا ہے — غنچے کی طرح آج دلِ زار کھلا ہے
کچھ دیر کو اے ہم سفرو! باہر نہ آؤ — اک محشر جذبات مرے دل میں بپا ہے
اللہ ری رعنائی، بام و در طیبہ — جو میرے تصور میں تھی کچھ اس سے سوا ہے
ہر سمت وہی نکہت دامان محمدؐ — ہر گام وہی تابشِ نقشِ کف پا ہے
ہر نقش قدم میں وہ قدم دیکھ رہا ہوں — آنکھوں پہ مری، چاک زمانوں کی ردا ہے
قدموں سے سوا میری نگاہیں نہیں اٹھتیں — گو چہرۂ انور کی بھی ضو جلوہ نما ہے
دیدار میسر ہے، نہیں ہمتِ دیدار — سر سوئے زمیں بارِ ندامت سے جھکا ہے
سر کو مگر احساس ہے اک لمسِ کرم کا — وہ لمس کہ ہر درد سے پیغام شفا ہے
اس لمس نے انوار کے در کھول دیئے ہیں — وہ دیکھ رہا ہوں کہ جو دیکھا نہ سنا ہے
آہٹ ہے فضاؤں میں فرشتوں کے پروں کی — جو موج ہوا آتی ہے جنت کی ہوا ہے

اب دیکھئے کب ملتی ہے اس خواب کی تعبیر
میں ہوں، سفرِ شوق ہے، طیبہ کی ہوا ہے

○

گوشۂ سحر انصاری

دل سے ہم رحمتِ عالمؐ کے ہیں قائل ایسے
نہ شمائل ہیں کسی میں نہ فضائل ایسے

خواب ہو چشمِ تصور بھی شمائل ایسے
لفظ اظہار سے قاصر ہوں، فضائل ایسے

عمر بھر ہو نہ سکی جرأت سرتابی پھر
جو عدو تھے وہ ہوئے آپ کے قائل ایسے

موسمِ گل میں گلے ملتی ہیں شاخیں جس طرح
متحد ہو گئے خونخوار قبائل ایسے

جن کے اعمال بنے مشعلِ تہذیبِ جہان
مل گئے آپؐ کو اصحاب اوائل ایسے

روم و شام و عجم و مصر کو زنجیر کیا
گو بظاہر نہ میسر تھے وسائل ایسے

کوئی سن لے تو کبھی جائے نہ بت خانے تک
آپؐ کے پاس ہیں کعبے کے دلائل ایسے

کیا ہوا تم بھی اگر آ گئے روضے پہ سحر
آتے ہی رہتے ہیں اس در پہ تو سائل ایسے

روح کی سرخوشی، قلب کی روشنی، خاتمؐ الانبیا، خاتمؐ الانبیاؐ
ہیں ہمارے لیے حاصلِ آگہی، خاتمؐ الانبیا، خاتمؐ الانبیاؐ
کیسا خالق ہے، وہ جس کی تخلیق ہیں، کیسی تخلیق ہے، جس کا خالق وہ ہے
ہے یہی حمد، یہی نعت بھی، خاتم الانبیاؐ خاتم الانبیاؐ
سایۂ کیف عرش بریں آپ ہیں، سر لوح و قلم کے امیں آپ ہیں
آپؐ کے سرورِ عالم کی ہے سروری خاتم الانبیاؐ خاتم الانبیاؐ
جزوِ نورِ الٰہی بھی ہیں آپ ہی، اور بشر کی گواہی بھی ہیں آپ ہی
آپؐ پر ختم ہے شانِ پیغمبری، خاتم الانبیاؐ خاتم الانبیاؐ
اب کسی شہر کی دل کو رغبت نہیں، اب کسی آستانے کی حسرت نہیں
آپ کے در پہ جب ہو گئی حاضری خاتم الانبیاؐ خاتم الانبیاؐ
ایک ہی اسم ہے جس کی تاثیر سے، ہر زمانے کی تقدیر بدلی گئی
وِرد کر دورِ حاضر کی اے گمرہی، خاتم الانبیاؐ خاتم الانبیاؐ
کیسے کیسے، مذاہب کے بانی ملے، اپنی جانب جو اکثر بلاتے رہے
میرے لب پر سحرؔ نام تھا ایک ہی خاتم الانبیاؐ خاتم الانبیاؐ

○

کہیں سب آسمانی و زمینی سلامؐ رحمتہ للعالمینی
جو مخفی ہے وہی سب پر عیاں بھی زہے جلوت، زہے خلوت گزینی
گئے ان کے قدم اس سے بھی آگے بڑی منزل تھی گو سدرہ نشینی
نبیؐ کا قول ہے الفقر فخری کہاں یہ نکتہ دانی، نکتہ بینی
سبھی انؐ کے کرم کے منتظر ہیں بظاہر کیا یساری کیا یمینی
حیات انؐ کی مکمل درسِ ہستی اب اس کو دنیوی کہیے کہ دینی
کوئی سیکھے تو سیکھے آپؐ ہی سے طریقِ صادقی رنگِ امینی
دعاگو دشمنوں کے حق میں بھی تھے خوشا یہ خوش دلی خندہ جبینی
جو حضرتؐ کے قصیدہ گو رہے ہیں سحرؔ کی ہے انہی سے خوشہ چینی

جدا سب سے مقامِ مصطفیٰؐ ہے — زمیں تا عرش انؐ کا نقشِ پا ہے
کہوں میں کیا درِ انوار کیا ہے — مرے لب پر فقط صلّ علیٰ ہے
حضوری اور دوری ہیں اضافی — تصور کا مقدر ایک سا ہے
ہجومِ رہگزر کیا ہم سفر کیا — مسافر اپنی منزل ڈھونڈتا ہے
ہم انؐ سے کیا جتائیں اپنی نسبت — خدا کی ذات خود جن پر فدا ہے
رکھی ہے خلق کی بنیاد ایسی — مظاہر میں ہر اک محوِ ثنا ہے
ستارہ صبح کا ہے کس کا قاصد — یہ کس کی ترجماں بادِ صبا ہے
نظر رکھیں خدا کی نعمتوں پر — یہی نعتِ مصطفیٰؐ ہے
بہت ہیں آستانے وجد آگیں — سحرؔ کیفیتِ طیبہ جدا ہے

○

مومن ہے دل وسیلۂ ایمان آپؐ ہیں — نازاں ہوں میں کہ اب مری پہچان آپؐ ہیں
سب پر بقدرِ حوصلہ ہوتے ہیں منکشف — قرآن آپؐ معنیٔ قرآن آپؐ ہیں
دامن میں آپؐ کے ہیں دو عالم کی نعمتیں — ہر زاویئے سے سورۂ رحمان آپؐ ہیں
آپؐ آگئے تو کُن کی ضرورت نہیں رہی — یعنی خدا کا آخری اعلان آپؐ ہیں
انساں کی کیا مجال کہ وہ ہمسری کرے — گو آپؐ کہہ چکے ہیں کہ انسان آپؐ ہیں
ہر ذی نفس ہے چشمِ عنایت کا منتظر — از مہر تابہ ذرہ نگہبان آپؐ ہیں
غیروں کی عاقبت کا بھی ہے آپؐ کو خیال — امت کے واسطے بھی پریشان آپؐ ہیں
وجہِ سکوں ہے اسمِ گرامی کا ایک ورد — دشواریوں میں کس قدر آسان آپؐ ہیں
ہو جائے اک نگاہِ عنایت سحرؔ پہ بھی — سرکارؐ دو جہانوں کے سلطان آپؐ ہیں

○

جمالِ رحمتِ عالمؐ کسی کے دل میں آ جائے — تو دل کیفِ حضوری کی نئی منزل میں آ جائے
فقیر آسا درِ اقدس پہ جا بیٹھوں تو اچھا ہے — نہ جانے کیمیا کب کاسۂ سائل میں آ جائے
کسی نے اس سے پہلے معجزہ ایسا نہیں دیکھا — کہ شق ہونے کی خواہش خود مہِ کامل میں آجائے
عجب اعجاز ہے مدثر و یٰسین و طٰہٰ کا — نئی تاثیرِ ہستی بزمِ آب و گل میں آ جائے
عدو کو منقلب کر دے رخِ انور کی تابانی — بجائے تیغ شاخِ گل کفِ قاتل میں آ جائے
کشاکش ہائے ہستی میں سکوں ملتا نہ ہو جس کو — درود و ذکر و وجد و حال کی محفل میں آجائے
اثر ذکرِ محمدؐ کا سحرؔ ہوتا ہے یوں جیسے — کوئی گم گشتہ کشتی دامنِ ساحل میں آ جائے

جو در مصطفیٰؐ سے دور نہیں رحمت کبریا سے دور نہیں،
جسم میرا رہین شب ہی سہی دل چراغ حرا سے دور نہیں
دل ہی دل میں پکار کر دیکھو، وہ کسی بے نوا سے دور نہیں،
ناز کرتا ہوں میں کہ میری جبیں آپؐ کے نقش پا سے دور نہیں
مجھ سے عاصی پہ بھی کرم ہو جائے کچھ شہ دوسرا سے دور نہیں
آپؐ کا در ہے مجھ سے دور مگر میرے حرفِ دعا سے دور نہیں
مجھ کو محسوس ہو رہا ہے سحرؔ میں حبیبِ خدا سے دور نہیں

(

جس دن سے ہو کے شہر پیغمبرؐ سے آئے ہیں
لگتا ہے جسم و روح معطر سے آئے ہیں
مہرومہ و نجوم کی تابش کو کیا خبر
کچھ ہم ہی جانتے ہیں کہ کس در سے آئے ہیں
نکتہ نوازیوں پہ بشر کی نظر رہے
ہم تک یہ رمز شافع محشر سے آئے ہیں
اے دل یہ کہہ کہ اذن حضوری کا شکریہ
کیا اس جگہ ہم اپنے مقدر سے آئے ہیں
ہم کون ہیں کہاں سے ہم آئے ہیں کیا کہیں
ذرے ہیں، کوئے مہر منور سے آئے ہیں
اک رنگ ہے کہ جس میں نہائی ہوئی ہے زیست
اک کیف لے کے روضۂ اطہر سے آئے ہیں
جس کا خمار روز ابد تک رہے سحرؔ
وہ جام پی کے ساقیؐ کوثرؐ سے آئے ہیں

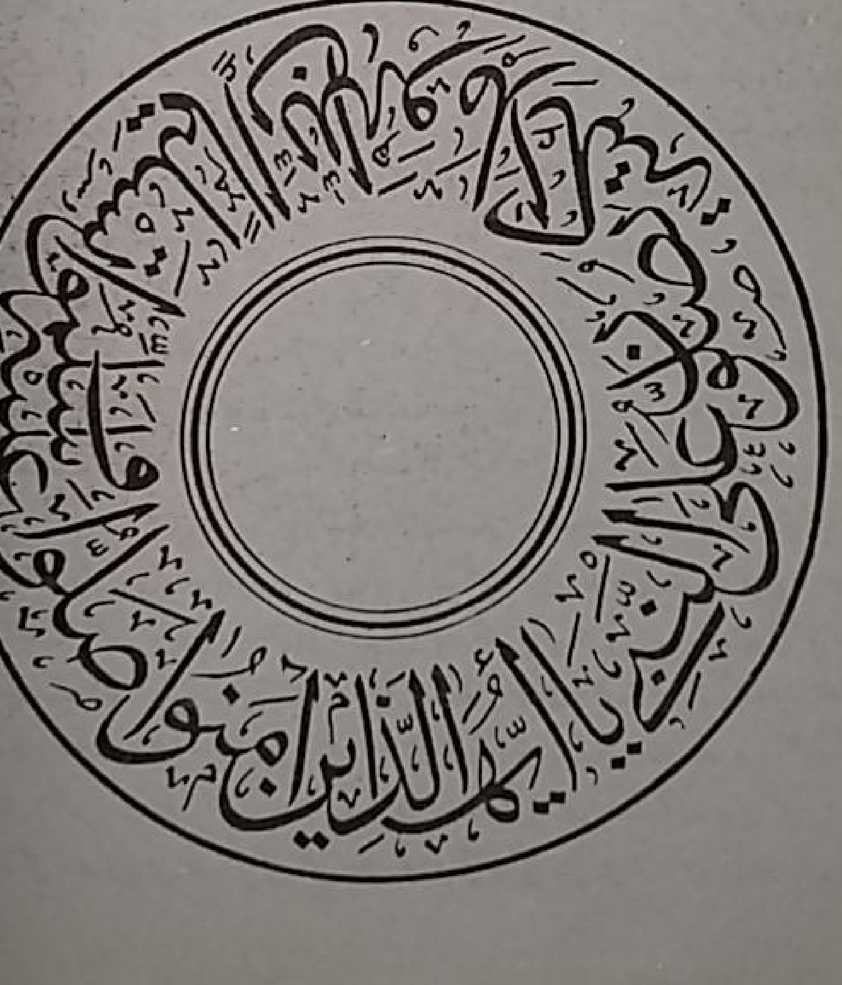
اردو نعت گوئی میں ہیئت کے تجربوں کی ضرورت

ڈاکٹر فرمان فتح پوری

اردو شاعری کی تاریخ کا مطالعہ ظاہر کرتا ہے کہ نعت گوئی نے دوسری اصناف سخن کی مقبولیت و ترقی کی رفتار کے ساتھ ساتھ اپنا قدم آگے بڑھایا ہے۔ اردو شاعری کی تاریخ کا ابتدائی دور جسے دکنی ادب کا دور کہہ سکتے ہیں عموماً" مثنوی سے متعلق رہا ہے۔ یعنی دوسری اصناف کی بہ نسبت مثنوی کی ہیئت زیادہ مقبول رہی ہے۔ یہ مقبولیت نعت گوئی پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔ چنانچہ نعت کے بیشتر نمونے مثنوی کی صورت ہی میں ملتے ہیں۔

شمالی ہند میں دکن کے اثرات برقرار رہے لیکن مثنوی کے ساتھ ساتھ چونکہ غزل و قصیدہ نے خصوصاً" فروغ پایا اس لیے نعت بھی عموماً" غزل و قصیدہ کی ہیئت میں لکھی جانے لگی۔ صرف دہلی اور لکھنؤ کے دبستانوں تک یہ بات محدود نہ رہی بلکہ جب مرشد آباد' بھوپال' رام پور وغیرہ میں اردو کے چھوٹے چھوٹے مرکز قائم ہوئے تو وہاں کے شعراء نے بھی عموماً" غزل اور قصیدے کی ہیئتوں میں نعتیں لکھیں اور یہ نعتیں بہت مقبول ہوئیں مغربی تہذیب تعلیم کے زیر اثر جب برصغیر پاک و ہند کی سماجی' سیاسی زندگی میں قابل ذکر تبدیلی رونما ہوئی اور انجمن پنجاب کے تحت طرحی مشاعروں کے لیے غزل کا مصرعہ دینے کے بجائے' نظم کا موضوع یا عنوان دیا جانے لگا تو اردو شاعری کی کلاسیکی ہیئتوں میں تبدیلی آئی اور غزل و قصیدہ کے ساتھ مخمس' مسدس' ترجیع بند اور ترکیب بند کی ہیئتوں کو بھی قابل توجہ سمجھا گیا۔ مثنوی کی ہیئت بظاہر قائم رہی لیکن اس کا مزاج ایسا بدلا کہ مثنوی پہلی جیسی مثنوی نہ رہی بلکہ جدید نظم ہو گئی اور مسدس و مخمس سے الگ مختلف تعداد کے بند کی صورت میں لکھی جانے لگی۔ جدید نظم کی اس صورت کو بھی نعت گوئی میں جگہ دی گئی لیکن رواں صدی کی چوتھی دہائی میں اور اس کے بعد جب نظم

جدید نے بالعموم جدید تر پابند نظم اور بلینک ورس یا نظم آزاد کی شکل اختیار کی تو نعت نے نہ جانے کیوں اس کا کوئی قابل ذکر اثر قبول نہ کیا اور یہ کیفیت وصورت ابھی تک باقی ہے۔ حالانکہ نعت کا موضوع اس امر کا متقاضی تھا کہ اسے جدید ہیئتوں میں زیادہ سے زیادہ برتا جاتا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا اور ہمارے شعراء عموماً" قدیم ہیئتوں خصوصاً" غزل کی ہیئت کو اپنائے ہوئے ہیں۔ اس مسئلے پر بطور خاص غور کرنے کی ضرورت ہے ورنہ خطرہ یہ ہے کہ اردو نعت گوئی کی صرف غزل کی ہیئت میں بند ہو کر محض جلسے جلوس میں ترنم سے پڑھنے اور قوالی کی محفلوں میں گانے کا سرمایہ بن کر نہ رہ جائے نعت کا موضوع بہت بڑا ہے اور بڑا موضوع شاعر سے فکر و فن کے بڑے کینوس کا تقاضا کرتا ہے یوں تو اردو نعت کے سرمائے میں اگر غزل کی ہیئت کی نعتیں بھی نہایت بیش بہا مقام رکھتی ہیں۔ لیکن غلام امام شہید' کرامت علی شہیدی' اقبال سہیل' محسن کاکوروی کی طویل نعتیہ مثنویات و قصائد' علامہ اقبال کی نظموں اور مولانا حالی کے مسدس کے نعتیہ اجزاء کی بات ہی کچھ اور ہے اس لیے اردو نعت کو شعر کی نئی نئی ہیئتوں اور فکر و فن کے نئے سانچوں سے ہم آہنگ کرنے کی ضرورت ہے۔



محرکاتِ نعت

ڈاکٹر سلیم اختر

پورے قد سے جو کھڑا ہوں تو یہ تیرا ہے کرم
مجھ کو جھکنے نہیں دیتا ہے سہارا تیرا

اگرچہ شاعری کے محرک کئی جذبات ہیں لیکن ان میں محبت کا جذبہ غالباً" سب سے زیادہ قوی اور دیرپا ثابت ہوتا ہے۔ محبت کا جذبہ جب فن کی صورت اور تخلیق کے روپ میں جوت پاتا ہے تو پرزم سے نکلی شعاع کی مانند کئی رنگوں میں منقسم ہو جاتا ہے۔ ہر رنگ اگرچہ حسن اور دلکشی میں منفرد ہوتا ہے مگر اپنی اصل سے اس کا ناتہ ہمیشہ برقرار رہتا ہے۔ اسی طرح انسان جب محبت کا اظہار تخلیقی سطح پر کرتا ہے تو یہ بھی متنوع روپ دھارتی ہے۔ ایک سطح پر یہ مثالی محبت ہے پھر اس سے بلند تر سطح پر یہ مجرد (آئیڈیل' تصور' وطنیت) کی محبت ہے اور سب سے بلند ترین سطح پر یہ خدا اور اس کے رسولؐ کی محبت ہے۔ شاید اسی لیے اردو ادب میں حمد و نعت قدیم زمانے سے ملتی ہیں۔

حضرت محمد صلعم سے محبت ایسا ہمہ گیر جذبہ ہے کہ کیا نیک و پرہیزگار اور کیا عاصی و غفلت شعار سبھی نے اپنے دل میں حضورؐ کی محبت کی تپش محسوس کی' یہ الگ بات ہے کہ ہر شخص نے تخلیقی طور پر اس کا اظہار نہ کیا ہو' ایسا ہو بھی نہیں سکتا کہ تخلیقی صلاحیتیں ہر شخص میں نہیں ہوتیں لیکن اتنا یقینی ہے کہ قدیم دکنی ادبیات سے لے کر آج کے جدید نظم گو تک شعراء اپنے اپنے انداز میں نعت کی صورت میں آنحضرتؐ کی خدمت میں خراج تحسین پیش کرتے رہے اور وہ بھی اس احساس کے ساتھ :

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

نعت کے محرک جذبے کو محبت سے واضح کرنے کے باوجود یہ امر واضح رہے کہ یہ لفظ عمومی حیثیت میں ان تمام جذبات و احساسات کا احاطہ نہیں کرپاتا جو انفرادی حیثیت میں کسی بھی نعت گو کے لیے محرک کا کام کرسکتے ہیں۔ شاید ان تمام جذبات و احساسات کی درجہ بندی ممکن بھی نہ ہو تاہم چند اہم محرک جذبات و احساسات کی نشاندہی کی جاتی ہے۔ یہ تو طے ہے کہ ان محرک جذبات میں آنحضرتؐ سے محبت اور عقیدت سرفہرست ہے بقول علامہ اقبال :

ہوا ہو ایسی کہ ہندوستاں سے اے اقبال
اڑا کے مجھ کو غبار رہ حجاز کرے

یہی جذبہ نعت گو میں عرب اور مدینہ منورہ جانے کی خواہش پیدا کرتا ہے۔ کبھی یہ خواہش خالص محبت کی بنا پر ہوتی ہے تو کبھی دنیا سے فرار اختیار کر کے روضۂ رسولؐ میں پناہ لینا مقصود ہوتا ہے۔ یہی جذبہ پیکر اسلوب میں ڈھل کر عرب کی ہر شے، شجر و حجر کو مقدس بنا دیتا ہے۔ یوں صحرا، ریت، شتر، کاروان، وہاں کی ہوا اور صبح و شام الغرض تمام مظاہر سے والہانہ شیفتگی کا اظہار کیا جاتا ہے اور پھر ان سب پر مستزاد گنبد خضراء جو سبز رنگ کی بنا پر ایک طرف اگر اسلام کی پاکیزگی اور طہارت کی علامت بنتا ہے تو دوسری طرف آنحضرتؐ کے مزار کی نشانی۔ جبھی تو حسرت موہانی کہتے ہیں :

اے قافلے والو کہیں وہ گنبد خضراء
پھر آئے نظر ہم کو کہ تم کو بھی دکھائیں

جبکہ علامہ اقبال اس شعر میں ہر مسلمان کے دل کی آرزو کی ترجمانی کر رہے ہیں :

اوروں کو دیں حضور یہ پیغام زندگی
میں موت ڈھونڈتا ہوں زمین حجاز میں

نعت کا ایک اور قوی محرک شفاعت و بخشش کی آرزو ہے ہر مسلمان اس عقیدے کا حامل ہے کہ قیامت کے دن جب گناہوں کے بوجھ تلے دبی روح اپنے خالق کے حضور خوار و خجل ہوگی تو اس وقت صرف آنحضرتؐ کا رحم مجسم پیکر ہی گناہوں کی سزا سے بخشش کرا کے دوزخ سے بچا لے گا چنانچہ شفاعت کا یہ خوش آئند تصور نعتوں میں متنوع انداز سے اظہار پاتا رہا ہے : بقول امیر مینائی :

بحر سخاوت، کان مروت، آیۂ رحمت، شافع امت
مالک جنت، قاسم کوثر صلی اللہ علیہ وسلم

بعض شعراء نے شفاعت اور بخشش کی توقع کے باوجود اس بنا پر بھی اپنے گناہوں پر ندامت اور پشیمانی کا اظہار کیا کہ حضور کے امتیوں کو یہ زیب نہ دیتا تھا چنانچہ عارف عبدالمتین کے بموجب :

آرزو مند ہوں مٹ جائیں یہ داغ عصیاں
ورنہ شرماؤں گا میں روز قیامت تجھ سے

مدح کے لحاظ سے نعت قصیدہ سے مشابہہ نظر آتی ہے ہرچند کہ اس میں قصیدہ کی روایتی تکنیک سے کام نہیں لیا جاتا ویسے اس ضمن میں بھی دو پہلو ملتے ہیں ایک سراپا نگاری اور دوسرے اوصاف حمیدہ کا بیان۔ سراپا نگاری کے سلسلے میں یہ نکتہ بہت اہم ہے کہ شاعر نے آنحضرتؐ کی شبیہہ مبارک نہیں دیکھی اس لیے سراپا نگاری میں وہ حسن کی مجرد کیفیات کے بیان پر انحصار کرتا ہے۔ یہ ایسی خصوصیات ہوتی ہیں جو انفرادی حیثیت میں بھی ہر لحاظ سے مکمل ہوتی ہیں۔ تاجور نجیب آبادی کہتے ہیں :

جلال اتنا کہ حسن میں بھی ہو جس سے شان نیاز پیدا
جمال ایسا کہ جس کی تابش سے پتھروں میں گداز پیدا
ترے فروغ جمال کی تابشیں یہ سب کو بتا رہی ہیں
کہ تیری صورت میں تیری سیرت کی طلعتیں جگمگا رہی ہیں

نعت گو شعراء نے آنحضرتؐ کے جمال کو صرف خدوخال تک محدود نہ رکھا بلکہ ان کے اوصاف حمیدہ کو بھی جمال میں شامل کر لیا اور یہ بالکل درست ہے کیونکہ کرداری اوصاف کے بغیر محض جسمانی حسن پیغمبرانہ شان کے منافی ہے۔ عبدالعزیز خالد کہتے ہیں :

محمہ آیۂ نور و خلق مجسم، تو محبوب یزداں و نور ہدا ہے
روف و رحیم و مطاع و مزکی مہاجر ہے خود کو مسافر کہا ہے
تو فقرو قناعت کا روشن ستارہ محمد ہے احمد ہے تو مصطفےٰ ہے
تو دلجوئی و غم گساری کا پیکر تو خیر البشر اشرف الانبیاء ہے
طبیعت میں دلسوزی و دل نوازی تو دلگیر کے درد دل کی دعا ہے

نعت گوئی کے ان چند محرکات کے بیان کا یہ مطلب نہیں کہ تمام نعت گو صرف ان ہی کے مطابق نعت کہتے ہیں۔ نعت شاعر کی اسلامی اور تخلیقی شخصیت کے امتزاج کا فن کارانہ نمونہ ہوتی ہے اس لیے اظہار میں اتنا ہی تنوع ملتا ہے جتنا کہ خود مسلمانوں کے تخلیقی مزاج میں۔ قلی قطب شاہ سے لے کر آج کے ہائیکو نگار تک انداز و اسلوب میں تنوع ہی تنوع ہے اگرچہ زبان کی وجہ سے اب دکنی شعراء کی نعتوں کا مطالعہ خاصہ دشوار ہے تاہم ولی کے ہاں زبان کی جو صفائی ملتی ہے اس کے باعث وہ آج کا شاعر معلوم ہوتا ہے ولی کا ایک نعتیہ شعر پیش ہے :

جس مکاں میں ہے تمہاری فکر روشن جلوہ گر
عقل و دل آئے وہاں اقرار نادانی کرے

اردو کے کسی بھی بڑے سے بڑے شاعر کا نام لے لیجیے اس نے کسی نہ کسی انداز میں آنحضرتؐ کے حضور نذرانۂ عقیدت ضرور پیش کیا ہو گا اور ایسا ہی ہونا چاہیے تھا کہ بقول حفیظ تائب :

خوش فعال و خوش خصال خوش خبر خیر البشرؐ
خوش نژاد و خوش بہار خوش نظر خیر البشرؐ
دل نواز و دل پذیر دل نشین و دل کشا
چارہ ساز و چارہ کار و چارہ گر خیر البشرؐ

جدید اردو نعت اور علامت نگاری

احمد ہمدانی

نعت گوئی صرف ہماری شاعری کی ایک صنف ہی نہیں بلکہ اسلامی تہذیب و ثقافت کا ایک منفرد عنصر بھی ہے۔ تہذیب و ثقافت کا عنصر ہونے کی حیثیت سے اس میں تہذیبی و ثقافتی تبدیلیوں کے ساتھ مسلسل تبدیلیاں بھی آتی رہی ہیں۔ ان مسلسل تبدیلیوں کو دیکھتے ہوئے ہم نہایت وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ نعت گوئی ایک زندہ صنف ہے جو اسلامی تعلیمات کی طرح زندگی کے ہر موڑ پر بھرپور معنویت کے ساتھ ہمیں اپنی طرف متوجہ رکھتی ہے۔

اگر ہم نعت گوئی کے سفر پر ایک نظر ڈالیں تو ہم دیکھیں گے کہ ایک زمانہ تھا جب نعت گوئی میں 'کنہ رسالت' کو اجاگر کرنے پر سب سے زیادہ زور دیا جاتا تھا۔ اردو شاعری میں محسن کاکوروی اس دبستان کے نہایت معتبر نمائندہ ہیں کنہ رسالت' کے علاوہ عشق رسالت' سے سرشار شاعری کا سرمایہ بھی ایک مدت تک ہماری تخلیقی کاوشوں کا باعث افتخار مظہر رہا ہے اور آج بھی اس میں کوئی کمی نہیں آئی ہے مستقبل میں بھی عشق رسالت' ہی ہماری سب سے بڑی پہچان رہے گا۔ عشق رسالت' کے گہرے جذبات کے ساتھ ساتھ بالخصوص مولانا حالی کے مسدس کے بعد سے سرکار رسالت' کو ابھار کر امت مسلمہ کو تعلیمات اسلامی پر عمل پیرا ہونے کی دعوت کا سلسلہ بھی نہایت مؤثر انداز سے شروع ہوا جسے ہم افادی و مقصدی ادب کا حصہ بھی کہہ سکتے ہیں موضوعات کی یہ تبدیلی اس امر کی واضح شہادت ہے کہ نعت گو شعراء نے اطراف کے حالات کو موضوع بنانے کی ضرورت کے تقاضوں کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھا ہے جن حالات میں حضورؐ کی ذات اقدس کو موضوع بنانے کی ضرورت تھی تو کنہ رسالت' اجاگر کرنے پر زور دیا گیا اور جب ہمارے اجتماعی احساس کی پہچان حضورؐ سے عقیدت و محبت کی سرشاری تھی عشق رسالت' ہی ہماری نعتیہ شاعری کا مقبول ترین موضوع بنا رہا لیکن جب امت مسلمہ زوال کا شکار ہوئی تو سرکار رسالت' اور تعلیمات اسلامی' کو نعت کا موضوع بنایا گیا ایسا نہیں ہے کہ یہ موضوعات ایک دوسرے سے الگ کرکے برتے گئے ہوں اور ہر زمانے کے لئے کوئی ایک موضوع ہی اختیار کیا گیا ہو بلکہ ہر زمانے میں یہ سب موضوع ایک ساتھ برتے جاتے رہے ہیں' تاہم مخصوص حالات میں کسی ایک موضوع پر زور اس زمانے کے حالات کی مطابقت میں دیا جاتا رہا ہے۔

اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے نعت گو شعراء نے اطراف کے حالات پر بیشتر گہری نظر رکھی ہے۔

موضوعات میں تبدیلی کے ساتھ ساتھ طرز اظہار اور اسالیب بیان میں بھی مسلسل تبدیلیاں آتی رہی ہیں۔ ہمیں اپنی نعتیہ شاعری میں سادگی و پرکاری کے ساتھ تشبیہات و استعاروں' تلمیحات' اور کنایوں کا استعمال نہایت دل آویز انداز کے ساتھ نظر آرہا ہے۔ تشبیہات' استعاروں اور کنایوں کے سلسلہ میں ہم نے حضورؐ کے اسمائے صفات سے خاطر خواہ استفادہ کیا ہے جبکہ تلمیحات کے سلسلہ میں حضورؐ کی حیات طیبہ کے واقعات اور قرآن پاک میں آپ کے ذکر مبارک سے ممکنہ حد تک فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ لیکن پچھلے دنوں ہماری شاعری میں آزاد و معرا نظموں اور علامت نگاری کی تکنیک کا رواج بھی خاصے بڑے پیمانے پر مقبولیت حاصل کر رہا ہے لہٰذا ہماری نعتیہ شاعری میں بھی ان جدید ترین اصناف و اسالیب سے آراستہ تخلیقات کی کوئی کمی نظر نہیں آتی آزاد و معرا نظموں سے تو ہم پوری طرح مانوس ہو چکے ہیں البتہ علامتی طرز اظہار کے بارے میں ابھی کچھ الجھنیں باقی ہیں لہٰذا ضروری ہے کہ ہم علامت و استعارے کے فرق کو سمجھ لیں اور پھر اپنی نعتیہ شاعری میں علامتوں کا جائزہ لیں

علامت نگاری دراصل ایک شعوری اور ارادی تکنیک ہے۔ علامت نگار شعراء کہتے ہیں کہ خارجی و معروضی عالم گزراں اصل میں حقیقت نہیں ہے لہٰذا اس کے مناظر اور اس کی اشیاء میں مشابہتیں بھی غیر حقیقی ہیں چنانچہ یہ لوگ اپنے احساس میں جنم لینے والے ہیجانات ہی کو حقیقی تصور کرتے ہیں اور ان ہیجانات کی مماثلتوں کو علامت کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ ہم اس وقت علامت نگاری کی ماہیت کی بحث میں پڑے بغیر ہی اپنی نعتیہ شاعری میں علامتوں کے استعمال کا جائزہ لینے پر اکتفا کریں گے

نذیر قیصر ایک عیسائی نعت گو شاعر ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ حضورؐ صرف مسلمانوں کے لیے رحمت نہیں تھے بلکہ رحمت للعالمین ہونے کے ناتے وہ تمام انسانوں کے لیے رحمت تھے۔ لہٰذا وہ عیسائی ہونے کے باوجود ثنائے رسولؐ پاک کو اپنا شعار بنائے ہوئے ہیں۔ ان کی نعتیہ شاعری میں علامتوں کا استعمال بڑی خوبصورتی سے ہوا ہے مثلاً "ان کے یہ اشعار دیکھئے"

دن سے پہلے سورج آئے رات سے پہلے شام — کبھی ترے نقش قدم ہیں خوشبو ترا قیام
دھرتی پر پھیلائے کس نے روشنیوں کے کھیت — ترے پاؤں کو چومنے والی پاک مقدس ریت
خوشبو اسم بنے اور اسم سے آگے نور کا ہالا — آج کی رات اس ہالے کو میں تھا دیکھنے والا
پہلی شام مدینہ کی اور دھند سے لپٹے باغ — سایہ سایہ دیکھ رہا ہوں صورت اور چراغ
کوئی
درود پھول بنے بھی ترا درشن ہو

اڑ رہی ہے دوش پر صحرا کی شال ہاتھ میں کھِلتا ہوا کرنوں کا پھول

آیئے ان اشعار میں جو علامتیں استعمال ہوئی ہیں ان پر ایک نظر ڈالیں یہ چند علامتیں دیکھیے۔ قیام خوشبو' نام خوشبو' روشنیوں کے کھیت' دھند میں لپٹے باغ' صورت اور چراغ' درد کا پھول' صحرا کی شال' اور ہاتھوں میں کرنوں کا پھول یہ سب نہایت فکر انگیز علامتیں ہیں مثلاً "خوشبو ترا قیام سے مراد حضورؐ کی ولادت سے پردہ کرنے تک کا زمانہ ہے جسے شاعر نے پوری نوع انسانی کیلئے فرحت و شادمانی کا سبب بتایا ہے۔ اسی طرح حضورؐ کا نام نامی اسم گرامی اپنی جگہ ہمیشہ کیلئے فرحت و شادمانی کا اشاریہ ہے۔ روشنیوں کے کھیت کی بلاغت قابل داد ہے روشنیوں سے مراد حضورؐ کی تعلیمات ہیں جبکہ کھیت ان تعلیمات کے بڑھنے اور پھیلنے کا اشارہ ہے۔ دھند میں لپٹے باغ سے ذہن ایام جاہلیت کا منظر آنکھوں کے سامنے لاتا ہے۔ یہاں کے باغ سے مطلب عالم انسانیت ہے اور دھند میں لپٹنے کا مطلب گمراہی اور تاریکی میں گھرا ہونے سے ہے یعنی حضورؐ کی آمد سے پہلے عالم انسانیت تاریکی میں گھرا ہوا تھا۔ صورت اور چراغ سے مراد حضورؐ کی ذات اقدس اور آپ کی تعلیمات ہیں۔ درد پھول بنے یعنی حضورؐ کی زیارت سے درد فرقت اپنی جگہ فرحت و شادمانی بن جائے۔ صحرا کی شال سے مراد ریگستاں کا طرز حیات ہے اور ہاتھوں میں کرنوں کا پھول کا مطلب ہے قرآن پاک ان علامتوں میں ظاہری مشابہتیں نہیں ہیں لیکن تاثرات و احساسات میں موجود مماثلتوں سے انکار ممکن نہیں

نذیر قیصر کی نعتیہ شاعری کے سلسلہ میں انکی ایک نظم سے اقتباس ملاحظہ ہو

وہ ریگ تشنہ کی شال اڑاتا
وصال و ہجر کے موسموں کا رسول
قصوا کے پاؤں سے بجتی دھول
میں کھِلتے پھول

ریگ تشنہ کی شال سے مراد بعثت سے پہلے سرزمین عرب کے حالات میں وصال و ہجرت کے موسموں سے مراد بعثت مکہ سے مدینہ ہجرت کا بعد ہجرت قیامت تک کا زمانہ ہے۔ قصوا حضورؐ کی اونٹنی کا نام ہے۔ مراد یہ ہے کہ حضورؐ اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر جدھر جدھر سے بھی گزرے وہاں زندگی میں نکھار اور سنوار پیدا ہو گیا۔ غرض یہ کہ ان چار مصرعوں میں حضور کی ذات اور تعلیمات کو جس بھرپور انداز سے اجاگر کیا گیا ہے اسکی مثال علامتی اسلوب میں مشکل سے ہی نظر آتی ہے۔ نذیر قیصر کی دوسری نظمیں بھی علامت نگاری کی کامیاب مثالیں ہیں ورنہ ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر علامت نگار مہملیت' بے معنویت اور چیستاں گوئی کا شکار ہو کر رہ جاتے ہیں۔

رشید قیصرانی علامت نگار شاعر ہیں۔ انکی نعتیہ نظم جس میں علامتوں کا نہایت خوبصورت استعمال ہوا ہے ملاحظہ فرمائیں

اک دیپ جلا اندھیاروں میں
ظلمت کے بپھرے سینوں سے
اک چیخ اٹھی
اک شور مچا
یہ روپ سروپ اندھیاروں کا
برسوں سے قائم دائم ہے
یہ کس کی جرأت ہے
یہ کس کا دم ہے
یہ کون ہماری نگری میں
ظلمات کا دم یوں نوچتا ہے
صدیوں کی سوکھی دھرتی پر
یہ کون اجالے پھینکتا ہے
بے خوف و خطر
چپکے چپکے
وہ دیپ مگر جلاتا ہی رہا
یہ دیکھو ظلمت گاہوں سے
کچھ زہر بھرے اژدر نکلے
کچھ سانپ سنپولے در آئے
کچھ تند ہوائیں چیخ اٹھیں
کچھ تیز بگولے لہرائے
ظلمات کی ساری سینائیں
اک تنہا دیپ پہ ٹوٹ پڑیں
اتنے میں کچھ پروانوں نے
اس دیپ پہ گھیرا ڈال لیا
یہ پروانے لاچار بھی تھے
کمزور ضعیف اور نزار بھی تھے
ہر دیپ کی رکشا کی خاطر

وہ جان ہتھیلی پر رکھ کر

طوفان کے منہ میں کود پڑے
کچھ پار لگے
کچھ ڈوب گئے
یلغار سے پروانوں کی مگر
طوفان کے چھکے چھوٹ گئے
اتنے میں کچھ بیراگی بھی
قندیل جلائے آ پہنچے
وہ دیپ جو تنہا جلتا تھا
اس دیپ سے لاکھوں دیپ جلے
طوفان کا سینہ چاک ہوا
دم ٹوٹ گیا اندھیاروں کا

یہ نظم بعثت سے فتح مکہ اور پھر خلافت راشدہ کے پورے دور کی تاریخ ہے بلاشبہ اس طرح کی علامتی نظمیں ہماری نعتیہ شاعری میں ایک نئے باب کا اضافہ کر سکتی ہیں۔ علامت نگاروں سے ہٹ کر ہمارے روایتی انداز کے نعت گو شعراء کے ہاں بھی کہیں کہیں علامتوں کا استعمال نظر آتا ہے۔

عہد حاضر کے نعت گو شعراء میں جناب حفیظ تائب کو نہایت نمایاں و ممتاز مقام حاصل ہے انھوں نے اپنی ذات کو ثنائے رسولؐ کے لیے وقف کر رکھا ہے ان کے نعتیہ کلام کے ایک ایک مصرعے میں بلکہ ایک ایک لفظ میں انکے دل کی دھڑکنوں کی آواز صاف سنائی دیتی ہے حضورؐ سے گہری عقیدت و محبت کے ساتھ تعلیمات رسولؐ کو نہایت احتیاط سے واضح کرنا ان کی نمایاں خصوصیت ہے نعت گوئی کے سلسلے میں آداب رسالت پر پوری طرح نظر رہی جمائے وہ رسول پاکؐ کے اسمائے صفات کیساتھ نہایت پاکیزہ استعارات و تشبیہات سے کام لیتے ہیں لیکن انکے ہاں غیر شعوری طور پر کہیں کہیں کچھ علامتیں بھی استعمال ہوئی ہیں جو انکے احساسات کی لطافت و نزاکت کا نتیجہ ہیں چند اشعار ملاحظہ ہوں

میرے دامن میں جو گل ہائے کرم تیرے ہیں — انکی خوشبو سے مہک جائے مشام عالم
پھول کھلنے لگے طبیعت میں — لب کھلے جب نبی کی مدحت میں

گلوں سے دل کی زمینوں کو بھر دیا تو نے　خیرہ تیرہ کو گلنار کر دیا تو نے
ہوائے تازہ سے مہکا دیا زمانے کو　مسافروں کو یہ برگ سفر دیا تو نے
لفظ کو جب بھی نارسا پایا　پھول مژگاں کے رنگ لانے لگے

ان اشعار میں۔ پھول کھلنے لگے طبیعت میں' "ان کی خوشبو سے مہک جائے مشام عالم" دل کی زمینوں کو گلوں سے بھر دیا' ہوائے تازہ سے جہاں کو مہکایا' اور مژگاں کے پھولوں کا رنگ لانا۔ ایسی علامتیں ہیں جن کو حضورؐ کی تعلیمات کا اشاریہ کہا جا سکتا ہے لیکن یہ کسی ہیئت کے تجربہ یا کسی شعوری اور ارادی تکنیک کا نتیجہ نہیں ہیں بلکہ جناب حفیظ تائب کے احساسات کی لطافت و نزاکت سے وجود میں آتی ہیں

سرشار صدیقی کی قسمت پر مجھے رہ رہ کر رشک آتا ہے۔ اسکی نعت گوئی اس کے حال پر خود سرکار دوعالمؐ کے کرم کا نتیجہ ہے ۱۹۸۴ء میں اسے ارض مقدس کی زیارت نصیب ہوئی جہاں رحمت للعالمین کی نظر توجہ سے اس نے اپنے کھوئے ہوئے وجود کو دریافت کیا۔ روضہء رسولؐ کی ضیاء بار فضاؤں میں جب اس نے اپنی روح یا اپنے حقیقی وجود سے آنکھیں چار کیں اور اپنی پچھلی زندگی پر نظر ڈالی تو اسکی آنکھیں شرم و ندامت سے زمین میں گڑی ہوئی محسوس ہوئیں۔ اور اشکوں کا ایک دریا کچھ اس انداز سے بہنا شروع ہوا جیسے پچھلی زندگی کی تمام تر کمزوریاں دھل کر اس کے لہو میں اجالے بکھیر رہی ہوں۔ اس کی نعتیہ شاعری ان اجالوں کی صوتی تصویر ہے۔ اس صوتی تصویر میں کہیں کہیں فکر انگیز علامتیں بھی نظر آتی ہیں لیکن یہ علامتیں کسی شعوری کوشش کا نتیجہ نہیں ہیں بلکہ سرکار دوعالمؐ سے اس کی گہری عقیدت کی مظہر اور حضورؐ کی توجہ و التفات کا اظہار سپاس ہیں چند اشعار ملاحظہ ہوں

افق تیرہ پہ پڑنے لگی کرنوں کی کمند　صبح کی چہرے سے تاریکی کے آنچل ڈھلکے
ان فضاؤں میں کھلا یہ مجھ پر　سانس لیتی ہے اب بھی سچائی
ایک لمحے میں دھندلکوں کا فسوں ٹوٹ گیا　سانولے ذروں میں جاگ اٹھی جبین سحری

یا اس کی نظم کے یہ مصرعے

کیا یہ میں ہوں
شاید میں ہوں
لیکن سوکھے پیڑ کی
ٹوٹی شاخ سے آخر
کونپل کیسے پھوٹی ہے

یہ تمام اشعار اور نظم کا اقتباس اس کے مجموعۂ کلام "اساس" سے لیے گئے ہیں یوں تو پورا مجموعہ سرشار کے جذبے کا مظہر ہے لیکن ہم نے یہاں ان اشعار میں اور نظم کا اقتباس اپنے موضوع کے لحاظ سے صرف علامتوں کے حوالے سے پیش کیا ہے ذرا ان علامتوں پر غور فرمائیں "افق تیرہ" "تاریکی کے آنچل" "دھندلکوں کا فسوں" وغیرہ حضورؐ کی آمد سے پہلے کی تاریک فضا کو آنکھوں کے سامنے لاتی ہیں جبکہ "کرنوں کی کمند" حضورؐ کی تعلیمات کا اشاریہ ہے۔ سوکھے "پیڑ کی ٹوٹی شاخ" "کیسے پھوٹی" علامات خود شاعر کی اپنی کیفیت کی ترجمان ہیں سوکھے پیڑ کی ٹوٹی شاخ سے مراد خود شاعر کی اپنی ذات اور ماضی کی زندگی ہے اس ٹوٹی شاخ سے کونپل کیسے پھوٹی سے مراد یہ ہے کہ ماضی کی تمام تر خامیوں اور کمزوریوں کے باوجود معرفت حق کی توفیق کیسے ہوئی اس سوال میں حضورؐ کی چشم کرم کی طرف اشارہ ہے آئیے اب چند دوسرے شعراء کی کچھ علامتوں پر نظر ڈالتے ہیں

زنجیر پا ہیں فکر و نظر بھی پس غبار۔ خنجر بکف ہیں قصرِ جہالت کے شکری

ریاض حسین چودھری

اتارے جسم و جاں پر اسؐ نے موسم شادمانی کے۔ بدل دی شہر ہستی کی فضا اول سے آخر تک

صبیحؔ رحمانی

بجھ رہی ہیں نئی تہذیب کی قندیلیں بھی۔ روشنی پھر ترے قدموں کی ضیاء مانگے ہے

خاور اعجازؔ

ان اشعار میں "پس غبار" "جہالت کے شکری" "موسم شادمانی کے" اور قدموں کی ضیاء نہایت معنی خیز علامتیں ہیں راقم الحروف حد سے زیادہ ذاتی اور اشاریت سے خالی علامتوں کا بالکل قائل نہیں ہے لیکن اشاریت سے آراستہ علامتیں جدید ترین اسلوب کی قابل قدر خصوصیت ہیں۔ ہر چند ابھی ہماری نعتیہ شاعری میں علامتوں کا استعمال بہت زیادہ نہیں ہے لیکن بدلتے ہوئے حالات کے پیش نظر ہماری نعتیہ شاعری میں بھی علامتی طرز اظہار کے رواج پانے سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

دکن کی صاحبِ دیوان نعت گو شاعرات

ڈاکٹر مجید بیدار

حیات محمدیؐ اور سیرت رسولؐ کے ساتھ اسوۂ حسنہ کا شاعری میں ذکر در حقیقت نعت گوئی کا فن کہلاتا ہے' مدح رسولؐ کے باب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے تمام گوشوں کا بیان نعت گوئی میں کیا گیا اور اس فن کے ذریعے حب رسولؐ کے علاوہ عقیدت کے بیش بہا پھول لٹائے گئے۔ اگرچہ نعت کے ذریعے مدحیہ شاعری کی بنیاد پڑی لیکن اس صنف شریف کے ذریعے غلو اور مبالغے کے دریا بھی بہائے گئے۔ ان تمام عوامل کی کار فرمائی کے باوجود نعت گوئی کا فن ایشیائی زبانوں میں بڑے ہی آب و تاب کے ساتھ ترقی کرتا رہا اور دور رسالت مآبؐ سے آج تک ان چودہ سو سالوں میں نعت کی صنف میں شعرائے کرام نے ایسے جوہر دکھائے کہ اس قسم کی ندرتوں کی مثال کسی اور صنف شاعری میں دستیاب ہونی ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

اردو زبان نے قصیدے اور غزل کی ہیئت میں نعت گوئی کی صنف کا آغاز کیا اور اردو کے تقریباً ہر صاحب دیوان شاعر نے تبرکاً حمد اور نعت کے علاوہ منقبت کو بھی دیوان کا جز بنایا۔ دکن کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ شعری تصانیف میں تبرک کے طور پر نعت کو اولین صفحات میں جگہ دینے کا التزام پایا جاتا ہے۔ دور قدیم میں پابند نعت کا رواج رہا لیکن دور حاضر میں آزاد نظم اور پابند نظم کے روپ میں بھی نعت لکھنے کا تصور پایا جاتا ہے۔

دکنی کو اردو زبان اور ادب کی تاریخ میں اولیت کا شرف حاصل ہے اور جغرافیائی اعتبار سے بندھیا چل سے لے کر راس کماری تک کے علاقے میں بولی، سمجھی اور لکھی جانے والی زبان کو دکنی کہا جاتا تھا۔ لسانیات کے بعض ماہرین نے اسے "قدیم اردو" کے نام سے بھی یاد کیا ہے۔ دکنی در حقیقت ایک بول چال کی زبان (Dilect) کی حیثیت رکھتی ہے جس پر Colloguia کے اثرات بھی محسوس کئے جا سکتے ہیں۔

اردو زبان کی تاریخ میں دکن کو ہی یہ افضلیت حاصل ہے کہ سب سے اولین تصانیف اسی زبان میں لکھی گئیں اور اس زبان کے دہلی پہنچنے سے قبل ہی خواتین نے شاعری کے جوہر دکھائے اور اپنی حیات میں دیوان مرتب کر دیئے۔ شمالی ہند میں اردو کے آغاز اور ارتقاء کے طویل عرصے کے بعد بھی خواتین شعراء کا وجود دکھائی نہیں دیتا۔

دکن کی خواتین نے صرف اصناف شاعری میں اپنے فنّی کمالات کا اظہار نہیں کیا بلکہ نعت کی صنف کو بھی پورے لوازمات کے ساتھ استعمال کیا۔ انہوں نے بطور تبرّک نعت نہیں لکھی بلکہ عالم جذب اور محویت کے ساتھ ساتھ حب رسولؐ میں سرشار ہو کر نعت رسولؐ کی بنیاد رکھی۔ موجودہ تحقیق اور دستیاب شدہ متن کے لحاظ سے لطف النساء امتیاز، مہ لقابائی چندا، اور شرف النساء شرف یہ ایسی شاعرات ہیں جنہوں نے اپنی نعت گوئی کے ذریعے دکن کی شاعری میں خواتین کے حصے کی نشاندہی کر دی۔ قدیم تحقیق کے رو سے مہ لقابائی چندا کو اردو کی پہلی صاحب دیوان شاعرہ تصور کیا جاتا تھا، لیکن موجودہ تحقیقات نے ثابت کر دیا ہے کہ اسد علی خاں تمنا صاحب تذکرہ "گل عجائب" کی شریک حیات لطف النساء امتیاز اردو کی پہلی شاعرہ ہیں۔ ڈاکٹر اشرف رفیع نے اپنے تحقیقی مقالے میں اس اولیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

"کل کی تحقیق نے مہ لقابائی چندا کو پہلی صاحب دیوان شاعرہ کا رتبہ عطا کیا تھا مگر آج اسی تحقیق نے لطف النساء امتیاز کے سر پر اولیت کا تاج رکھا چندا کا دیوان ۱۲۱۳ھ میں پہلی مرتبہ مرتب ہوا جو انڈیا آفس لندن کے کتب خانے میں محفوظ ہے، اس کا دوسرا نسخہ ۱۲۲۰ھ میں ترتیب دیا گیا اور یہ کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے..... امتیاز نے صرف ایک سال کی اولیت سے مہ لقابائی کو مات دی۔ امتیاز کا دیوان ۱۲ ۱۲ھ یعنی تقریباً ۱۷۹۶ء میں مرتب ہوا۔
کتب خانہ سالار جنگ میں اس کا قلمی نسخہ موجود ہے۔"

(مجلہ عثمانیہ۔ دکنی ادب نمبر ۱۸۳، ۶۴۔ ۱۹۶۳ء)

لطف النساء امتیاز نے مسدّس کی ہیئت میں نعت رسولؐ کا حق کچھ اس انداز میں ادا کیا ہے کہ حب رسول اور عقیدت کا جذبہ کھل کر سامنے آجاتا ہے۔

میں دل سے مصطفےٰ کا جاں فدا ہوں — محب شیر یزداں با صفا ہوں
جہاں میں بندۂ خیر النساء ہوں — یہی ہر دم کہوں گا اور کہا ہوں
محب اہل بیت مصطفےٰ ہوں
غلام خاندان مرتضیٰ ہوں

امتیاز نے صرف اردو میں ہی نہیں بلکہ فارسی میں بھی نعتیں لکھیں جو ان کے اردو دیوان میں شامل ہے۔ فارسی نعت کے اشعار ملاحظہ ہوں۔

اے نور رب العالمیں — اے جان ختم المرسلین
اے زیب دہ عرش بریں — اے رہنمائے عاشقیں

تو پیشوائے سالکیں حلّال مشکل مومنیں
اعلم امام المتقیں امر تو شد علم الیقیں
علم تو ہست صدق الیقین گفتار تو حق الیقیں
دیدار تو عین الیقین اوستاد جبریل امیں
تو کاشف سرّ حقیں شد مقتدائے واصلیں

اعجاز کی فارسی نعت کافی طویل ہے۔ اسی طرح اردو نعت بھی اس دور کے نئے قوافی کے ساتھ لکھی گئی ہے جس کا پہلا شعر ہے۔

اے وصی مصطفےٰ ہو صاحب لولاک کے
حکم پر ہیں جن وانس اور ساکناں افلاک کے

لطف النساء امتیاز کا دیوان ۱۵۶ صفحات پر مشتمل ہے جس میں ۱۸۴ غزلیں' پندرہ رباعیاں' پانچ قطعات' چند مخمس' مثمن' نعت اور حمد ہے۔ مناقب' ایک فارسی نعت نظام علی خاں کی مدح میں دس قطعات' چھ قصائد اور ۲۲۱ اشعار پر مشتمل ایک مثنوی اور ایک فارسی نظم اور اسی پر دیوان کا خاتمہ ہوتا ہے۔ اختتام پر لکھے گئے فارسی قطعہ سے ۱۲۱۲ھ تاریخ بر آمد ہوتی ہے جو دیوان کی ترتیب کی تاریخ ہے۔

امتیاز نے اپنے سوانحی حالات مثنوی "گلشن شعراء" میں تحریر کئے ہیں۔ جس کے لحاظ سے وہ سوا سال کی تھیں کہ والدہ کا انتقال ہو گیا۔ قرینہ کے مطابق کچھ دنوں کے لیے شفقت پدری سے محروم ہو گئیں۔ غیروں کے گھر میں پرورش ہوئی۔ تیرہ چودہ سال کی عمر میں اعجاز کی شادی اسد علی خاں تمنا سے ہو گئی۔ بیاہتا زندگی کے چھتیس سال بعد امتیاز کے شوہر کا انتقال ہو گیا۔ اس اعتبار سے امتیاز کی تاریخ پیدائش ۵۵-۱۱۵۴ھ اور شادی ۱۱۶۷ھ اور ۳۶ سال بعد تمنا کے انتقال کا سن ۱۲۰۴ھ قرار پاتا ہے جس کے بعد امتیاز نے اپنے کلام کو حروف تہجی سے ترتیب دے کر ۱۲۱۲ھ میں اپنا دیوان مرتب کیا۔

دکن کی صاحب دیوان شاعرات میں شرف النساء شرف کا بھی شمار ہوتا ہے جو ریاست میسور کی رہنے والی تھیں۔ وہ ٹیپو سلطان شہید کے مشہور سپہ سالار میراں سید اشرف کی پوتی اور سید غلام دستگیر قادری کی زوجہ تھیں۔ ڈاکٹر زور کی تحقیق کے مطابق ۱۲۴۵ھ میں پیدا ہوئیں اور ۸۶ سال کی عمر میں ۱۳۳۰ھ سے قبل وفات پائی۔ شرف النساء شرف کے دیوان کا مسودہ خود ان کی تحریر میں "ادارۂ ادبیات اردو" کے شعبۂ مخطوطات میں محفوظ ہے۔ ڈاکٹر زور کے مطابق دیوان میں ایک ہزار شعر ہیں جن میں غزلیات اور مختصر قصیدوں کے علاوہ نعتیں بھی شامل ہیں۔ کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو۔

مظہر کبریا نہیں ملتا سرور انبیاء نہیں ملتا

جان لب پر ہے ہجر میں جس کے وہ مسیحا مرا نہیں ملتا

دیگر

رب سے جو مانگا وہی تجھ سے ملا اور ایسا حق کا پیارا کون ہے
جان دے آخر نبی کے عشق میں جز شرف مشتاق ایسا کون ہے

ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ نے شرف النساء شرف کے کلام کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے:-

"شرف النساء شرف کے کلام کی خوبی یہ ہے کہ نعتوں میں انھوں نے شعری محاسن کو نبھانے کی کامیاب کوشش کی ہے.... تلمیح کی بھی نعتوں میں گنجائش نکالی ہے".... صنعت ابہام کی رعایت دیکھئے۔

گر مدینہ خدا مجھے پہونچائے
دو جہاں میں شرف میں پاؤں گی

دکن میں نعت گوئی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ نے بہت ہی واضح انداز میں لکھا ہے:-

"یہ حقیقت ہے کہ اردو کے ابتدائی دور میں دکن کے اکثر شاعروں کی توجہ نعت گوئی کی طرف رہی.... دکن کی اولین مثنوی "کدم راؤ پدم راؤ" کی ابتدا حمد و نعت سے ہوتی ہے۔ دسویں صدی کے آغاز کی تصنیف "تو سرہار" مصنفہ اشرف میں بھی اکیس ابیات نعت کی ملتی ہیں۔ خوب محمد چشتی گجراتی کی تصنیف "خوب ترنگ" میں بھی نعتیں ملتی ہیں۔ گیارہویں صدی کے نعت نویسوں میں معظم' بلاقی' عالم' احمد اور مختار کے نام مشہور ہیں۔"

مجلہ عثمانیہ حیدر آباد' ادب نمبر ۶۴۰-۱۹۶۵ء ص ۱۳۱

ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ کے اس بیان میں موجود تحقیق کی رو سے ہم یہ اضافہ کر سکتے ہیں کہ دکن کے صرف شاعروں نے نعت گوئی نہیں کی بلکہ صاحب دیوان شاعرات نے نعت کے فن کو بطور خاص سلوک میں لایا اور لطف النساء امتیاز' مہ لقابائی چندا کے علاوہ شرف النساء شرف کے نام دکن کی نعت کو صاحب دیوان شاعرات میں بڑے فخر کے ساتھ لئے جا سکتے ہیں۔ جس کے ساتھ ہی یہ ثبوت بھی ملتا ہے کہ نعت گوئی کے معاملہ میں دکن کی خواتین مردوں سے کسی قدر بھی پیچھے نہیں رہیں۔

نعت کہیے مگر احتیاط کے ساتھ

پروفیسر محمد اقبال جاوید

دور حاضر کو نعت کا دور کہا جاتا ہے۔ نعت نے اس دور میں جو وسعت حاصل کی ہے وہ یقیناً" قابل قدر ہے۔ ویسے ہر دور نعت ہی کا دور رہا ہے۔ نعت تو ایسی بہار ہے جو بے خزاں ہے۔ ایک ایسا نغمہ ہے جو فصل بہار کا محتاج نہیں بلکہ لالہ و گل' رعنائیوں کی بھیک اس سے مانگتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر تو بلند و بالا تھا' ہے اور رہے گا' اگر یوں کہا جائے تو شاید بہتر ہو کہ ہمارے دور نے اپنے تشخص کو پا لیا ہے اور بھٹکتی ہوئی انسانیت کو یہ احساس ہو گیا ہے کہ وہی ایک در ہے جہاں تمناؤں کے اضطراب کو آسودگی نصیب ہوتی ہے۔ وہی ایک دیوار ہے جو آبلہ پاؤں کا واحد سہارا ہے اور وہی ایک راستہ ہے جہاں شوق ہی زہرہ' شوق ہی رہبر اور شوق ہی منزل ہوتا ہے۔ آج کے قلم اگر نعت سرا ہیں تو یہ اسی احساس کی شدت کا نتیجہ ہے۔ اس دور نے اگر آفتاب کو پہچان لیا ہے تو احسان آفتاب ہرگز نہیں ہے۔ یہ تو ثبوت ہے اس بات کا کہ دیکھنے والے کی نگاہ سالم اور سمت درست ہے اور یہ بھی محبوب کی عطا ہے۔ محب کا فخر نہیں۔

آنکھوں میں نور' دل میں بصیرت ہے آپؐ سے
میں خود تو کچھ نہیں' مری قیمت ہے آپؐ سے

مجھے کچھ یوں محسوس ہوتا ہے کہ شاعروں میں ایک دوڑ شروع ہو گئی ہے اور ہر "صاحب تخلص" نعت گو بننے کی سعی کر رہا ہے گویا ہر بوالہوس نے حسن پرستی کو اپنا شعار بنا لیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک اس ذات والا صفات سے قلبی تعلق نہ ہو' بات بنتی نہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ اکثر نعتیں یا تو بے کیف ہیں یا غزل کا چربہ۔ غزل مبالغہ آفرینیوں کا دوسرا نام ہے۔ جبکہ نعت ایک ایسی احتیاط ہے جو تلوار کی دھار پر چلنے کے لیے ضروری ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مبالغے سے کام لیا۔ اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے مقصود صرف یہ ہے کہ نعت میں ادبیت اور حسن ادا کو اپنے کمال پر ہونا چاہیے۔ مگر غزل کی مجاز آفرینیوں اور مبالغہ آمیزیوں سے دامن بچانا چاہیے۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ اس پاکیزہ صنف سخن اور غزل میں امتیاز مشکل ہو جائے اور پھر کہیں ایسا نہ ہو کہ مستقبل میں اس دور کی نعت کی تطہیر کے لیے کسی مجتہد کو اٹھنا پڑے اور کہنا پڑے کہ

نالہ ہے بلبلِ شوریدہ ترا خام ابھی
اپنے سینے میں اسے اور ذرا تھام ابھی

اور بقول ڈاکٹر سید عبداللہ "کوئی وہ شخص عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شاعری نہیں کر سکتا۔ جو محبت کے کرب و درد' انہماک اور مرکزیت توجہ سے باخبر نہ ہو" سچی بات یہ ہے کہ نعت کی دنیا میں محو ہونے والا انسان' کوئے مجاز کا رخ کر ہی نہیں سکتا کیونکہ جب حقیقت دل میں سما جائے تو افسانے خود بخود بکھر جایا کرتے ہیں۔

عشق اک کفر ہے جب تک ہے وہ محدودِ مجاز
اور اس حد سے گزر جائے تو ایماں ہو جائے

ایک نعت گو کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے مقابلے میں باقی تمام محبتیں فروتر ہو جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کا مومن بیٹا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرتا ہے کہ اجازت ہو تو اپنے منافق باپ کی گردن اتار کر آپ کے قدموں پہ رکھ دوں۔ پاس ناموس عشق اور تکمیل ایمان کا تقاضا یہی ہوا کرتا ہے۔

وفا کا سوز تو کندن بنا دیتا ہے انساں کو
محبت جس کو خاکستر کرے گی کیمیا ہو گا

میں نے کبھی لکھا تھا کہ ضرورت اس امر کی ہے کہ غزل باوضو ہو کر نعت بن جائے۔ مگر اب محسوس کرتا ہوں کہ غزل باوضو نہیں ہو سکتی جب تک شاعر خود باوضو نہ ہو۔ ضروری ہے کہ شاعر نعت کہنے سے پہلے' حضور سے تعلق کی کوئی صورت پیدا کرے اور اس صورت کی اولین منزل' نماز ہے کہ وہ مومن و کافر میں حد امتیاز ہے نماز حمد و ثناء اور درود و سلام کا ایک شرعی انداز ہے۔ اور نعت اسی درود و سلام کا غنائی اظہار اور مترنم شکل ہے گویا جب تک دل کا آئینہ شفاف نہ ہو۔ اس میں جمال رسالت' جھلک نہیں سکتا اور مکدّر آئینہ نہ کوئی عکس سمیٹ سکتا ہے اور نہ کوئی جھلک دکھا سکتا ہے عارض و رخسار اور گیسو و کاکل کے تذکروں نے بھی نعت کو غزل بنانے میں اہم کردار ادا کیا ہے' نتیجہ یہ ہے کہ حضورؐ کے لیے معشوق' نازنین' طرحدار' خوبرو' ایسے الفاظ نعت میں در آئے ہیں' رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً" حسن سراپا تھے کہ سورج ان کی ضیائے رخ سے تاب تب لیتا' راستے ان کے قدموں کی چاپ سے جھوم اٹھتے' کہ۔ران کے قدولنواز سے سربلندی پاتے اور فضائیں ان کے نفس کی مہک سے عنبر فشاں رہتی تھیں۔ مگر اصل شے "غازۂ جاں تھا جس سے رخ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر خط نکھر گیا تھا اور اسی غازۂ جاں کا دوسرا نام سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ جس کی آگہی' شناسائی' تعلق' اور عشق کے بغیر ایمان ہی مبہم ہے اور جب ایمان ہی مشکوک ہو تو نعت کے لیے اگر قلم اٹھے گا تو وہ تخلیق مجاز سے بلند نہ ہو سکے گا۔

میں بعد توبہ و استغفار لکھتا ہوں کہ قرآن مجید میں موسیقیت کی جو شان، ترنم کا جو انداز، آہنگ کی جو کیفیت اور دل نشینی کی جو خصوصیت ہے، اسے ہم شعری جمال و کمال کے جملہ محاسن کے باوجود شعر کا نام بھی نہیں دے سکتے۔ اور قرآن نے شعراء کی تکذیب بھی غالباً اسی لیے کی کہ اس دور کے لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر اور قرآن کو شعر کہنے لگ گئے تھے۔ گویا قرآن اپنی تمام تر ترنم ریزیوں کے باوجود شعر نہیں ہے۔ اسی طرح نعت میں اسلوب و ادا کی تمام تر رعنائیوں کے باوجود غزل کا رنگ اور ڈھنگ نہیں ہونا چاہیے۔ اور نہ ہی ان اصطلاحات و تشبیہات کو نعت کے عظیم و جلیل ممدوح کے لیے استعمال کرنا چاہیے جو غزل کی مجازی فضا کے لیے مخصوص ہیں۔

قدیم شاعر جب نعت کہتے تھے تو ان کے پیش نظر عرفی کا دیا ہوا کڑا معیار ہوتا تھا

عرفی مشتاب ایں رہ نعت است نہ صحرا
آہستہ کہ رہ بردم تیغ است قدم را

ہشدار، کہ نتواں بیک آہنگ سرودن
نعت شہ کونینؐ و مدیح کے و جم را

نتیجہ معلوم کہ وہ لوگ اپنے دل کی پاکیزگی، عقاید کے خلوص، روح کے گداز اور جملہ شعری صلاحیتوں کے باوجود نعت کہنے سے لرزتے تھے کہ کہیں توہین کے مرتکب نہ ہو جائیں۔ کیونکہ ممدوح ذات گرامیؐ تھی جس کے حضور میں جنیدؒ و بایزیدؒ بھی سانس روک کر آتے تھے۔ اور ان شعراء کے پیش نظر قرآن پاک کی یہ تنبیہہ بھی تھی کہ رسولؐ کی آواز سے اپنی آواز اونچی نہ کرو، بصورت دیگر اعمال یوں سلب ہو جائیں گے کہ احساس تک نہ ہو گا۔ آج ہر کہ و مہ نعت کہنے کی دوڑ میں شریک ہے۔ اس دوڑ نے نعت کو بے کیف، بے سوز اور محض بیت بازی بنا کر رکھ دیا ہے۔ بعض نعتیں پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ ان کے پس پردہ دور حاضر کا کوئی عبداللہ بن ابی کھڑا مسکرا رہا ہے۔ دل میں منافقت کے بت چھپا کر نعت نہیں کہی جا سکتی۔ جب تک نعت گو سراپا نالہ نہیں بنے گا اس کی نوا بے تاثیر رہے گی۔ جب تک سوزِ دل، سازِ رگِ جاں نہیں ہو گا، نعت، منافقت ہی کی ایک صدائے بازگشت ہو گی۔۔۔ کہ چونکہ دور نعت کا ہے۔ اس لیے نعت کہی جائے۔ یہی منافقت ہے۔ اور جناب علیؓ نے فرمایا تھا کہ منافق ہر شب کا چراغ ہوتا ہے۔

نعت خود بولتی ہے۔ اس کا خلوص قاری کے دل میں خود بخود اترتا ہے۔ شعر کے پیرہن میں لرزتے ہوئے آنسوؤں کی تپش، اور مچلتے ہوئے گداز کی لَو از خود دل کی طہارت اور قلم کی پاکیزگی کا پتا دیتی ہے، مگر آج اکثر نعتیں، علیل جذبوں، اپاہج عقیدتوں اور وقتی مصلحتوں کی ترجمان ہیں، انداز کی خوشنمائی کے لاکھ

پردوں کے باوجود اعمال کی سیہ دلی نمایاں ہے اور ریشمی الفاظ کی بہتات اور شبنمی تراکیب کا شکوہ بھی ابتذال کردار کو چھپا نہیں رہا نتیجہ یہ ہے کہ نعت میں الفاظ کا بانکپن تو ہے مگر اخلاص کا جمال نہیں اور محض لفظوں کا حسن ہر دور میں گفتار کے غازیوں کی منافقت کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔ صورت حال یہ ہے کہ آج کی بیشتر نعتوں کو اگر حضورؐ کے اسم گرامی کے بغیر پڑھا جائے تو ان میں اور ایک عام غزل میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا۔ اور بعض تو توہین تک جا پہنچی ہیں۔ اور لوگ انہیں جدید دور کا جدید انداز سمجھ کر گوارا کر رہے ہیں۔

گزشتہ دنوں ایک اخباری مبصر نے ٹھیک لکھا تھا کہ آج کے بعض شاعر پہلے ایک غزل کہتے ہیں۔ پھر وہی غزل قائد اعظم کی شان میں نظم بن جاتی ہے۔ اور بوقت ضرورت وہی نظم، نعت کا روپ دھار لیتی ہے..... نعت کو نہ اس روپ کی ضرورت ہے نہ بہروپ کی اور ڈر ہے کہ کہیں ایسی ثناء وجہ ناراضی نہ ہو جائے اور رحمت عالمؐ کی خشمگیں نگاہوں کا کون سامنا کر سکے گا؟ شاعر کے لیے بہترین حکم اس کا اپنا ضمیر ہے اگر اس کا ضمیر نعت گوئی پر مطمئن ہے تو ٹھیک ہے، بصورت دیگر اسے اپنے گستاخ قلم اور چھوٹ خیالات کو لگام دینی چاہیے اور توبہ کرنی چاہیے، غیر مطمئن ضمیر، گدلے دل اور آلودہ قلم کے ساتھ نعت سے تعلّب ایک خوفناک جسارت ہے۔ خیال رہے کہ نعت ذرا سی بے احتیاطی (بزعم خویش عقیدت) سے حمد بن جاتی ہے، اور اکثر نعتیں ایسی ہیں کہ حضورؐ کے سراپا کے بغیر انہیں پڑھا جائے تو وہ حمد لگتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حضورؐ کو ان کے مرتبے سے گرا دینا، اپنے ایمان کو ختم کر لینا ہے اور مرتبے سے بڑھا دینا شرک ہے۔ احتیاط کے انہی تقاضوں کی وجہ سے بڑے بڑے قادر الکلام نعت کے میدان میں خود کو عاجز محسوس کرتے ہیں۔ یہ شعر حضورؐ کے اعجاز اور غالب کے عجز ہی کا آئینہ دار ہے۔

غالبؔ ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم
کاں ذات پاک مرتبہ دان محمدؐ است

حضورؐ فی الواقع سردار انبیاء بھی ہیں اور سرتاج اولیاء بھی۔ الطاف حق کے قاسم بھی ہیں اور کمال رحمت باری کی انتہا بھی، شکستہ دل عاشق کا آسرا بھی ہیں اور جہان شوق کا مقصود و مدعا بھی ہیں، رخ جمال الٰہی کا آئینہ بھی ہیں اور مشکل کشائیوں کے لیے وسیلۂ تکمیل التجا بھی، غرض۔

یہی ہے فلسفۂ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ
خدا کے بعد سبھی کچھ کہو، خدا نہ کہو

نعت کے لیے بیخودی، مستی اور جوش سے کہیں زیادہ ہوش کی ضرورت ہے۔ لاہور کا مجذوب شاعر، ساغر صدیقی عالم مستی میں بھی اس صنف سخن کی نزاکتوں سے کس قدر آگاہ تھا، غور کیجئے،

"نعت مرے نزدیک تعریف رسالتؐ کا وہ طریقہ ہے جس میں الفاظ، زبان سے نہیں، پلکوں

سے بچتے جاتے ہیں۔ منصورؔ و شمسؔ سے مجھ تک یہ نعت عظمیٰ کیسے پہنچی؟ چشم عقیدت کے لیے اس کا جواب سرمدؔ کے قطرہ ہائے خون اور شہبازؔ کا نعرۂ مستانہ ہی دے سکتے ہیں۔ میں نعت کہتے ہوئے اپنے جسم اور روح کو جہنم کے شعلوں سے ڈرا لیتا ہوں"

دور حاضر کے ایک عظیم نعت گو جناب حفیظ تائبؔ کے الفاظ میں

"نعت اس کیفیت کا نام ہے جب فکر شاعر ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پورے انہماک و اخلاص کے ساتھ رجوع کرتا ہے' اس کیفیت کے اظہار کے لیے اس سے بہتر لفظ نہیں مل رہے۔

شان انؐ کی سوچئے اور سوچ میں کھو جائیے
نعت کا دل میں خیال آئے تو چپ ہو جائیے

یہ کیفیت خدائے کریم کی خصوصی عنایت میں سے ہے۔ اس کیفیت کے الفاظ میں ڈھلنے کا عمل بھی تائید ایزدی کے بغیر ممکن نہیں' یہاں قدرت فن ساتھ دینے سے قاصر رہتی ہے

کیا فکر کی جولانی کیا عرض ہنر مندی
توصیف پیمبرؐ ہے توفیق خداوندی

میں نعت گوئی کے موجودہ رجحان کو روکنا نہیں چاہتا' محض سنبھلنے کی تلقین کر رہا ہوں' نعت کے لیے جس پاکیزہ سوچ اور کمال محویت کی ضرورت ہے اس کا احساس ہر نعت گو کو ہونا چاہیے۔ بارگاہ لطف و کرم سے یہ طہارت و نظافت نصیب ہو جائے تو خاص کرم ہے۔ ورنہ طلب اور آرزو تو ہونی چاہیے' معلوم نہیں نصیب کب کھل جائیں

فیض حق ناگاہ می رسد و لیکن بردل آگاہ می رسد

اور یہی طلب کی پذیرائی یقیناً" ہوتی ہے۔ اگر وہاں سے توفیق مل گئی تو پھر فکر کے عقدے خود بخود کھل جائیں گے اور قلم میں بھی پر ہما کی جنبش پیدا ہو جائے گی۔

نعت میں کیسے کہوں انؐ کی رضا سے پہلے
میرے ماتھے پہ پسینہ ہے ثناء سے پہلے

نعت خوانی کے آداب (کچھ معروضات)

رشید وارثی

نعت گوئی کی طرح نعت خوانی بھی ایک ایسا مقدس کام ہے جو وظیفۂ ملائکہ اور سنت صحابہؓ ہے۔ اس حوالے سے حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ مشہور و معروف صحابی ہیں۔ وہ اپنے وجدانی کلام اور خوش الحانی سے سامعین کے قلوب کو تسکین کا سامان فراہم کرتے تھے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ان کیلئے ایک منبر رکھواتے تھے جس پر کھڑے ہو کر وہ مسجد نبوی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی موجودگی میں آپؐ کی توصیف بیان کرتے تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں جب حضرت حسانؓ مسجد نبوی میں لوگوں کے سامنے اپنا نعتیہ کلام خوش الحانی سے سنا رہے تھے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ادھر سے گزرے اور حضرت حسانؓ کو ترچھی نگاہوں سے دیکھا۔ حضرت حسانؓ نے کہا' عمرؓ! میں اس وقت بھی یہی اشعار مسجد میں خوش الحانی کے ساتھ پڑھتا تھا جب وہ ہستیؐ جو تم سے کہیں زیادہ افضل و اعلیٰ ہے' ہم لوگوں میں بہ نفس نفیس جلوہ افروز ہوا کرتی تھی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ خاموش ہو گئے۔ مختصر یہ کہ نعت گوئی کی طرح نعت خوانی کی روایت بھی عہد رسالت سے تا عصر حاضر جاری و ساری ہے۔ تاہم دور حاضر میں نعت خوانی کی محافل اور نعت خواں حضرات کے رویّہ میں بعض اصلاح طلب امور شامل ہو گئے ہیں۔ جن پر "نعت رنگ" شمارہ ۳ میں پروفیسر افضال احمد انور صاحب نے اپنے مضمون "نعت خوانی کے آداب اور اصلاح و متعلقات" میں بھرپور توجہ دلائی ہے۔ پروفیسر صاحب نے اگرچہ یہ طویل مضمون بڑی محنت کے ساتھ اپنے مشاہدات کی روشنی میں لکھا ہے۔ اور بلاشبہ نفس مضمون کے حوالے سے بڑی تفصیل کے ساتھ اصلاح طلب امور کی جانب قارئین کی توجہ مبذول کرائی ہے۔ ان کی یہ کاوش لائق تحسین ہے۔ لیکن اکثر مقامات پر ان کی تحریر سنجیدگی' متانت اور راہ اعتدال سے متجاوز نظر آتی ہے۔ اسی طرح ان کے بہت سے اعتراضات شرعی نصوص کے بجائے ذاتی قیاس پر مبنی نظر آتے ہیں۔ جن کی تفصیل ترتیب وار درج ذیل ہے:

(۱) اس مضمون میں صفحہ ۱۳۰ پر حضور نبی پُرنور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو "یار" کہنا ادب کے منافی بتایا گیا ہے۔ یہ لفظ فارسی سے اردو زبان میں مُروّج ہوا ہے۔ جس کے معنی ہیں دوست' ساتھی' مددگار' اور محبوب وغیرہ۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو حضورؐ کا یارِ غار کہا جاتا ہے۔ اسی طرح فاضل بریلوی صاحب کا

شعر ہے :

جو ترے در سے یار پھرتے ہیں
در بدر یونہی خوار پھرتے ہیں

واضح رہے کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب کا یہ شعر ان کی اس نعت کا مطلع ثانی ہے جس کے متعلق سوانح اعلیٰ حضرت (ص ۲۹۰) کی تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ اس نعت کو پیش کرنے پر اعلیٰ حضرت دیدار مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) سے مشرف ہوئے۔ لہٰذا اگر یہ واقعہ صحیح تحریر کیا گیا ہے تو "یار" کہنا خلاف ادب نہیں ہو سکتا۔ اور اگر خدانخواستہ واقعہ غلط بیان کیا گیا ہے، تو اور بات ہے۔

اسی صفحہ پر یہ بھی لکھا گیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو "تو" "تم" "تجھ" "تیرا" "تیری" "تجھے" وغیرہ صیغوں سے "بلانا" درست نہیں۔ یہاں لفظ "بلانا" خود خلاف ادب ہے۔ کسی کی کیا مجال جو آپؐ کو مخاطب کر کے بلانے کی جسارت کر سکے۔ اسی صفحہ پر پروفیسر افضال صاحب نے اپنا یہ شعری نگینہ بھی جڑا ہے :

"بلائیں" آپؐ کو 'تو' تم سے کب مناسب ہے
ادب کے لفظ ہی لائیں تو نعت ہوتی ہے

یہاں "بلائیں" کی جگہ ایسا لفظ درکار ہے جس میں پکارنے کے معنی پائے جاتے ہوں۔ (جیسا کہ سورۂ حجرات میں بیان ہوا ہے "بیشک وہ لوگ جو تمہیں حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں (وفد بنو تمیم) ان میں سے اکثر بے عقل ہیں") لہٰذا کوئی بھی مسلمان حضورؐ کو بلانے کی گستاخی نہیں کر سکتا۔ البتہ استغاثہ و فریاد کے طور پر آپؐ کو مدد کیلئے پکار سکتا ہے۔ یہ بات اجماع سے ثابت ہے۔

(۲) صفحہ ۱۲۰ پر ہی حضور اکرمؐ کے لئے 'تو' 'تیرا' جیسے ضمائر استعمال کرنے کے حوالے سے بعض بزرگ شعراء سمیت مولانا احمد رضا خاں صاحب کیلئے لکھا ہے کہ (یہ بزرگ) "مجذوبان رسولؐ مقبول کی حیثیت رکھتے ہیں۔" حالانکہ اعلیٰ حضرت نے خود وضاحت فرمائی ہے کہ :

قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے احکام شریعت ملحوظ

یا

جو کہے شعر و پاس شرع دونوں کا حسن کیونکر آئے
لا اسے پیش جلوۂ زمزمۂ رضا کہ یوں

پھر یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ عقائد کے حوالے سے مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ کے ملفوظات اور فتاویٰ کو "مجذوب کی بڑ" کہنے کے بجائے علمائے عرب و عجم بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اگر ان کو

"مجذوبان رسولؐ مقبول" میں شمار کر لیا جائے تو حضور اکرمؐ کی شان خلافت کبریٰ، توسل، استمداد، علم غیب، جیسے سارے عقائد کے بارے میں آپ کے فتاویٰ کی حیثیت مجروح ہوتی ہے۔ کیونکہ مجذوب کی باتوں پر عامۃ المسلمین عمل کے مکلف نہیں۔ لہٰذا افضال احمد صاحب کو اپنے اس قول سے رجوع کر لینا ہی مناسب ہے۔

(۳) صفحہ ۱۲۵ پر صاحب قصیدۂ بردہ شریف کا واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے "صبح بیدار ہوئے تو شفائے کاملہ مل چکی تھی اور خواب والی چادر سچ مچ سرہانے "پڑی" تھی۔ اس جملہ میں حضور اکرمؐ کی عطا فرمائی ہوئی چادر مبارک کیلئے لفظ "پڑی تھی" لکھنا خلاف ادب ہے۔ اس کے بجائے یوں لکھا جانا چاہیے تھا کہ بیدار ہوئے تو چادر مبارک سرہانے موجود تھی۔

(۴) صفحہ ۱۷۲ پر نعت خوانوں کے معاوضہ طلب کرنے کے بارے میں اگرچہ سخت لہجے میں گفتگو کی گئی ہے لیکن بہر حال نعت خوانوں کا معاوضہ طلب کرنا یا معاوضہ کا تعین کرنا پسندیدہ بات نہیں، البتہ اگر نعت خواں ذاتی کار سے محفل میں آتا ہے تو اس کا پیٹرول چارجز طلب کرنا یا ٹیکسی کا کرایہ طلب کرنے میں کوئی شرعی قباحت نہیں۔ بلکہ منتظمین کو مدعو کئے ہوئے نعت خوانوں کو آمد و رفت کا کرایہ خود ادا کر دینا چاہیے۔ یا سواری کا بندوبست کرنا چاہیے۔ اگر نعت خواں اعلیٰ ظرفی اور تعلقات کا خیال رکھتے ہوئے اس سے دست بردار ہو جائے تو یہ اس کی مرضی پر منحصر ہے۔ اس پیراگراف میں یہ تحریر بھی شامل ہے "یہ بھی منوا لیا جاتا ہے کہ سامعین و حاضرین جو نذرانہ دیں گے، وہ بھی نعت خواں کو ملے گا۔ اور اس میں کسی قسم کی کٹوتی کی گنجائش نہیں ہوگی۔"

یہ مہمل عبارت ہے۔ نذرانہ نعت خواں کی ملک ہے۔ کسی کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ نعت خوانوں کو ملنے والا نذرانہ اس کو نہ دے، یا اس میں سے کٹوتی کرے؟ کیا صاحب مضمون یہاں کوئی شرعی حکم پیش کر سکتے ہیں؟۔ حقیقت میں ایسی باتوں سے احتیاط لازم ہے۔

(۵) صفحہ ۱۷۳ پر لکھا ہے "اگر (منتظمین) شتر کینہ والے اور شریر الطبع ہوں تو کرایہ اور ایڈوانس واپس کر دیا جاتا ہے۔" سوال یہ ہے کہ کیا کسی محفل نعت کے منتظمین شتر کینہ والے اور شریر الطبع ہو سکتے ہیں؟ اور اگر خدا نخواستہ ایسا ہو تو کیا ایسی محفل میں جانے سے، نہ جانا بہتر نہ ہوگا۔ کیا شریعت نے ہمیں شریر لوگوں سے اجتناب کا درس نہیں دیا ہے؟ مختصر یہ کہ کسی محفل نعت کا اہتمام کرنے والے لوگوں کیلئے ایسے ناشائستہ الفاظ استعمال کرنا بڑی زیادتی ہے۔

(۶) صفحہ ۱۷۳ پر لکھتے ہیں "پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ، کے ادارہ منہاج القرآن میں جو سالانہ نعت خوانی ہوتی ہے، اس میں تمام بتیاں بجھا دی جاتی ہیں، محض ہلکی سی لو رہتی ہے۔ کوئی پیسے نہیں دیتا۔ سب کی توجہ کا مرکز، ذات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوتی ہے۔ کاش یہ نظام سارے ملک بلکہ ساری

دنیا میں رائج ہو جائے۔"

اس حوالے سے یہ معروضہ پیش خدمت ہے کہ محفل نعت یا محفل میلاد میں تو بنیادی تصور ہی یہ ہوتا ہے کہ ایسی محافل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جلوہ افروز ہونا آپؐ کے کرم سے بعید نہیں۔ بزرگان دین کا یہ شیوہ رہا ہے کہ وہ ایسی محافل کے موقعوں پر روشنی کیلئے نہ صرف دیئے بلکہ گھی کے دیئے جلاتے تھے۔ صاحب مضمون کو محفل میلاد اور حلقۂ ذکر و اذکار میں فرق کرنا چاہیے۔ یہ چراغاں کرنے کا موقع ہے یا رہے سہے چراغوں کو بھی گل کر دینے کا؟ رہا پیسے (نذرانہ) نہ لینے اور نذرانہ نہ دینے کا سوال تو اس حوالے سے ہدیہ دینا اور لینا سنت رسولؐ اور عمل صحابہ کرام سے ثابت ہے۔ نذرانہ نہ لینے اور نذرانہ نہ دینے میں طاہر القادری صاحب کے متعارف کئے ہوئے نظام میں بھی خوبی کا کوئی پہلو ہو سکتا ہے۔ لیکن سنت محبوب کردگار اور عمل صحابہ کے مطابق عمل ہی کو اپنانا شریعت مطہرہ کا تقاضا ہے۔ اور کون نہیں جانتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نعت پیش کرنے والے صحابہ کرام کی قدر دانی فرماتے ہوئے انہیں انعام سے نوازتے تھے۔

(۷) صفحہ ۱۸۳ پر اعتراض اٹھایا گیا ہے کہ بعض نعت خواں "محفل کے درمیانی وقت میں آتے ہیں۔ اپنی باری پر نعت پڑھ کر اپنے گھر کی راہ لیتے ہیں۔ اپنے مابعد نعت خوانوں کو نہیں سنتے۔ یا تو انہیں گھر جانے کی جلدی ہوتی ہے۔ یا انہیں کسی اور محفل میں جا کر پڑھنا ہوتا ہے۔۔۔۔ ویسے بھی یہ زیادتی ہے کہ کچھ نعت خواں تو اختتام محفل تک بیٹھے رہیں اور کچھ اپنی باری بھگتا کر چلتے بنیں۔"

محفل نعت کے تقدس کے حوالے سے یہ انداز تحریر مناسب نہیں۔ محفل نعت میں آخر تک بیٹھے رہنا باعث سعادت ہے۔ اسے زیادتی سے تعبیر کرنا محفل نعت کے تقدس کے خلاف ہے۔ مزید یہ کہ نعت خواں محفل کی جان ہوتے ہیں۔ ہمارے ہاں عام طور پر ہفتہ وار تعطیل یا کسی اور چھٹی والے دن سے پہلے کی شب محافل کا انعقاد ہوتا ہے۔ ان مواقع پر نعت خوانوں پر بیک وقت کئی افراد کی جانب سے شرکت کا دباؤ ہوتا ہے۔ اگر نعت خوانوں کو ایک ہی محفل کا پابند کر دیا جائے تو دوسرے علاقوں کی محافل متاثر ہونگی۔ چنانچہ بعض محفلوں میں سامعین تو ہوں گے لیکن نعت خواں نہ مل سکیں گے۔

اس کے علاوہ سامعین تو اپنے محلے کی محفلوں میں اپنی مرضی سے شریک ہو کر تسکین پاتے ہیں اور دوسری محافل میں شرکت کا ان پر دباؤ بھی نہیں ہوتا یعنی وہ اپنی سہولت کے مطابق شرکت کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ جبکہ نعت خوانوں پر کئی محفلوں میں شرکت کی ذمہ داری ہوتی ہے اور زیادہ تر ان کی شرکت پر محفل میلاد کی کامیابی کا انحصار ہوتا ہے۔ یہ بے چارے دن بھر کسب معاش میں مصروف رہتے ہیں، اور انکی راتیں پروگراموں میں بسر ہوتی ہیں۔ اس طرح انہیں اپنی فرصت کے تمام لمحات محافل نعت کے لئے وقت کرنا ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان پر کسی پروگرام میں آخر تک بیٹھے رہنے کی

پابندی خلاف مصلحت ہے۔ وہ ایک محفل میں نعت پڑھکر دوسری محفل میں جاتے ہیں تو وہ محفل بھی تو آخر ذکر رسولؐ کی محفل ہوتی ہے' لہٰذا انکے ثواب میں کمی نہیں آتی۔ یہ حضرات نعتیہ محفلوں میں شریک ہو کر حاضرین کے دلوں کو نعت خوانی سے گرماتے ہیں۔ اور تشنگان عشق رسول کے قلوب کو مدحت سرکارؐ سے سیراب کرتے ہیں۔ اس طرح ترویج نعت کی راہیں کشادہ ہوتی ہیں۔ اگر محض اپنی تسکین ان کے پیش نظر ہو تو یہ اپنے گھر بیٹھ کر نعتیں پڑھ کر اور ہدیۂ درود و سلام پیش کر کے شاد کام ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا ان پر بے جا اعتراضات کرنے کے بجائے محافل نعت میں ان کی موجودگی کی قدر کرنا چاہیے۔

(۸) نعت پڑھ کر ثناء خوانوں کے گھر چلے جانے کے بارے میں صفحہ ۱۷۳ پر پروفیسر صاحب لکھتے ہیں

"اس قباحت کا حل یہ ہے کہ منتظمین ایسا اہتمام کریں کہ جس نعت خواں کو جتنے روپے عوام کی طرف سے ملے ہوں وہ ایک لفافہ میں ڈال کر' اس پر مذکورہ نعت خواں کا نام لکھ کر اسٹیپل کر لیں۔ اور یہ لفافہ اپنے پاس رکھ لیں۔ جب محفل ختم ہو' تو ہر نعت خواں کو اس کا لفافہ اور اپنی طرف سے دیا جانے والا اعزازیہ دے دیا جائے۔ یقیناً" کوئی نعت خواں لفافہ لئے بغیر نہیں جائے گا۔ اور محفل کا رنگ خراب نہیں ہو گا۔"

اس تحریر میں نعت خوانوں کی کتنی تحقیر کی گئی ہے' اس کا اندازہ ہر خود دار آدمی خود لگا سکتا ہے۔ پروفیسر صاحب کی نظر میں فن نعت خوانی کے شرف اور نعت خوانوں کی شرکت کی کوئی وقعت نہیں' ساری توجہ "لفافہ" پر مرکوز نظر آتی ہے۔ یہ باتیں ایسے لوگوں کی زبانی سن کر اور بھی تعجب ہوتا ہے' جو محافل نعت میں نظامت کے فرائض بھی انجام دیتے ہوں۔ محترم افضال احمد صاحب نعت خوانوں کو تو آداب محفل کا لحاظ رکھنے کا درس دیتے ہیں لیکن خود بیشتر مقامات پر شرعی نصوص کو فراموش کر دیتے ہیں۔ کیا مذکورہ بالا پیراگراف میں مداحین رسولؐ کی کردار کشی کا پہلو مضمر نہیں۔ کیا آپ کا مجوزہ رویّہ شریعت کے مطابق ہے؟۔ یہ صحیح ہے کہ موجودہ دور میں بعض نعت خوانوں کے غلط رویّوں کی اصلاح ہونی چاہیے اور افضال احمد صاحب نے ان غلط رویّوں کی نشاندہی کے ساتھ ان کے تدارک کیلئے بعض مفید تجاویز بھی پیش کی ہیں۔ لیکن بیشتر مقامات پر وہ اعتدال سے تجاوز کر گئے ہیں۔ یہ ان کی بھی غلطی نہیں۔ جس معاشرے میں مسجد کے امام کو کمیٹی کا ملازم سمجھا جاتا ہو' وہاں بے چارے نعت خواں کی کیا وقعت ہو سکتی ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے شاید اسی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے مساجد کے آئمہ کرام' واعظین' خطباء' حفاظ' اور خادمین اور معلمین وغیرہ کے روزینے مقرر فرمائے تھے۔ تاکہ یہ لوگوں کے دست نگر ہونے کے بجائے معاشرے کے خود کفیل اور باوقار افراد بن سکیں۔ اسی طرح قرون اولیٰ سے مداحین رسول کو (جو عموماً" شعراء ہوتے تھے) گراں قدر ہدایہ اور انعامات دئے جاتے ہیں' تاکہ جو مقدس خدمات یہ حضرات انجام دے رہے ہیں' ان کی توقیر کا شعور بیدار ہو۔ ہمارے معاشرے میں مشہور علمائے

کرام اور واعظین ہزاروں روپے معاوضہ طے کر کے پروگراموں میں شرکت کرتے ہیں۔ ان کو لانے اور گھر پہنچانے کی ذمہ داری بھی بجا طور پر منتظمین ہی کو انجام دینی ہوتی ہے۔ ان حضرات کا یہ حال ہے کہ غریب بستیوں' کے باشندے اپنے محدود وسائل کے باوجود جب باہمی اعانت سے مذہبی جلسے منعقد کرتے ہیں تو عام طور پر بڑے علمائے کرام اور پائے کے واعظین ان میں نہیں جاتے۔ کیونکہ انھیں اعلیٰ سرکاری تقریبات۔ سرکاری افسران اور شہر کے متمول افراد کے پروگراموں ہی سے بہت کم فرصت نصیب ہوتی ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ نعت خواں حضرات اس غلط روش کو اپنائیں۔ انھیں اللہ تعالیٰ کے فضل سے جو نذرانہ مل جائے' اس پر قناعت کریں۔ البتہ ان کو دو طرفہ سواری یا اس کا کرایہ فراہم کرنا منتظمین کی اخلاقی ذمہ داری ہے۔

(۸) صفحہ ۱۸۷ پر یہ اعتراض لکھا گیا ہے کہ "بعض نعت خواں پان منہ میں لے کر اسٹیج پر بیٹھتے ہیں حالانکہ نعت خوانی کی محفل میں سگریٹ' پان' بیڑی' سگار وغیرہ چیزوں کا استعمال مناسب نہیں۔ نعت خواں کو تو محفل سے ہٹ کر عام زندگی میں بھی ان چیزوں کو منہ نہ لگانا چاہیے۔"

محترم افضال صاحب علمی مسائل میں بھی علمائے کرام کے بجائے اپنے قیاس یا مشہور نعت خوانوں کے اقوال پر بھروسہ کرتے ہوئے فتویٰ صادر فرماتے ہیں۔ ان کی یہ قیاس آرائی (عام زندگی میں) سگریٹ یا سگار کی حد تک تو شاید درست ہو۔ لیکن پان کھانے میں کوئی شرعی ممانعت نہیں۔ مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمتہ کا شمار عرب و عجم کے یگانۂ روزگار مفتیان دین متین میں ہوتا ہے۔ ان سے ایک صاحب نے پان اور تمباکو کھانے کے بارے میں فتویٰ تحریر کرنے کی درخواست کی۔ آپ نے جو فتویٰ تحریر فرمایا اس میں یہ الفاظ شامل ہیں۔ "جب بدبو نہ ہو تو درود شریف اور دیگر وظائف اس حالت میں پڑھ سکتے ہیں کہ منہ میں پان یا تمباکو ہو۔ اگرچہ بہتر منہ صاف کر لینا ہے۔ لیکن قرآن عظیم کی تلاوت کے وقت ضرور منہ کو بالکل صاف کر لیں...." (فتاویٰ رضویہ)۔

یہ مسئلہ تغیر الفاظ کے ساتھ فقہ کی ایک اور مستند اور مشہور کتاب ردّ المحتار میں بھی بیان ہوا ہے۔ جس سے پان اور خوشبودار تمباکو کھانے کی اباحت ثابت ہے۔ رہا سگریٹ' سگار' بیڑی اور حقہ' تو اس سے تمباکو کا حکم مفہوم ہوتا ہے۔ جس کے بارے میں اعلیٰ حضرت کا فتویٰ ملاحظہ فرمایئے :

"حق یہ ہے کہ معمولی حقہ تمام دنیا کے عامہ بلاد کے عوام و خواص یہاں تک کے علماء و علمائے حرمین محترمین (زادہما اللہ شرفاً" و تکریماً") میں رائج ہے' شرعاً" مباح و جائز ہے۔ جس کی ممانعت پر شرع مطہر سے اصلاً" دلیل نہیں' تو اسے ممنوع و ناجائز کہنا احوال حقہ سے بے خبری پر مبنی ہے۔" پھر ردالمحتار سے علامہ شامی علیہ الرحمتہ کا فتویٰ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں "معمولی حقے کے حق میں تحقیق یہی ہے کہ وہ جائز و مباح ہے۔ اور صرف مکروہ تنزیہی ہے۔ یعنی جو نہیں پیتے وہ اچھا کرتے ہیں' اور جو پیتے ہیں کچھ

برا نہیں کرتے۔" (احکام شریعت)۔

اس تحقیقی گفتگو کے بعد پروفیسر افضال انور صاحب کو محض مفروضات پر مبنی اپنے اعتراض سے رجوع کرلینا چاہیے۔ (سامعین ویسے بھی محفل نعت میں سگریٹ وغیرہ نہیں پیتے۔ صرف پان ہی کھاتے ہیں، جس کی اباحت سطور بالا میں بیان کی جاچکی ہے)۔

(۹) صفحہ نمبر ۱۹۱،۱۹۰ پر طویل گفتگو میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ ہدیۂ صلوٰۃ و سلام پیش کرتے وقت سلام پڑھنے والے نعت خواں کا چہرہ مدینہ منورہ کی سمت ہونا چاہیے۔ اور اس کے پیچھے حاضرین محفل بھی مدینہ رخ کھڑے ہوں۔ دو صفحات پر پھیلی ہوئی یہ طویل گفتگو محض ذہنی اختراع پر مبنی ہے۔ تحقیق اور شرعی دلائل سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ صاحب مضمون نے نماز باجماعت کے امام کا مقتدیوں کی جانب رخ کر کے بیٹھنے اور اجتماعی دعا کرنے کے بارے میں شاید نہیں سوچا کہ یہ عمل سنّت کے مطابق ہے۔ یہی صورت سلام پڑھنے والے نعت خواں اور حاضرین محفل کی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ اذکار و وظائف کیلئے مسلمانوں کا حلقہ بنا کر بیٹھنا صحیح مسلم کی حدیث سے ثابت ہے۔ لہٰذا حلقہ کی شکل میں کھڑے ہو کر سلام پڑھنے میں سنّت سے مطابقت ہے یا اس کے خلاف میں؟ محولہ بالا تحریر سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مضمون نگار محافل نعت کی حقیقت سے بے خبر ہیں۔ اگر ان پر یہ حقیقت عیاں ہوتی کہ محافل میلاد میں ناز بردار امت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کے واقعات و شواہد تواتر کے ساتھ بزرگان دین اور علمائے حق نے تحریر فرمائے ہیں۔ تو یقیناً" ان کا رویّہ مختلف ہوتا۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف "فیوض الحرمین" میں مشاہد اجمالی کے عنوان سے حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تشریف آوری کے لطیف مشاہدات تحریر فرمائے ہیں۔ اسی طرح "زبدۃ الآثار" میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ یہ واقعہ صحت روایت کے ساتھ نقل فرماتے ہیں :

"حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ایک مرتبہ مجلس میں وعظ فرما رہے تھے۔ حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی کرسی کے پاس آپ کے قدموں میں حضرت شیخ علی بن ہیتیؒ بیٹھے تھے کہ ان کو نیند آگئی۔ حضرت غوث پاک نے لوگوں کو خاموش رہنے کا اشارہ فرمایا۔ اس کے بعد غوث جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی کرسی سے نیچے اترے اور حضرت ہیتی علیہ الرحمۃ کے سامنے باادب کھڑے ہو گئے۔ اور ان کی طرف دیکھنا شروع کیا۔ تھوڑی دیر بعد حضرت علی ہیتی علیہ الرحمۃ بیدار ہوئے تو غوث الاعظمؒ نے ان سے فرمایا کیا تم نے ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے؟۔ انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔ اس پر غوث پاکؒ نے فرمایا میں نے اسی وجہ سے ادب اختیار کیا تھا"۔ (اس واقعہ سے حضرت علی بن ہیتیؒ کا قبلہ رخ بیٹھنا اور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قبلہ کی

طرف پشت کر کے با ادب کھڑے ہو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کرنا ثابت ہوتا ہے..... اور حضور اکرمؐ کی تشریف آوری کا ثبوت ملتا ہے)۔

ایسے واقعات کثرت سے معتبر کتابوں میں ملتے ہیں۔ جن سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دینی مجالس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رونق افروز ہوتے ہیں۔ قرون اولیٰ سے تا عہد حاضر مسلمانوں کا دینی مجالس میں حلقہ کی شکل میں یا علماء واعظین کے روبرو بیٹھنا تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔ ایسی مجالس میں صدر بزم کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر اپنے کرم سے جلوہ افروز ہوں تو آپ صدر نشین اور تمام حاضرین حلقہ نشیں یا حاشیہ نشین ہوتے ہیں۔ لہٰذا تحقیقی بات یہی ہے کہ محافل میلاد کے تقدس کو سمجھا جائے۔ اور حلقہ کی شکل میں یا درود وسلام پڑھنے والے کے مقابل ہی کھڑے ہو کر ہدیۂ صلوٰۃ وسلام پیش کیا جائے۔ یہی بزرگان دین اور عامۃ المسلمین کا رواج رہا ہے۔ اور فقہی اعتبار سے رواج کو نصّ شرعی کی حیثیت حاصل ہے۔ جیسا کہ المبسوط اور اصول فقہ کی دیگر کتب میں یہ اصول تحریر کیا گیا ہے۔ "الثابت بالعرف کا الثابت بالنص" یعنی جو بات رواج سے ثابت ہو وہ ایسی ہے جیسے نص سے ثابت ہوئی۔ لہٰذا تواتر سے ثابت ہدیۂ درود وسلام پیش کرنے کے صدیوں کے معتبر رواج کو ذہنی اختراعات کے سہارے نامانوس شکل دینے سے گریز کرنا چاہیے۔

امید ہے کہ ان معروضات پر ضروری توجہ دی جائے گی۔ اور مذہبی نوعیت کے مضامین لکھنے سے پیشتر علمائے حق کی تحریروں سے استفادہ کیا جائے گا۔ تاکہ مذہبی حلقوں میں بے یقینی کی کیفیت عام نہ ہونے پائے۔ پروفیسر افضال احمد انور نے جو اصلاحی نکات بیان کئے ہیں انکے تعمیری پہلوؤں کا اندازہ تو قارئین کرام کر ہی چکے ہیں اس معروضہ میں طوالت سے گریز کرتے ہوئے کچھ ایسی باتوں کی جانب توجہ دلائی گئی ہے جن میں بعض بے اعتدالیاں مضمر ہیں۔

○

قصیدۂ نعمانؒ

ترجمہ: صبا اکبر آبادی

اے شہ شاہان عالم در پہ حاضر ہے گدا — کچھ نہیں مقصد عنایت اور بخشش کے سوا

شاہکار خلقت و خیر البشر ہیں آپؐ ہی — ہے مرے قلب حزیں میں عشق پنہاں آپؐ کا

آپؐ کا شیدا ہوں میں سرکار والا کی قسم — اس مرے جذب دروں سے خوب واقف ہے خدا

آپؐ کے صدقے میں پیدا کی گئی یہ کائنات — آپ کی خدمت کو یہ سارا جہاں پیدا ہوا

آپؐ ہی کے نور سے روشن ہیں یہ شمس و قمر — ہے زمین و آسماں میں آپ کی شانِ ضیا

جب شب معراج بلوائے گئے سوئے فلک — آسماں کو آپؐ کے قدموں سے رتبہ مل گیا

قرب خالق کی یہ منزل اور کس کو مل سکی — مرحبا کہہ کر پکارا اور جو مانگا دیا

بخشش امت طلب کی آپؐ نے جب یا نبیؐ — رحمت باری نے مقصد آپؐ کا پورا کیا

آپؐ کے اور ہر بشر کے جد امجد تھے مگر — لغزش آدمؑ نے ڈھونڈا تھا سہارا آپؐ کا

نار ابراہیمؑ آپؐ کے صدقے میں گلشن بن گئی — آپؐ ہی کے نور کا تھا یہ کرشمہ بر ملا

جب پڑا دور مصیبت حضرت ایوبؑ پر — آپؐ ہی کی یاد نے ان کو رہا غم سے کیا

آپؐ وہ ہیں آپؐ کے آنے سے صدیوں پیشتر — حضرت عیسیٰؑ نے کی ہے آپؐ کی مدح و ثناء

حضرت موسیٰؑ بھی تھے وابستہ دامن آپؐ کے — حشر کے دن بھی رہیں گے آپ کے زیر لوا

معجزے ایسے دکھائے آپؐ نے مخلوق کو — جس نے دنیا کے دماغ و دل کو حیراں کر دیا

بازوئے مسمومِ بز دینے لگے کفار جب — آپؐ سے بکری نے آ کر کہہ دیا سب ماجرا۔

آپؐ کی سرکار سب کے واسطے جائے پناہ — آپؐ کے در پہ اماں مانگیں ہرن اور بھیڑیا
وحشیانِ دشت بھی طالب کرم کے آپؐ سے — اونٹ نے بھی آپؐ سے کی ہے مدد کی التجا
آپؐ نے اشجارِ صحرا کو اگر آواز دی — آپؐ کی خدمت میں ایک اک باادب حاضر ہوا
آپؐ کی شان کریمی کا تھا یہ بھی معجزہ — آبِ حیواں انگلیوں سے آپؐ کی جاری ہوا
پتھروں نے دی گواہی آپؐ کے اعجاز کی — کنکروں نے آپؐ کے ہاتھوں میں کلمہ پڑھ لیا
آپؐ پر ابرِ رواں ہر وقت تھا سایہ فگن — آپؐ سے بچھڑا درختِ خشک تو رونے لگا
خاک پر ملتا نہیں تھا آپؐ کا نقشِ قدم — یا کبھی پتھر کے دل میں آپؐ کا تھا نقش پا
آپؐ کے جود و سخا سے سارا عالم فیضیاب — آپؐ کے لطف و عنایت سے مریضوں کو شفا
آپؐ نے حضرت قتادہؓ کو بصارت بخش دی — کر دیا ابن حمیس سے دور درد لادوا
جب خبیب اور ابن انصرا نے کھائے تن پہ زخم — آپؐ کے لمس مبارک نے انہیں بخشی شفا
جنگ خیبر میں علیؓ کی دکھتی آنکھوں کو دیں — آپؐ کے لمس دہن نے کیسا اچھا کر دیا
جا چکا تھا جب پسر جابر کا اپنی جان سے — اس کو زندہ کر گیا تھا آپؐ کا دست دعا
امِّ معبد جن کی بکری دودھ سے محروم تھی — آپؐ کے چھونے سے اس میں دودھ کا دریا بہا
خشک سالی سے پریشاں جب ہوئے اہل عرب — آپؐ نے مانگی دعا اور جھوم کے برسی گھٹا
دعوت اسلام دی جب آپؐ نے مخلوق کو — صدق دل سے سننے والوں نے پکارا مرحبا
آپؐ ہیں مخلوق عالم کو ہدایت کا نشاں — پست کر کے کفر کو اسلام کو اونچا کیا
آپؐ کے دشمن جو تھے پستی میں گرتے ہی گئے — ہو گئے محروم بخشش آپ پر کر کے جفا
آ گئی فوج ملائک بدر میں امداد کو — کافروں کو قتل کر کے وعدہ پورا کر دیا
فتح مکہ سے قدم نصرت نے چومے آپ کے — رحمت حق سے ہوا سر معرکہ احزاب کا
ہودؑ اور یونسؑ جمال و نور سے تھے فیض یاب — حسن یوسفؑ آپؐ ہی کے جلوۂ رخ کی ضیاء
یاطٰہٰ! انبیاء کے آپؐ ہی سالار ہیں — پاک ہے وہ ذات جس نے آپؐ کو افضل کیا
آپؐ سا کوئی نہیں اے سرورِ یٰسین لقب — ہے قسم اللہ کی اے سید ارض و سما
آپؐ مدثر ہیں، سب عاجز ثناء میں آپ کی — شاعران دہر کی ہے کوشش مدح و ثناء

ہے نزول انجیل کا عیسیٰؑ پہ از راہ خیر اور سراپا آپؐ کا قرآن میں لکھا ہوا
آپؐ کے اوصاف سیرت اور صورت کیا لکھیں ہیں حد لوح و قلم، لفظ و بیاں سے ماورا
ہوں سمندر روشنائی اور شجر سارے قلم وصف پھر بھی لکھ نہیں سکتے ہیں یہ ارض و سما
اے مرے آقاؐ پرانا شیفتہ ہوں آپؐ کا آپؐ پر قرباں ہو میرا دل درد آشنا
آپؐ کا حسن تصور میری خاموشی کا شغل آپؐ کے اوصاف کا اظہار، میرا بولنا
آپؐ کے اقوال ہی سنتا ہوں جب سنتا ہوں میں دیکھتا ہوں جب تو جلوہ دیکھتا ہوں آپؐ کا
اے مرے مالکؐ فقیری میں مدد کیجے مری آپؐ کے جود و سخا پر بس ہے میرا آسرا
افضل الخلوق میری سمت بھی دستِ کرم آپ ہی کے ہاتھ میں سرمایہ ہے کونین کا
روز محشر تک حریص بخشش سرکارؐ ہوں آپ ہی ہیں دین و دنیا میں جہاں کا آسرا
بخشش عصیاں کی محشر میں مجھے امید ہے آپؐ کا دامن مرے ہاتھوں میں ہے خیر الوریٰؐ
آپؐ کے سائے میں جو آئے گا بخشش پائے گا آپؐ مقبولِ شفاعت ہیں سر روز جزا
مہرباں ہیں آپؐ میری بھی شفاعت کیجے میں غریب و بے نوا ہوں اور شیدا آپؐ کا
اے نشان رحمت حق آپؐ پر لاکھوں سلام تا ابد باقی رہے گا نام نامی آپؐ کا
آپؐ پر اور آپ کے اصحابؓ پر ہوں رحمتیں اور ان سب پر، ہیں جتنے آپکے مدحت سرا

یارسول اللہ دونوں کی ریاضت ہو قبول
بو حنیفہؒ کی عقیدت میں ہوا شامل صباؔ

I WONDER

If the Prophet Muhammad visited you,
Just for a day or two,
If he came unexpectedly,
I wonder what you'd do.
Oh, I know you'd give your nicest room,
To such an honoured guest.
A nd all the food you'd serve to him,
would be the very best,
you're glad to have him there,
That serving him in your home,
Is joy beyond compare.

But... when you saw him coming,
Would you meet him at the door
With arms outstretched in welcome,
To your visitor?
Or... would you have to change your clothes
Before you let him in?
Or hide some magazines and put
The Quran where they had been?
would you still watch X-rated movids,
On your TV set?
Or would you rush to switch it off,
Before he gets upset?
would you turn off the radio,
And hope he hadn't heard?
And wish you hadn't uttered,
That last loud hasty wird?

Would yor hide your worldly music,
And instead take Hadith books out?
Could you let him walk right in,
Or would you rush about?
And, I wonder...If the Prophet spent
A day or two with you,
Would you go on doing the things
You always do?

Would you go right on saying things
you always say?
would life for you continue
As it does from day to day?

Would your family conversation
Keep up it's usual pace
And would you find it hard each meal
to say a table Grace?
Would you keep up each and every prayer?
without putting on a frown?
And would you always jump up early
for prayer at Dawn?
Would you sing the songs you always sing
And read the books you read?
And lit him know the things on whing
Your mind and spirit feed?
would you take Prophet with you
Everywhere you plan to go?
Or' would you, maybe, change your plans
Just for a day or so?

Would you be glad to have him meet
your very closest friends?
Or would you hope they'd stay away
Until his visit ends?
Would you be glad to have him stay,
forever on and on?
Or would you sigh with great relief,
When he at last was gone?
it might be interesting to know
The things that you would do
If the Prophet Mohammad, in person, came
To spend some time with you.

BY : SISTER CAMILIA BADR

میں سوچتی ہوں

ترجمہ: آفتاب کریمی

اگر محمد مصطفیٰؐ اچانک
آپ کے دروازے پہ دستک دیں
اور وہ ایک دن کے لئے آپ کو میزبانی کا شرف بخشیں
تو.... تو... آپ کی کیا کیفیت ہو گی
میں یہ سوچتی ہوں
ایسے عظیم مہمان کے لئے
گھر کا بہترین کمرہ
اور کھانے میں وہ سب کچھ جو آپ کے مقدور میں ہو گا
اور آپ کے لفظوں میں استقبال کے پھول مہکیں گے
"سرکارؐ! کیسا کرم ہے
آپ نے عزت بڑھائی ہے
مسرت کی ہماری انتہا کوئی نہیں ہے"

مگر میں سوچتی ہوں
انہیں اپنے گھر کی جانب آتے دیکھ کر
آپ دروازے پہ انؐ کا استقبال کریں گے
یا پہلے کپڑے بدلیں گے اور پھر گھر کے اندر بلائیں گے
(کہ لباس کے اسلامی تقاضوں کے مطابق ہوں)
یا کچھ رسالے چھپائیں گے
اور ان کی جگہ قرآن رکھ دیں گے
اور اپنے ٹی وی پر چلتی ہوئی بالغ مووی کو

کہاں لے جائیں گے
اور ریڈیو بند کریں گے؟
اور اس تمنا کے ساتھ کہ انہوںؐ نے کچھ نہ سنا ہو
اور آپ کے منہ سے نکلنے والے الفاظ.... رک جائیں گے

اور موسیقی کا ساماں
کیا اس کی جگہ حدیث کی کتابیں نکل آئیں گی
کیا انہیں آپ مشتاقانہ بے قراری کے ساتھ گھر کے اندر لے آئیں گے
یا؟
اور میں سوچتی ہوں
اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو ایک دن آپ کے ساتھ گذار دیں
تو کیا آپ کی مشغولتیں
وہی رہیں گی جو ہیں
اور کیا آپ کی باتیں اور گفتگو
وہی رہے گی جو ہے
اور کیا آپ کی زندگی اپنے راستے پر چلتی رہے گی

کیا آپ کی گھریلو گفتگو
اپنے معین راستوں پر سفر کرتی رہے گی؟
اور کیا ہر کھانے کے وقت
دعاؤں کا دہرانا آپ کے لئے آسان ہو گا
اور کیا ہر نماز
وقت پر ادا ہو گی... بلا الجھن

اور پھر فجر کے وقت
کیا آپ طلوع سحر سے پہلے اپنے بستر کو چھوڑ سکیں گے
اور کیا آپ وہی نغمے اپنے آپ کو سنائیں گے جو ہر دن سناتے ہیں

اور کیا آپ وہی کتابیں پڑھتے رہیں گے جو پڑھتے ہیں
اور کیا آپ اپنے عظیم رسول کو بتائیں گے
کہ آپ کی روح اور ذہن کن خیالات کی آماج گاہ ہے
اور کیا آپ اپنے ہادی و رہنما کو ان مقامات پر لے جائیں گے
جہاں جانے کا منصوبہ بنا رکھا ہے
کیا پھر آپ اپنے ارادے بدل دیں گے
دو چار دنوں کے لئے

کیا آپ اطمینان کے ساتھ سرور کونینؐ کی ملاقات
اپنے جگری دوستوں سے کرائیں گے
کیا آپ سوچیں گے کہ کاش وہ آپ کے ہاں نہ آئیں
جب تک سرکارؐ کا قیام ہے
کیا آپ اس آرزو کا اظہار کر سکیں گے
کہ کاش سرکارؐ ہمیشہ ہمیشہ آپ کے ہاں مقیم رہیں؟
کیا آپ اطمینان بھرا سانس لیں گے
جب شاہ کونینؐ کے رخصت ہونے کی گھڑی آئے گی

ذرا سوچئے
اگر سرکارؐ آجائیں
آپ کے ساتھ کچھ وقت گزارنے

شاہ لطیف کی نعتیہ شاعری

پروفیسر آفاق صدیقی

سندھی زبان و ادب کے سرمایہ میں نعتیہ شاعری کا نمایاں ترین حصہ ہے۔ خصوصاً حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ کے مجموعۂ کلام "شاہ جو رسالو" میں نعتیہ مضامین کی جو روح پرور کیفیات ملتی ہیں وہ بیت اور وائی جیسی قدیم شعری اصناف کی صورتوں میں زندہ جاوید حیثیت اختیار کر چکی ہیں۔ شاہ سائیں نے اپنے پیام و کلام میں جو اخلاقی و روحانی درس دیا ہے اس کا محور محسن انسانیت، سرور دو عالم، ہادیٔ برحق، خاتم الانبیاء، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت ہی سے عبارت ہے چاہے اس کا اظہار براہ راست ثناخوانی کے انداز میں ہو یا علاماتی و اشاراتی رنگ و آہنگ میں۔

حقیقت یہ ہے کہ سیرت طیبہ اور اسوۂ حسنہ کے اوصاف حمیدہ سے۔ شاہ بھٹائی کو جو عشق تھا شاہ جو رسالو کا ہر باب اسی عشق کا مظہر ہے۔ مثلاً "پہلا باب جو سُر کلیان کے نام سے موسوم ہے اور اس کے کئی ذیلی حصے ہیں جن کو داستانوں کا نام دیا گیا ہے۔ اس پورے سُر کلیان میں نعتیہ بیتوں کی جو معنویت ہے، وہ درج ذیل ترجموں میں ملاحظہ ہو۔

اگر اللہ پر رکھتے ہو ایماں ۔۔۔ رسول اللہ سے بھی لو لگاؤ
سمائے جس میں ان دونوں کا سودا ۔۔۔ کسی در پر نہ اس سر کو جھکاؤ
جنہوں نے دل سے اس یکتا کو مانا ۔۔۔ محمدؐ کو بصد اخلاص جانا
نہ ان کو کوئی گمراہی کا خطرہ ۔۔۔ نہ ان سے دور ہے ان کا ٹھکانا
کامل ایماں کے ساتھ جس نے بھی ۔۔۔ دل سے مانا زباں سے مانا
جس کی خاطر بنی ہے یہ دنیا ۔۔۔ اسی محمدؐ کا مرتبہ جانا
فوقیت اس کو دوسروں پر ملی ۔۔۔ اپنی ہستی کو اس نے پہچانا

سُر یمن کلیان میں شاہ صاحب نے تشبیہاتی اور استعاراتی انداز بیاں سے توحید و رسالت کا عرفان حقیقی بخشا ہے، مثلاً "ایک بیت میں فرماتے ہیں۔

منزل عشق ہے در محبوب ۔۔۔ سجدہ ریزی کرو عقیدت سے
کیا عجب تم پہ مہرباں ہو کر ۔۔۔ وہ نوازیں تمہیں محبت سے
کاش راز حیات مل جائے ۔۔۔ تم کو اس رہبر حقیقت سے

شاہ سائیں کے کلام میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رسالتؐ کے حوالے سے استعارے برتے گئے ہیں ان سب کا ذکر کرنے کے لئے طویل مقالہ درکار ہے۔ سندھ کی سماجی اور تہذیبی و ثقافتی قدروں کو برقرار رکھتے ہوئے شاہ لطیف نے جود و سخا' ہمدردی و رواداری' ایثار و قربانی' مہر و وفا' صبر و رضا اور ایسی ہی بیشتر صفات عالیہ رکھنے والی بعض سندھی شخصیات کو محسن انسانیتؐ کے فیضان رحمت کا پرتو قرار دیا ہے۔ مثلاً "سربلاول" میں سندھ کے ایک سمہ سردار "جادم بکھر" کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اے سمہ! تو ہے تاجدار زماں — ورنہ یوں تو بہت سے ہیں سردار
جوق در جوق میں نے دیکھے ہیں — تیرے در پہ ہزاروں خدمت گار
ہر کسی کا ہے اپنا اپنا ظرف — تیری جود و سخا سے کب انکار
سائلو! تم اسی کے در پہ چلو — "بکھرے" جیسا نہیں کوئی سردار
اس کی جود و سخا کا کیا کہنا — صاحب حلم و پیکر ایثار

اسی سربلاول میں جو نعتیہ مضامین شاہ سائیں نے بیان کئے ہیں منظوم ترجموں کی صورت میں انکی چند مثالیں پیش کرتا ہوں۔

جن کو صدق و صفا سے نسبت ہے — ان پہ اس جان جاں کی رحمت ہے
جمع ہوتی ہیں گرسنہ روحیں — سب کو عزم و یقین کی دعوت ہے
اپنے وابستگان دامن کو — موج و طوفان سے پار اتارے گا
عرصۂ حشر میں رفیقوں کو — جب وہ خیر البشر پکارے گا
کوئی ویسا نہیں ہوا اب تک — سارے نبیوں کا پیشوا ہے وہ
ہے لقب اس کا ہادئ برحق — سر بسر رحمت خدا ہے وہ

بیتوں سے قطع نظر سربلاول میں نعتیہ وائی (کافی) کا انداز بیاں بھی بہت ہی پُرکشش ہے۔

ہمیں ہے اسی کی رضا کا سہارا — وہی راہبر اور حامی ہمارا
وہ ہادی کہ ہے نام جس کا محمدؐ — اسی کی شفاعت اسی کا سہارا
نجات اس کی ہو گی غم دو جہاں سے — وہ کرے گا جس کے لئے بھی اشارا
لطیف اس کا لطف و کرم جاوداں ہے — دو عالم کو جس نے نکھارا سنوارا

سُر سارنگ' شاہ جو رسالو کا وہ باب ہے جس میں برسات کے مناظر اور باران رحمت کے اثرات کی عکاسی کی گئی ہے۔ شاہ سائیں کے دور میں سندھ کا بیشتر حصہ اور خصوصاً وہ علاقے جو دریائے سندھ سے دور واقع ہیں خشک سالی کا شکار رہتے ہیں' اس ضمن میں صحرائے تھر کا نام لیا جا سکتا ہے جہاں آج بھی وہی حال ہے جو صدیوں پہلے تھا لیکن جب بارشوں کا موسم آتا ہے اور بارش ہو جاتی ہے تو صحرا بھی گلزار بن جاتا ہے۔

سُرسارنگ میں مقامی کیفیات اور رنگ آمیزی کی مخصوص علامت کے پردے میں شاہ سائیں نے یہ تاثر پیدا کیا کہ پیغمبر اسلامؐ کی ولادت باسعادت' بعثت اور طلوع اسلام سے سندھ میں بھی ایسی سرسبز و شاداب فضا ابھرنے لگی جیسے ہر طرف نوبہار کا سماں ہو۔ چند بیتوں سے اس کیفیت کا اندازہ لگایئے۔

شمالی بادلوں کی آبیاری مٹا دیتی ہے سب کی بیقراری
وہ بیچارے ہوئے سیراب آخر مسلسل تشنگی تھی جن پہ طاری
اٹھ رہے ہیں شمال سے بادل اب مدینہ کی سمت جائیں گے
لے کے فیضان روضۂ اطہر تپتے صحرا کو لوٹ آئیں گے
بات بن آئیگی سنگھاروں کی وہ پیام بہار لائیں گے
پھیل جائے گی مشک کی خوشبو جب فضا پر وہ آ کے چھائیں گے

اسلام کی برکتیں اور رحمتیں مدینہ منورہ سے ہر طرف پھیلنے لگیں جس طرح اللہ تعالی کے فضل و کرم سے بارشوں کے موسم میں دور دور تک شادابی کا سماں ہوتا ہے۔ اس کیفیت کو شاہ سائیں سُرسارنگ میں اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

رخ کسی کا ہے سوئے استنبول کوئی آئی ہے کابل و قندھار
اک سمرقند کی طرف جائے ایک جاتی ہے جانب گرنار
عازم روم ہے کوئی بدلی اور کسی کو عزیز ہے ولھار
ہے دکن کی طرف رواں کوئی کوئی دلّی کی سمت ہے تیار
سندھ پر بھی ترا کرم ہو جائے اے دھنی! تو ہے سب کا پالن ہار

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالی نے اپنا آخری نبی اور تمام رسولوں کا سرتاج بنا کر عالم انسانیت پر کتنا بڑا احسان کیا ہے۔ اس احسان عظیم کو شاہ بھٹائی نے اپنے پیام و کلام میں جا بجا اجاگر کیا ہے۔ سُرسارنگ بھی ایسی ابیات سے بھرپور ہے جن میں رسول اکرمؐ کے فیضان رحمت کو باب الاسلام سندھ کی شادابی پر محمول کیا ہے۔

بجلیاں بادلوں کو لے آئیں ہر طرف خوب ہو گئی برسات
تھر کا صحرا بھی ہو گیا شاداب فیض رحمت کے ہیں یہ احسانات
رنگ لائی ہے آخری بارش صلۂ رنج و غم وصول ہوا
جوش رحمت کو آگیا کیسا کس کا عجز دعا قبول ہوا

اس طرح کے متعدد بیتوں میں شاہ صاحب نے خاتم الانبیاء اور اللہ کے آخری دین مبین کی برکات کو مقامی رنگ آمیزی کے پردے میں بہت ہی من موہنے انداز میں بیان کیا ہے اور کچھ ایسی ہی دلکشی ان

سنگھار۔ تھر کے کسان گرنار اور ولھار۔ راجستھان اور سندھ کے علاقے

وائیوں میں بھی سموئی ہوئی ہے جو سندھی نعت گوئی کی سدا بہار مثالیں ہیں مثلاً "ایک وائی میں بھٹ دھنی فرماتے ہیں۔

وائی

ساری دنیا ہے شیدائی صلی اللہ تیری زیبائی
سجدے میں ہیں دونوں عالم شوکت کسریٰ درہم و برہم
تیرا پر تو عرش اعظم تو ہے نور ازل کا محرم
وہ تری جلوہ آرائی ساری دنیا ہے شیدائی
صلی اللہ تیری زیبائی

تیرے پاؤں کی دھول بھی پیاری قسمیں کھائے ذات باری
ہر سو تیرا فیض ہے جاری جاگ اٹھی تقدیر ہماری
بارش رحمت نے برسائی ساری دنیا ہے شیدائی
صلی اللہ تیری زیبائی

شاہ جو رسالو' کا ایک سُر کئی دوسرے سُروں کی طرح سندھ کی ایک مشہور و معروف لوک کہانی "مومل رانو" کے کرداروں اور حالات وواقعات سے تعلق رکھتی ہے۔ مومل سراپا حسن وجمال تھی اس کی طلب میں بڑے بڑے راجکماروں نے سخت آزمائشوں سے گزر کر بھی اسے پانے کی کامیابی نہ حاصل کی بہتوں نے اپنی جان گنوائی اور جو زندہ رہے بھی وہ اسکے نام کی دھونی پاکر جوگی بن گئے مگر رانو نے اپنی دانشمندی' سخت کوشی اور سچی طلب کے نتیجے میں مومل کے دل کو ایسا جیت لیا کہ خود مومل کو رانو سے عشق ہو گیا۔ بہر کیف اس لوک کہانی میں طلب کی صداقت اور طالب و مطلوب کے حوالے سے شاہ بھٹائیؒ نے مومل کو حسن حقیقت کا استعارہ اور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حسن حقیقت تک رسائی پانے کا وسیلہ قرار دیتے ہوئے ایک وائی میں کہا ہے۔

نہ یہ عالم' نہ یہ منعم' نہ یہ سردار دیکھیں گے
نہ یہ دیں دار دیکھیں گے نہ دنیا دار دیکھیں گے
بہر صورت جو تسلیم و رضائے یاد رکھیں گے
وہی مومل کا حسن عافیت آثار دیکھیں گے
بوقت جانکنی یارب! نظر جب آسماں پر ہو
بفیضان محمدؐ ذکر تیرا ہی زباں پر ہو
جو فیضان نگاہ احمد مختار دیکھیں گے
وہی مومل کا حسن عافیت آثار دیکھیں گے

شاہ لطیف کا پیام وکلام کلاسیکی موسیقی اور سندھ کی لوک غنائیہ روایات سے گہرا تعلق رکھتا ہے۔

اس سلسلے میں انھوں نے کئی جدتیں اور ندرتیں بھی پیدا کیں مثلاً "کلاسیکی موسیقی میں "یمن" ایک راگنی کا نام ہے اس میں کچھ تبدیلی کر کے اسے "یمن سندھی" کا نام دیا گیا ہے اور شاہ سائیں نے اس باب میں عشق الٰہی، حب رسولؐ اور عشق حقیقی کے دائمی سرور و کیف پر ایسے بیت اور کچھ وائیاں کہیں جن کو ان کے عقیدت مند بڑی چاہتوں سے گاتے گنگناتے ہیں۔

وائی

مجھ کو دکھیا کی دھیر بندھانا   پیارے محمدؐ چھوڑ نہ جانا
مطلب کی ہے دنیا ساری   کون سنے فریاد ہماری
ہر اک پیتا میں کام آنا   پیارے محمدؐ چھوڑ نہ جانا
میں ہوں تشنہ کام محبت   مجھ کو بھی اک جام محبت
ساقی بن کر آپ پلانا   پیارے محمدؐ چھوڑ نہ جانا
روز ازل سے نور تمہارا   دیدہ و دل میں جلوہ آرا
رہبر ہو تم راہ بتانا   پیارے محمدؐ چھوڑ نہ جانا

ہماری نعتیہ شاعری میں مدینہ منورہ کا ذکر جس خلوص و محبت اور عقیدت و احترام سے کیا جاتا ہے وہ محتاج بیاں نہیں۔ شاہ صاحب نے مختلف سُروں کے بیتوں میں اس روح پرور روایت کو کس طرح عزیز جاں رکھا ہے آیئے "سُر ڈھر" کے بیتوں میں اس کا مشاہدہ کرتے ہیں اور پھر شاہ مدینہ سے شاہ سائیں کی والہانہ چاہتوں سے بھی لطف اندوز ہوتے ہیں"

اگر ہے عاشق شہر مدینہ   تو اے سائل وہاں اس طرح جانا
بہ فرط شوق اپنے چشم و دل کو   عبار منزل جاناں بنانا
نظر آئے تجھے جب نور احمد   تو اس کو اپنی رگ رگ میں سمانا

سبھی سکھیوں کے ہیں سرتاج لیکن   مرے سرتاج ہیں سب سے نرالے
کرے گا کون ایسی عیب پوشی   کہ دیکھے اور ہر اک عیب ٹالے
مری لغزش بنے اس کی نوازش   میں گر جاؤں تو وہ مجھ کو سنبھالے
اسے ہونے نہ دے دنیا میں رسوا   جسے وہ اپنی کملی میں چھپالے

اب اس سے پہلے کہ شاہ جو رسالو سے عشق رسولؐ کی کچھ اور مثالیں پیش کی جائیں آپکو یہ بھی بتاتا چلوں کہ محبی صبیح رحمانی نے جس عمدگی سے "نعت رنگ" کے شماروں کو ادب رموز، خیال افروز اور بصیرت اندوز قدروں سے مزین کیا ہے اسکی مخلصانہ داد و تحسین کا مجھے اپنے طور پر موزوں ترین طریقہ یہی پسند آیا ہے کہ شاہ لطیف کے نعتیہ کلام کے چند منظوم تراجم ایک مضمون کی صورت میں یکجا کر دوں۔ فی الوقت یہ اجمالی سا تعارف ہے انشاء اللہ آیندہ کسی شمارے میں بھرپور مقالہ آپ کی نظر سے گزرے گا

لیکن یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ ترجمے میں زبان و بیان کے وہ اوصاف کہاں جو شاہ سائیں کے اصل پیام و کلام میں ہیں۔ البتہ میری امکانی کوشش رہی لفظی ترجمے سے گریز کرتے ہوئے اصل مفہوم کو مقفیٰ شاعری کے سانچے میں ڈھال دیا جائے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

اگر ہو تیری رحمت کا اشارہ — تو ہر گرداب بن جائے کنارا
ترے قربان اے شاہ مدینہ — مجھے درکار ہے تیرا سہارا
اثر رکھتی ہے کچھ تو اسکی آواز — محبت سے تجھے جس نے پکارا
نہ ہو گی رائیگاں فریاد اسکی — تجھے اپنا کہے جو غم کا مارا
ترے قدموں کی مٹی کیمیا ہے — نہیں تیرے سوا کوئی ہمارا
مجھے عصیاں پہ ہے بیحد ندامت — بھلا دینا نہ تو مجھ کو خدارا

غالب کی ایک نعتیہ غزل

پروفیسر محمد اقبال جاوید

یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ غالب نے اپنے اردو کلام کو مجموعۂ بے رنگ کہا اور فارسی کلام کو نقش ہائے رنگ رنگ کا مرقع قرار دیا اور آرزو کی کہ فارسی کلام ہی کو پڑھا جائے اور اردو کلام کو نظرانداز کردیا جائے۔ مگر دنیا نے ان کی بے رنگ شاعری میں بھی اتنے رنگ دیکھے کہ آج تک وہ اس کے سحر سے نکل نہیں سکی۔ اور غالب کو شہرت دوام اس کے اردو کلام ہی نے عطا کی۔ فارسی کلام بوجوہ کم پڑھا گیا اور کم سمجھا گیا' حالانکہ بطور شاعر غالب کی حقیقی عظمتیں وہیں جلوہ گر ہیں۔ علامہ اقبال کے الفاظ میں "مرزا غالب۔ فارسی شاعر۔ غالبا" ہمارا واحد دوامی سرمایہ ہے' اس کا شمار ان شاعروں میں ہے جو اپنے تخیل اور ادراک میں محدود عقیدوں اور سرحدوں سے ماورا ہوتے ہیں۔ دنیا ابھی اسے پہچانے گی۔" بانگ درا میں اقبال نے غالب کو یوں خراج تحسین پیش کیا ہے۔

نطق کو سو ناز ہیں تیرے لب اعجاز پر محو حیرت ہے ثریا رفعت پرواز پر
شاہد مضموں تصدق ہے ترے انداز پر خندہ زن ہے غنچۂ دلّی' گل شیراز پر
آہ تو اجڑی ہوئی دلّی میں آرامیدہ ہے
گلشن ویمر میں تیرا ہم نوا خوابیدہ ہے

ڈاکٹر سید محمد عبداللہ کے الفاظ ہیں "غالب کے فارسی کلام میں حسن و عشق' موت و حیات' کمال و پستی' امید و بیم' قبض و بسط غرض زندگی کے بارے میں بے شمار حقائق ملتے ہیں۔ یہ ان کی اردو شاعری میں بھی ہیں مگر فارسی شاعری کا دامن وسیع تر اور محمود تر ہے" اور یہ شرف بھی غالب کے فارسی کلام کو ملا کہ اس میں اس کی ایک خوبصورت نعتیہ غزل محفوظ ہے۔

غالب باقاعدہ نعت گو شاعر نہیں ہے' وہ جس دور سے تعلق رکھتا ہے اس دور میں نعت رسما" کہی جاتی تھی اور تبرکا" مجموعۂ کلام میں شامل کی جاتی تھی۔ مگر یہ فارسی نعت کلام کے آغاز میں نہیں بلکہ ترتیب کے مطابق ردیف ت میں ملتی ہے۔ اور یہ بات بھی نہیں کہ غزل کہتے کہتے کہیں اتفاق سے نعت کا شعر ہو گیا ہو۔ جیسا کہ غالب کے اردو کلام میں بعض مقامات پر چند نعتیہ شعر ملتے ہیں۔ بلکہ حسن اتفاق سے یہ ایک خالص نعت ہے اور اس کی ردیف "محمدؐ است" اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ

رسا" نہیں بلکہ ارادتاً" کہی گئی ہے۔ اور اس کے آخری شعر کا قبول عام ' نیت کے اس حسن کا خوبصورت ثمر ہے۔ غالب 'نعت کے یہ نو شعر نہ بھی کہتے تو یہی ایک شعر' ایک بھرپور نعت کا کام دے سکتا تھا اور خود نعت گو کے لیے توشۂ آخرت بھی بن سکتا تھا کیونکہ اس دربارِ دُربار میں کیفیت دیکھی جاتی ہے' کمیت نہیں' وہاں دل کی دھڑکنیں' روح کی لرزشیں اور آنکھ کے آنسو بار پاتے ہیں۔ یہاں تک کہ احساس 'لفظ بننے سے پہلے ہی موتیوں میں تُل جاتا ہے۔

جو دل سے اٹھی اور گئی عرش بریں تک
جو لب پہ نہ آئی وہ دعا' یاد رہے گی

پوری نعت یوں ہے۔

حق جلوہ گرز طرزِ بیان محمدؐ است   آرے کلام حق بہ زبان محمدؐ است
آئینہ دار پر تو مہر است آفتاب   شان حق آشکار' زشان محمدؐ است
تیر قضا ہر آئینہ در ترکش حق است   اما کشاد آں ز کمان محمدؐ است
دانی اگر بہ معنیٔ لولاک وا رسی   خود ہرچہ از حق است' اذان محمدؐ است
ہر کس قسم بدانچہ عزیز است می خورد   سو گند کردگار بجان محمدؐ است
واعظ' حدیث سایۂ طوبیٰ فروگزار   کاینجا سخن ز سرو روان محمدؐ است
بنگر دو نیمہ گشتن ماہ تمام را   کاں نیمہ جنبشے ز بنان محمدؐ است
درخود زنقش مہر نبوت سخن رود   آں نیز نامور ز نشان محمدؐ است
غالب ثنائے خواجہؐ بہ یزداں گزاشتیم   کاں ذات پاک مرتبہ دان محمدؐ است

پہلے شعر میں اس حقیقت کا اظہار ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان صدق اظہار سے نکلنے والی ہر بات حق ہے کہ وہ خدائے برحق کی طرف سے ہے۔ اس میں ایسی بے لاگ ہدایت ہے جو محض خلوص و محبت کی آئینہ دار ہے اور اس میں کسی نوع کی کوئی ذاتی غرض شامل نہیں ہے۔ نعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم فی الواقع پروردۂ الہام ہے۔ کہ اسے سن کر عرب کے فصیحان تمرّد خُو کے سر بھی جھک گئے تھے اور دل بھی۔ آپؐ کا ایک ایک بول اپنے اندر صدہا صداقتوں کے صدف لیے ہوئے تھا اور آپ کا ہر قول بے خزاں بہاروں کا امین تھا۔

ہر بات اک صحیفہ تھی اُمّی رسولؐ کی
الفاظ تھے خدا کے' زباں تھی رسولؐ کی

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰىۙ○ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰىۚ○ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰىؕ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰىۙ○

اس آیت میں بات کی صداقت کو پُر زور بنانے کے لیے ستارے کی قسم کھائی گئی ہے کہ ستارہ رات کی تاریکیوں میں بھولے بھٹکے مسافروں کو روشنی بھی دیتا ہے' راستہ بھی دکھاتا ہے' رخ بھی سمجھاتا ہے اور وقت کا پتہ بھی دیتا ہے۔ یہی ستارہ اہل فارس اور اہل عرب کے ہاں افسانوی موضوع بھی رہا ہے۔ آیات قرآنی کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لبوں سے ادا ہونے والا ہر کلمہ سچا ہے کہ وہ زبان کھلتی ہی صداقتوں کے لیے تھی۔

دہر بھر کی ہر صداقت کو پرکھ کر دیکھ لو
جو حدیث مصطفیٰؐ میں ہے وہ سچائی کہاں

"صداقت بیان کرنے والے کے ساتھ اپنا رنگ بدلتی رہتی ہے۔ کوئی جھوٹا آدمی سچ بولنے لگے تو سمجھ لینا چاہیے کہ سچ خطرے میں ہے۔ سچ وہی ہے جو سچے کی زبان سے نکلے صادق کو ماننے والا صدیق بن جاتا ہے۔ صادق کی ہربات صداقت ہے' صادق کے فرمان میں اپنی صداقتیں اور وضاحتیں شامل کرنے سے سچ میں دراڑیں پڑ جاتی ہیں کہ صادق الہام بولتا ہے اور ہم ابہام بولتے ہیں۔"

انہی کو مرکزِ حق' حاکمِ برحق کہا' حق نے
وہی خلق و خدا کے درمیاں ہیں برزخِ کبریٰ

آپؐ کی ہربات مطالب قرآنی کی علمی تفسیر اور آپ کا ہر فعل احکام ربانی کی عملی تصویر ہے۔ فرق اتنا ہے کہ آیات قرآنی کی تلاوت کی جاتی ہے مگر ان کی اس نوع سے تلاوت نہیں کی جاتی۔ مگر اہل دل انہیں بھی اصول ہدایت سمجھتے اور اہل نظر عقیدت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں کہ قرآن و حدیث لازم و ملزوم ہیں اور ان میں وہی تعلق ہے جو علم اور تعلیم' نظریہ اور عمل' لفظ اور مفہوم' متن اور وضاحت کتاب اور معلم میں ہے اور حقیقت یہ ہے کہ پیغمبر کی بات کسی مشاہدے' تجربے اور نتیجے کی پابند نہیں ہوتی' وہ مقام تکمیل سے بولتا ہے اور اس کی "ہربات' باتوں کی پیغمبر ہوتی ہے"۔

ہر قول ترا حرف صداقت کا ہے ضامن
ہر فعل ترا حسن ارادت کا امیں ہے

حضرت جعفر صادقؒ کے مطابق سورۃ النجم میں جس ستارے کی قسم کھائی گئی ہے۔ اس سے مراد خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' قسم ہے اس تابندہ ستارے کی جو نیچے اترا' مراد شب معراج' آپؐ کا رفعتوں سے زمین کی طرف نزول فرمانا ہے۔ قرآن پاک کے مطالب و کلمات سب اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہیں جبکہ حدیث کے مفہوم و معانی اللہ کی طرف سے ہیں اور الفاظِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ہربات لکھ لیا کرتے تھے۔ بعض نے انہیں منع کیا کہ کبھی آپؐ غصے میں بھی ہو سکتے ہیں' ہربات لکھنے کے قابل نہیں

ہوتی، انہوں نے کتابت بند کر دی۔ اور اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپؐ نے فرمایا "اے عبداللہ! تم میری ہربات کو لکھ لیا کرو، اس ذات کی قسم، جس کے دست قدرت میں میری جان ہے۔ میری زبان سے کبھی کوئی بات حق کے سوا نہیں نکلتی۔" بقول سیماب اکبر آبادی۔

وہ بے اہمال اسرار حقیقت کھولنے والا!

خدا کے لفظ، انسانی زباں میں بولنے والا

غالب کے اس شعر کے ایک مصرع میں صرف قرآن پاک کی بات ہے کہ وہ زبان محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے سنایا جا رہا ہے۔ دوسرے مصرع میں طرز بیان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے کہ تلاوت کے ساتھ ساتھ تعلیم و تزکیہ کا حق بھی ادا کیا جا رہا ہے۔ قرآن کی توضیح و تشریح کا حق بھی اللہ تعالیٰ نے مخبر صادق ہی کو عطا کیا ہے۔ نص قرآنی ہے کہ "ہم نے آپ پر قرآن اتارا تاکہ آپ لوگوں کے سامنے اسے خوب واضح کریں"۔۔۔۔ گویا منشائے خداوندی اور مطالب قرآنی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی سمجھا سکتے تھے کہ وہ قرآن کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ مولانا بدر عالم میرٹھیؒ نے اس بات کو کلام غالب ہی کی مثال سے یوں واضح کیا ہے

"دیوان غالب اردو ہی کا ایک دیوان ہے۔ اس کی ادبیت بھی ضرب المثل ہے۔ اس کا مؤلف بھی شعراء کی سب سے پہلی صف میں شمار ہوتا ہے۔ لیکن جب غالب دنیا سے رخصت ہو گئے اور ان کے کلام کی مراد براہ راست معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ باقی نہ رہا تو اب ان کا دیوان لوگوں کی طبع آزمائی کے لیے تختۂ مشق بن گیا۔ صوفی مزاج نے چن چن کر ان کے کلام میں تصوّف بھر دیا۔ رند مشرب نے شراب کا لفظ دیکھ کر مستی و کیف کے سارے نقشے کھینچ دیے۔ فلسفی نے اپنی تمام موشگافیاں ختم کر ڈالیں لیکن غالب کی صحیح مراد کے مواقف شاید کوئی شرح بھی نہ لکھی گئی۔ ان سے اگر پوچھا جائے تو وہ ان کے متعلق شاید یہی جواب دیں۔

ہر کسے از ظنّ خود شد یار من

وز درون من نہ جست اسرار من

جب ایک انسان کی تالیف کا حال یہ ہے تو اب انصاف کیجئے کہ اگر قرآن بھی اسی طرح لوگوں کی طبع آزمائی کا میدان بنا دیا جاتا تو اس کا حشر کیا ہوتا"

گویا اگر جبریلؑ کی معرفت صرف قرآن پاک اتار دیا جاتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو ہر شخص اپنی بساط فہم کے مطابق مطالب سمجھتا اور سمجھاتا اور یوں "کثرت تعبیر" سے خواب پریشاں ہو کے رہ جاتا اور حقیقت نہ بن سکتا۔ بقول شاعر۔

شرح کلام پاک ہے انؐ کا ہر ایک لفظ

فرمانِ حق ہے اصل میں فرمانِ مصطفیٰؐ

غالب کے زیر تبصرہ شعر میں حق سے مراد سچ بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات بھی۔ گویا سچائیوں کی تہہ تک بھی آپؐ ہی نے پہنچایا اور عرفانِ حق بھی آپؐ ہی کی معرفت نصیب ہوا، حضورؐ کی معراج لوح و قلم تک پہنچنا تھا اور ہماری معراج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نقوشِ پا تک پہنچنا ہے۔ اور نقوشِ پا کی یہ چاندنی نصیب ہو جائے تو صراطِ مستقیم مل جاتی ہے کیونکہ انسان صادق تک پہنچ جائے تو جملہ صداقتیں اس کا احاطہ کرلیتی ہیں۔ قرآن مجید تو بہر نوع سچائیوں، بصیرتوں اور عبرتوں سے لبریز ایک الوہی بیان ہے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس دل آویز اسلوب، جس دلگداز انداز اور جس دل نشیں ادا کے ساتھ اسے سمجھایا اور دنیا تک پہنچایا وہ ادا صداقت آفرین ہونے کے ساتھ ساتھ جمالیاتی دل پذیری کی جملہ کیفیات کی حامل بھی ہے۔ گویا آپؐ ہر اعتبار سے حق گو ہیں۔ خواہ وہ آیات قرآنی ہوں یا ان کی ترجمانی۔ آیاتِ قرآنی اعجاز و ریجاز، جلال و جمال، اور تاثر و کمال کے لحاظ سے اگر سامعین کے دلوں میں اس انداز سے اتریں کہ وہ بے ساختہ پکار اٹھے کہ اس کلام کی زمین تو آسمان سے آئی معلوم ہوتی ہے تو دوسری طرف احادیثِ نبویؐ فصاحت و بلاغت اور عظمت و موعظت کے اعتبار سے بھی بے مثال سمجھی گئیں کہ ترجمانِ حق، افصح العرب تھے اور انہیں جوامع الکلم عطا کیے گئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم لفظ ابداع فرماتے تھے۔ آپؐ کے مفرد الفاظ جامع و مانع، آپؐ کے جملے حسنِ ادب کی کہکشاں اور آپؐ کی تشبیہات و استعارات ایسے بے مثال ہیں کہ انہیں سنکر ذوقِ سلیم جھومتا ہے۔ آپؐ کی زبان بلاغت نظام سے عربی ایسی ناپید اکنار زبان نے وسعت پائی اور بال و پر حاصل کیے، کم سے کم الفاظ میں مفہوم و مطالب کا سمندر موجیں مارتا محسوس ہوتا ہے۔ اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ "میری زبان اسمٰعیلؑ کی زبان ہے۔ اسے جبرئیلؑ مجھ تک لائے اور ذہن نشین کرا دی" آپؐ کے کلامِ حق کا کمال یہ ہے کہ وہ مختصر، واضح اور عام فہم ہونے کے ساتھ ساتھ سامعین کی جملہ کیفیات اور احساسات پر حاوی ہے۔ مقصود مبہم نہیں اور جامعیت و ہمہ گیریت کا انداز یہ ہے کہ ہر دور کے ہر انسان کی رہنمائی کا حق ادا ہو سکتا ہے۔ لفظ لفظ نگینہ اور بات بات خزینہ ہے۔ اور سہل ممتنع کی ایک ایسی صورت ہے کہ اس کے مقابل بات بنائے نہیں بنتی۔ سچ یہ ہے کہ غارِ حرا کے ایک ہی نورانی لمحے نے عرب کے اس عظیم اُمّی کو علم کا شہر بنا دیا تھا۔ منصور احمد خالد کہتے ہیں۔

تو عرب کا ہے فصیح کون سوائے تیرے
بات پھولوں میں کرے، چاند سخن میں رکھ دے

غالب دوسرے شعر میں کہتے ہیں کہ چاند کی روشنی میں سورج ہی کی چمک کا اثر ہوتا ہے۔ اس لیے محمد

صلی اللہ علیہ وسلم کی شان سے حق کی شان آشکار ہے۔ اس شعر میں بھی پہلے شعر کی طرح دعویٰ اور دلیل ہم آہنگ ہیں۔ جس طرح چاند، سورج سے اکتساب نور کرتا ہے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام تر عظمتیں و پیغمبرانہ رفعتیں اللہ تعالیٰ کی دین ہیں۔ یاد رہے کہ چاند میں سورج کا پرتو ہوتا ہے مگر وہ سورج نہیں ہوتا۔ اور نہ اس کا وجود سورج کی ہمہ گیریت، مرکزیت، اور کلیت کو چیلنج کر سکتا ہے۔ بلکہ ایک نوع سے اس میں تشکّر و احسان کا ایک بھرپور احساس ہوتا ہے۔ حسن ظاہری سے لیکر حسن باطنی تک، لفظی انوار سے لیکر عملی اطوار تک، عبادات کی شائستگی سے لے کر معاملات کی شستگی تک، آپؐ کا ہر رخ اگر قابل فخر، ہر زاویہ اگر قابل تقلید اور ہر پہلو اگر قابل قدر ہے تو صرف اس لیے کہ مولا کریم نے آپؐ کو ہر نوع سے خیر کثیر سے نوازا ہے۔ ان نوازشوں، سعادتوں اور برکتوں کی کثرت کتنی ہے اور کہاں تک ہے اس کا اندازہ ناممکن ہے۔ دینے والے نے جو دیا اور جتنا چاہا دیا۔ عقل انسانی اس کی کسی طور بھی متقیاس نہیں ہے۔

محمدؐ مصطفیٰ آئینۂ انوار یزدانی
محمدؐ مصطفیٰ دیباچۂ آیات قرآنی

وہ عظمت ہے، وہ وسعت ہے محامد میں محاسن میں
احاطہ جس کا کر سکتا نہیں ادراک انسانی

گویا سیرت اور صورت کا ہر حسن انؐ کے وجود اقدس میں منتہائے کمال پر پہنچ کر یوں ہم آہنگ ہو گیا ہے کہ آفتاب ان نگاہوں سے ضیاء لیتا اور اس تعلق سے غنچے پھول بنتے ہیں، وہ اٹھتے ہیں تو ستارے فرش بن جاتے ہیں۔ بیٹھتے ہیں تو زمین عرش ہو جاتی ہے، پرواز کرتے ہیں تو کائنات رک جاتی اور ہر آنکھ کاسۂ نرگس بنی اس حسن کو تکتی ہی رہ جاتی ہے۔

اللہ کے جلووں کا آئینہ تری ذات
آئینہ ترا دیدۂ حیران دو عالم

آپؐ اگر کان سخا اور دست عطا ہیں، اگر حسن کی کائنات کا حسن ہیں، اگر ہر اعتبار سے اکمل، اجمل اور احسن ہیں تو صرف اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی بے پایاں نوازشوں نے انہیں نواز رکھا تھا اور نوازشوں کا یہ سلسلہ پیہم جاری ہے۔ ہر لحظہ فرشتے، رحمتوں کے جلو میں گنبد خضریٰ پر اترتے رہتے ہیں۔ اور یہ رحمتیں، عالمین کو نوازتی رہتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ معطی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم قاسم۔ ان کی ذات کمال رحمت باری کی انتہا ہے۔ آپؐ کی بارگاہ ناز عطاؤں کا مخزن ہے۔ غالب کے اس شعر میں اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ جس طرح ایک آئینے میں آفتاب کا عکس جھلکتا ہے اور اس عکس سے آئینہ روشن اور تابناک ہو جاتا ہے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود ناز میں ناز

آفرین کے جمال کا عکس اپنے کمال پر نظر آتا ہے' بقول محسن کاکوروی۔

مہر توحید کی ضو' اوج شرف کا مہ نو
شمع ایجاد کی لو' بزم رسالت کا کنول

تیسرے شعر میں کہا گیا کہ قضا کا تیر بہر کیف اللہ تعالیٰ کے ترکش میں ہے لیکن یہ تیر قضا' کمان محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم سے چلتا ہے۔ صوفی غلام مصطفیٰ تبسّم نے قضا کو رضائے حق قرار دیا ہے۔ گویا رضائے حق' رضائے محمدؐ ہے۔ یہ شان عبدیت کی انتہا ہے کہ بندے اور اللہ کی رضا ایک ہو جائے۔ بندہ رضائے حق کا پیکر بن جائے اور رضائے حق اس کی جنبش ابرو کی منتظر ہو۔ قرآن پاک نے واضح طور پر کہہ دیا کہ ذات الٰہی کی محبت' نبیؐ کی اطاعت میں مضمر ہے۔ اور نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا کہ ان کی محبت کے بغیر' ایمان تکمیل کو نہیں پہنچتا۔ حق یہ ہے کہ قلبی لگاؤ کے بغیر حقیقی اطاعت کا کوئی سا تصور بھی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کا واحد ذریعہ۔ اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہے اور ان کی ہدایت کے مطابق اپنا راستہ' اپنا رخ اور اپنی منزل کا تعیّن کرنا ہے۔ جناب ماہرالقادری کے الفاظ میں "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ محبوب و مقرب اطاعت گزار بندے تھے۔ حضورؐ نے اپنی مرضی کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تابع کر دیا تھا۔ حضورؐ کا قدم صراط مستقیم سے بال برابر ادھر نہیں ہوا۔ آپؐ کی اکثر و بیشتر دعائیں بھی اللہ تعالیٰ قبول فرما لیتا تھا کہ قبولیت و اجابت تو نطق محمدیؐ کی راہ دیکھتی رہتی تھی"

غالب کا یہ کہنا کہ قضا کا تیر گو ترکش خداوندی میں ہے مگر وہ چلتا' کمان محمدؐ سے ہے۔ اس امر کو بھی واضح کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور خوشنودی کا راز محمدؐ کی ناراضی اور خوشنودی میں پوشیدہ ہے۔ ہم گنہگار ہیں۔ ہر لحظہ لغزشوں کا شکار ہیں۔ مگر اپنی ان لغزشوں پر ہمیں ندامت بھی ہوتی ہے۔ یہی ندامت مغفرت کی سند ہے۔ وہ التجا اور وہ دعا جس کے ساتھ دل کی دھڑکنیں' نگاہوں کی آرزوئیں اور روح کی لرزشیں شامل ہوں۔ تیر بہدف ہے' اور اس سے ٹکرا کر قضا اپنا رخ بدل لیا کرتی ہے ندامت کے آنسوؤں کی نمی' رخساروں کو چھو جائے تو انہیں دوزخ کی آگ نہیں چھو سکتی۔ التجا وہ ہوتی ہے جس میں سینے کی ہوک شامل ہو اور جس کے آہنگ میں بدن کا رواں رواں انہی سے ملا دے۔

مانگی ہے دعا کس نے الٰہی کہ کھلا ہے
آغوش تمنا کی طرح باب اثر آج

یہ تو بندوں کی التجاؤں کا عالم ہے۔ جہاں تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا تعلق ہے' وہ تو نص قرآنی کے مطابق سکون و رحمت کا لازوال خزینہ اور معتبر ذریعہ ہے۔ کمان محمدؐ سے چلنے والا یہی وہ تیر ہے جو آسمان سے اترتی ہوئی بلاؤں کو راستے ہی میں جا لیتا ہے یہ دعا' سرّ عبادت اور شان عبودیت

ہے۔ اور تیز دھار والی انی سے بھی کہیں زیادہ مؤثر اور کارگر ہے۔ تاثیر کے لیے ضروری ہے کہ بات دل سے نکلے اور اسلوب بیان بھی برجستہ ہو۔ گویا حرف موزوں کے لیے ہنگام موزوں بھی ضروری ہے۔ رات کے پچھلے پہر' نواؤں میں جو گداز اور التجاؤں میں جو سوز ہوتا ہے' اس سے وہی دل آگاہ ہیں جو ستاروں کو اپنا رازداں بنانے کی توفیق سے بہرہ ور ہیں۔

سونے والو' تم کو اس لذّت سے آگاہی نہیں!
رات ساری عشق کی آنکھوں میں جب کٹ جائے ہے

نالۂ شبگیر کے یہ سفیر' اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل بارگاہ ناز میں باریاب ہوا کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی ثناء کے بعد اول و آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ بھیجا جائے اس وقت تک دعاؤں کے تیر' بے تاثیر رہتے ہیں۔ درود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق خاطر کا ایک خوبصورت حوالہ ہے۔ یہ حوالہ خدا کی خوشنودی کا سبب بنتا ہے۔ چونکہ اسے بہرنوع قبولیت کا شرف حاصل ہے اس لیے اس کے جلو میں پیش کی جانے والی التجاؤں کو رحمت حق مسترد نہیں کیا کرتی۔

اس شعر میں تیر اور کمان کے الفاظ شعری تلازمہ بھی ہیں اور فکری صداقت کے عکاس بھی۔ قرآن مجید میں کمان کے بجائے قوس کا لفظ استعمال ہوا ہے کہ کمان فارسی لفظ ہے قوس کا مادّہ ق۔ و س ہے۔ نواب صدیق حسن خاںؒ کے مطابق اس کا خاصّہ شدت اور اجتماعیت ہے۔ کمان میں سختی بھی پائی جاتی ہے اور اس کے دونوں سروں کے ملے ہوئے ہونے کے اعتبار سے اتصال و اتفاق بھی۔ تیر قضا کا کمان محمدؐ سے چلنا' من وتو کے تناسخ کا قربت اور یکجائی میں بدل جاتا ہے' مراد مزاج یار کے روبرو سر تسلیم کو خم کردینا ہے اور نتیجہ حسن و عشق کی رضا کا ایک ہو جاتا ہے۔ اقبال اسی لیے بندۂ مومن کے ہاتھ کو اللہ تعالیٰ کا ہاتھ کہہ کر اسے غالب و کار آفریں اور کارکشا و کارساز قرار دیتا ہے۔ تیر اور کمان کے الفاظ اللہ اور اس کے عظیم الشان بندے کے درمیان رفاقت اور قرابت کی انتہا کو واضح کر رہے ہیں۔ جو نتیجہ ہے اللہ تعالیٰ کے خاص فضل کا' **وما کان فضل اللّٰہ علیک عظیما**"۔ اس فضل عظیم اور التفات بے حد کے بغیر نیاز و ناز کی اس ہم آہنگی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

ربط خاطر کی نزاکت کو سمجھ سکتا ہے کون
آرزو کی آپ نے' محو تجسس ہم رہے۔

غلام احمد پرویز مرحوم نے **فکان قاب قوسین او ادنیٰ** کی لغات القرآن میں تشریح کرتے ہوئے غالب کے اس شعر کو بڑے خوبصورت انداز سے منطبق کیا ہے کہ یہ آیت مقام نبوت کے متعلق ہے۔ وہ لکھتے ہیں "ایام جاہلیت میں عربوں کا قاعدہ تھا کہ جب وہ ایک دوسرے سے محکم عہد باندھتے تو وہ دو

کمانیں لیتے۔ ایک کو دوسری کے ساتھ ملا دیتے اور اس طرح ان دونوں کا قاب (کمان کا درمیانی حصہ اور ایک کنارے کا درمیانی فاصلہ) ایک کر دیتے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ ہم ایک جان دو قالب ہیں۔ ایک کی رضا مندی دوسرے کی رضا مندی۔ جو ایک چاہتا ہے وہی دوسرا چاہتا ہے۔ ہم دونوں ہم آہنگ زندگی بسر کرنے کا عہد کرتے ہیں۔ قرآن کریم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بتایا کہ وہ احکام الٰہیہ کا اس قدر متبع ہوتا ہے اور اپنی زندگی کو قوانین خداوندی کے ساتھ اس درجہ ہم آہنگ کر دیتا ہے کہ اس کا اور خدا کا تعلق گویا ان ساتھیوں کا سا تعلق ہو جاتا ہے' جنہوں نے قاب قوسین والا عہد کیا ہو۔او ادنٰی بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب تر تعلق۔ یہی وجہ ہے کہ حق کا احکام جو نبیؐ کی قوت بازو سے ہوتا ہے۔ اسے خود خدا اپنی طرف منسوب کرتا ہے۔ فلم تقتلوھم ولکن اللّٰہ قتلھم۔ وما رمیت اذ رمیت۔ ولکن اللّٰہ رمٰی○ بدر کے میدان میں مخالفین حق کو تم نے قتل نہیں کیا۔ اللہ نے قتل کیا تھا۔ تم نے ان پر تیر نہیں چلائے تھے' اللہ نے چلائے تھے۔ نبیؐ اور خدا کا تعلق اسی قسم کی رفاقت اور ہم آہنگی کا تعلق ہے' غالب کے الفاظ میں

تیر قضا ہر آئنہ در ترکش حق است
اما کشاد آں ز کمان محمدؐ است

آپؐ اللہ تعالیٰ کی پیہم نوازشوں کا مظہر ہیں۔ آپؐ کے نقوش پا کی بہار قدم قدم اور روش روش گلاب کھلاتی جا رہی ہے۔ آپؐ کا دامان بخشش ہر دور۔ ہر عہد اور ہر صدی کو محیط ہے۔ آپؐ ہی منزل صدق وصفا کے رہنما اور رحمت ورافت کا بحر بیکراں ہیں۔ آپؐ گلزار ازل کے وہ گل شاداب ہیں جس کی خوشبو ابد گیر ہے اسی لیے مولانا جامیؒ نے آپؐ کو "تازہ تر گلبرگ صحرائے وجود" قرار دیا تھا۔ انہی حقائق پر حضرت خواجہ محمد معصومؒ نے اپنے ایک مکتوب میں یوں روشنی ڈالی ہے "انبیاء علیہم السلام آپؐ کے سرچشمۂ آب حیات کے ایک پیالے سے سیراب و مستفید ہیں اور اولیاء اللہ آپؐ کے بے پایاں سمندر کے ایک گھونٹ پر قانع اور متمتع ہیں۔ فرشتے ان کے طفیلی اور آسمان ان کی حویلی ہے۔ وجود کا رشتہ ان کے ساتھ منسلک' ایجاد کا سلسلہ ان کے ساتھ مربوط اور ربوبیت کا ظہور ان کے ساتھ وابستہ ہے۔ جملہ کائنات ان ہی کے پیچھے ہے۔ اور کائنات کا بنانے والا (اللہ تعالیٰ) ان کی رضا کا طالب ہے۔ جیسا کہ حدیث قدسی میں آیا ہے۔ انا الطلب رضاک یا محمدؐ۔ اے محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں تیری رضا چاہتا ہوں۔۔ نماند بعصیاں کسے در گرو کہ دارد چنیں سیدے پیش رو (جس کا امام ایسا سردار ہو وہ شخص گناہوں کے بدلے میں گروی نہ رہے گا"

اس نعتیہ غزل کے چوتھے شعر میں غالب کہتے ہیں کہ اگر تجھے لولاک لما خلقت الافلاک کا ادراک ہو جائے تو تجھے اس حقیقت سے آگاہی ہو جائے گی کہ (بقول اقبال) خیمۂ افلاک کا ایستادہ اسی

نام سے ہے۔ اور تجھے اس کی معرفت بھی مل جائے گی کہ اللہ تعالیٰ کے پاس جو کچھ ہے وہ محمدؐ کا ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے۔ انسان خلاصۂ کائنات ہے اور جملہ محاسن انسانی کا خلاصہ انبیاء ہیں اور تمام انبیاء کی خوبیوں کا مجموعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں گویا آپؐ صاحب لولاک اور روح کن فکاں ہیں۔ باعث تکوین روزگار ہیں' غالب ہی کا کہنا ہے۔

اے خاک درت قبلۂ جان و دل غالبؔ
کز فیض تو پیرایۂ ہستی است جہاں را

چونکہ آپؐ ہی کے فیض سے ہستی کائنات کی آرائش و زیبائش ہے' اس لیے آپؐ کی خاک در غالب کے لیے قبلۂ مراد اور کعبۂ مقصود ہے۔ آپؐ خالق کے دل کی اولین تمنا ہیں اس لیے ہر نوع سے تخلیق کائنات کا منشا ہیں۔ بہادر یار جنگؒ کہتے ہیں۔

اے کہ ترے وجود پر خالق دو جہاں کو ناز
اے کہ ترا وجود ہے وجہ وجود کائنات

پانچویں شعر میں غالب نے اس حقیقت کو واضح کیا ہے کہ قسم ہمیشہ عزیز شے کی کھائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ واقعات کے تسلسل کو سمجھانے کے لیے' بعض امور واقعی پر زور دینے کے لیے اور بعض حقائق کو واضح کرنے کے لیے جان محمدؐ کی قسم کھاتے ہیں۔ بلکہ ان مقامات کو بھی بطور شہادت پیش کرتے ہیں' جن کا تعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والاصفات سے ہے۔ مکان تو سبھی اینٹ اور پتھر ہی کے ہوتے ہیں' مگر وہ مکین کی نسبت سے معزز و محترم ہو جایا کرتے ہیں۔ دیکھنے والے ان راستوں کو بھی' دل کی ساری عقیدتوں کو اپنی پلکوں میں سمیٹ کر چومتے ہیں' جو محبوب کی گزرگاہ ہوتے ہیں سچ یہ ہے کہ اس ذات گرامی قدر کے خرام ناز کا فیض ہے کہ عرب کی ریت اپنے اندر ریشم کا لوچ لیے ہوئے ہے' اور یہ انہی کے انفاس کی مہک ہے کہ وہ ریگستان ایک عالم کو خوشبو بانٹتا چلا آ رہا ہے۔ مدینہ محبتوں کا مرکز اسی لیے ہے کہ وہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ ہے۔

اے زمیں از بارگاہت ارجمند
آسماں از بوسۂ بامت بلند

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی قدر کی قسم کھانا تو اللہ تعالیٰ کی محبت کا نشان امتیاز ہے۔ ہم لوگ تو ان راہوں' ان وادیوں' ان غاروں اور ان پتھروں کو ارادت کا مرکز بنائے ہوئے ہیں جنہوں نے صدیوں پہلے اس ذات مکرم و محترم کو دیکھا تھا۔ ہم تو معبود بھی اسی اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں جس کا پتہ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا۔ حضرت عمرؓ نے حجر اسود کو خانۂ کعبہ کی نسبت سے بوسہ نہیں دیا بلکہ اس لیے چوما تھا کہ اسے ختمیٔ مرتبت پیغمبر اسلام کے لبہائے مبارک نے مس کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ

کی ذات ہو یا خانہ کعبہ کا تقدس ہم اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے حوالے سے جانتے اور پہچانتے ہیں۔ ورنہ خدا کو ابو جہل بھی مانتا تھا اور کفار بھی اللہ کے اس گھر کا طواف کیا کرتے تھے۔ ظفر علی خاں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

اگر پرور دگار انس و جاں کو ہم نے پہچانا
بلاشبہ و بلاشک اس کی وجہ اولیں تم ہو

اللہ تعالیٰ آپؐ کی قسم اسی لیے کھاتے ہیں کہ آپؐ کی زندگی پاکیزگیوں کا منبع، سعادتوں کا مرکز اور برکتوں کا ماخذ ہے۔ اور یہ صرف اس لیے کہ آپؐ کا لمحہ لمحہ اس ذات حفیظ و بصیر کی نگاہوں میں تھا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ "اللہ نے کوئی متنفس ایسا پیدا نہیں کیا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اس کی نظر میں مکرم و محترم ہو اور آپؐ کے سوا کوئی نہیں جس کی زندگی کی اس نے قسم کھائی ہو"

چھٹے شعر میں آپؐ کے حسن قد و قامت کے بارے میں تشبیہ سے کام لیتے ہوئے غالب یہ کہتے ہیں کہ واعظ کو جنت کے معروف شجر طوبیٰ کا ذکر چھوڑ دینا چاہیے کہ آج "سرو روان محمدؐ" کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش قامتی کے مقابل نہ جنت کے درخت طوبیٰ کی کوئی حیثیت ہے اور نہ دنیا کے سرو و صنوبر کی۔ ہم اگر تشبیہی اعتبار سے ان اشیاء کو مقابل لاتے ہیں تو مقصود ان اشیاء کے حسن کا احساس دلانا ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے ہم ذکر رسالت مآبؐ سے لفظوں کو اعتبار عطا کرتے اور اپنے وجود کے حوالے کو معتبر بناتے ہیں۔

تشبیہ دے کے قامت جاناں کو سرو سے
اونچا ہر ایک سرو کا قد ہم نے کر دیا

طوبیٰ بہرکیف سایہ دار ہے مگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بے سایہ ہوتے ہوئے بھی، تپتے صحراؤں میں بھٹکتے ہوئے آبلہ پاؤں کے لیے ایک ایسے خنک سائے کی حیثیت رکھتے ہیں کہ وہاں پہنچ کر زندگی کے ہر اضطراب کو سکون و عافیت مل جاتی ہے۔

یوں مدینے میں پہنچ کر دل کو ملتا ہے سکوں
جیسے اک زخمی پرندہ آشیاں تک آ گیا

تشبیہ کا اصول یہ ہے کہ مشبہ بہ کو قدر و قیمت کے اعتبار سے مشبہ سے برتر ہونا چاہیے۔ جبکہ یہاں جس مشبہ کا ذکر ہے اس کے روبرو تو ہر مشبہ بہ کا ہر حسن ماند ہے صحابہ کرامؓ کبھی بدر کامل کو دیکھتے اور کبھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کو اور انھیں چاند پھیکا پھیکا سا لگتا کہ ان کی نگاہوں کے سامنے ایک ایسا حسن جلوہ فرما تھا کہ اسے جلوے بھی ایک نظر دیکھ لیں تو طواف نظر کرتے رہ جائیں۔ وہاں تو نگاہیں سیر ہی نہیں ہوتی تھیں۔ دیکھ دیکھ کر، پر دیکھنے کو جی چاہتا تھا۔

دیر سے آنکھیں نہیں جھپکی مری
پیشِ جاں اب کے نظارہ اور ہے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ اقدس، رخِ جمالِ الٰہی کا آئینہ تھا۔ وہ کونین کا حاصل تھے اور انہی کے لیے آب و گل میں مدتوں آرائشیں ہوتی رہیں۔ انہی کے مژدے صحائف سناتے رہے اور اسی قافلۂ سالار کا پتا، حسن و عشق اور نیاز و ناز کے اس عظیم قافلے کا ہر ممتاز راہی دیتا رہا اقبال کا یہ شعر اپنے اندر حقائق کی کتنی ہی تہ در تہ پرتیں لیے ہوئے ہے۔

آیۂ کائنات کا معنیِ دیر یاب تو
نکلے تری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بو

اور آج جس کو خوش قسمتی سے، خواب میں بھی ان کی زیارت ہو جاتی ہے وہ تمام عمر تصور کی اس رعنائی اور تصویر کی اس زیبائی کو سنبھالتا اور اس پر ناز کرتا رہتا ہے۔ حضرت احسان دانشؒ کو یہ نعمت نصیب ہوئی تھی کہ انہوں نے یہ اعتراف کیا تھا۔

چوما ہے اپنی آنکھوں کو رکھ رکھ کے آئینہ
ہوتی ہے جب بھی مجھکو زیارت حضورؐ کی

گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تجلیِ الٰہی کا انسانی پیکر تھے۔ غالب نے اس کا اظہار اپنے ایک اردو شعر میں بھی کیا تھا جسمیں انہوں نے کہا تھا کہ نور کی تجلی تیری شکل میں ظاہر ہونا چاہتی تھی، تیرے قد و رخ سے اس کے ظہور کا ستارہ چمک اٹھا یعنی وہ تیرے قد و رخ میں ظاہر ہو گئی، یوں اس کی قسمت کھل گئی یعنی اس کے دن پھر گئے اور اس کے بھاگ جاگ اٹھے۔

سرو قد دیکھے ہیں تاریخ نے لاکھوں لیکن
قد کسی کا بھی ترے قد سے نہ اونچا دیکھا

ساتویں شعر میں شق القمر کے واقعے کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ شعر تلمیحی حسن کے ساتھ ساتھ شاعرانہ لطافت بھی لیے ہوئے ہے کہ ماہ تمام "دو نیم" ہو گیا اور یہ نتیجہ ہے آپؐ کی انگشت مبارک کی "نیم جنبش" کا۔ معجزات عرفان حق کا ایک بدیہی ثبوت ہوتے ہیں۔ جو انبیاء کے ذریعے منکرین تک پہنچتے ہیں۔ اس میں انبیاء کے اپنے ارادہ و قدرت کو دخل نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ سراسر حکم الٰہی اور تائید الٰہی سے صادر ہوتے ہیں۔ بسا اوقات انبیاء کے علم میں بھی نہیں ہوتا کہ ان کے ہاتھوں کونسا اعجاز ظہور پذیر ہونے والا ہے۔ زمانے بھر کی حیرت آفرین سائنسی اور عقلی ایجادات اپنے حدِ کمال کو پا کر بھی انبیاء سے ظاہر ہونے والے کسی معجزے کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتیں۔ کیونکہ ایجادات، ہر نوع سے سائنسی آلات کی محتاج ہیں۔ جبکہ معجزے میں ظاہری اسباب نہیں ہوا کرتے اور نہ زمانہ کسی معجزے کی کوئی

عقلی اور مادّی توجیہہ کر سکتا ہے‘ معجزہ ’’خارق عادت‘‘ ہے۔ وہ اس دنیائے اسباب سے بے نیاز ایک ایسا بالاتر فعل ہے جو ہر زمانے کی ہر عقل کو عاجز کر دینے کے لیے کافی ہوتا ہے اور ’’نبی کے فعل اور اس کے معجزے کے درمیان بھی کوئی علاقہ تاثیر نظر نہیں آیا کرتا‘‘ ’’مثلاً لاٹھی کے ڈالنے اور اس کے اژدہا بن جانے میں کیا سبّیت ہے؟ اس طرح آپؐ کے انگشتان مبارک سے پانی کے چشمے اُبل پڑنے میں کسی علاقہ تاثیر کا دخل کہا جا سکتا ہے؟ بعینہٖ انگلی کے ایک اشارے اور چاند کے دو ٹکڑے ہو جانے میں کیا علاقہ تاثیر ہے؟‘‘ گو معجزہ کلیتاً اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ مگر کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کفّار کی طرف سے معجزے کا اصرار ہوتا ہے اور نبی کی آرزو‘ دعا کے روپ میں ابھرتی اور معجزے کی تکمیل بن جاتی ہے۔ چاند کے دونیم ہونے کا معجزہ بھی کفّار کے اصرار پر رونما ہوتا ہے اور اس کی روایت عینی شاہدوں کے وسیلے سے ’تواتر کے ساتھ ہم تک پہنچی ہے۔ یہ متفق علیہ بات ہے۔ انس بن مالکؓ‘ ابن مسعودؓ اور جبیر بن مطعمؓ راوی ہیں۔ اس معجزے کے بعد سورۃ القمر نازل ہوئی۔ یہ ہجرت سے پہلے کی بات ہے۔ یہ معجزہ منیٰ میں ظاہر ہوا۔ اہل مکّہ ہی نے نہیں‘ باہر سے آنے والے قافلوں نے بھی چاند کو دونیم ہوتے دیکھا۔ اس معجزے کا تذکرہ بطور روایت نہیں‘ بطور شہادت ملتا ہے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا ثبوت بھی ہے اور قیامت کی دلیل بھی کہ اگر چاند دونیم ہو سکتا ہے تو وقت آنے پر آسمان کی بساط بھی لپٹ سکتی ہے۔ شق القمر کا واقعہ‘ واضح صداقت پر مبنی ایک مشاہدہ تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر سب کو گواہ بنایا۔

وہ چاہیں تو طلوع ہو مغرب سے آفتاب
وہ چاہیں تو اک اشارے سے شق قمر کریں

بعض اسے محض ایک فطری واقعہ سمجھتے ہیں۔ معجزہ قرار نہیں دیتے‘ مگر حق یہ ہے کہ چاند فی الواقع اشارۂ رسالت مآبؐ سے دو ٹکڑے ہوا دیکھنے والوں کی آنکھوں پر کسی انداز سے بھی کوئی تصرّف نہ تھا۔ بلکہ تصرّف قدرت نے چاند پر کیا تھا۔ اسی لیے اسے دلیل قیامت ٹھہرایا گیا۔ ساحری میں نگاہوں پر تصرّف ہوتا ہے مگر معجزے میں ’’انقلاب حقیقت‘‘ ہوا کرتا ہے۔

شق القمر فلک پہ دکھا کر جنابؐ نے
بدلی ہے ممکنات سے صورت محال کی

آٹھویں شعر کا مفہوم یہ ہے کہ اگر مہرِ نبوّت کی حقیقت کے بارے میں غور کیا جائے تو یہ بات کھل جاتی ہے کہ یہ مہرِ نبوّت آپؐ ہی کی ذات گرامی قدر سے نامور اور سرفراز ہے۔ حضرت جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں کہ ’’میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مہرِ نبوّت کو آپؐ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان دیکھا۔ جو سرخ رسولی جیسی تھی اور مقدار میں کبوتر کے انڈے جیسی‘‘۔ غالب کے نزدیک یہ مہرِ نبوّت‘

نسبت رسالت سے معزز و مقدّس ہے۔ یہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود اطہر کا ایک حصہ ہے۔ ہمارے نزدیک تو آپ ؐ کا ہر قرینہ' ہر سلیقہ' ہر رخ' ہر اشارہ اور ہر زاویہ' اپنے اندر محبت اور عقیدت کے کئی زاویے لیے ہوئے ہے اور زمین کا وہ ٹکڑا حقیقتاً " آسمان ہے جہاں وہ وجود ناز' آسودہ ہے۔ مہر نبوّت بھی اسی تعلق اور اختصاص کی بنا پر نامور ہے۔

آخر میں غالب کہتے ہیں کہ میں اپنے ممدوح کی مدحت' اللہ تعالیٰ پر چھوڑتا ہوں کہ وہی ان کے رتبے کو جانتا ہے ہم لوگ تو اس بے پایاں حسن کی تحسین' اسی حد تک کر سکتے ہیں جس حد تک ذرّہ' آفتاب کا احاطہ کر سکتا ہے۔ حق یہ ہے کہ اظہار و بیان کا کوئی سا پیرایہ بھی' اس جمال بے مثال کو بیان نہیں کر سکتا۔ ہم لوگ نعت سرائی سے ممدوح کی شان میں کوئی اضافہ نہیں کرتے بلکہ خود کو بلند و بالا تر کرتے ہیں' آفتاب کو اگر آفتاب کہہ کر پکار لیں تو اس کا آفتاب پر کوئی احسان نہیں ہوا کرتا بلکہ یہ ثبوت ہے' اس بات کا کہ دیکھنے والے کی نظر صحیح و سالم ہے۔

دم خورشید' مداح خود است

حقیقت یہ ہے کہ توصیف اور درود کا حق بھی اللہ تعالیٰ ہی ادا کر سکتے ہیں کہ وہی "مرتبہ دان محمدؐ" ہیں۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔

عن درک وصفه جاهل" و بقصر فهمه قائل" ○ الله يعلم شانه وهو العليم بيانه۔

(تیرا مداح' تیرے وصف دریافت کرنے سے جاہل ہے اور اپنے قصور فہم کا محترم ہے) ○ (اللہ ہی ان کی شان خوب جانتا ہے اور وہی جانتا ہے اس کے بیان کرنے کو)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک درود منقول ہے' جس کا مطلب یہ ہے کہ "اے اللہ' درود نازل فرما سیدنا محمدؐ پر جیسا کہ تو نے حکم دیا کہ ہم درود بھیجیں اور اے اللہ ان پر درود نازل فرما جیسا کہ ان کی شان کے شایاں ہے"

نعت چونکہ درود و سلام ہی کی ایک نغماتی شکل ہے۔ اسی لیے اس کا حق بھی نعت گو ادا نہیں کر سکتا کیوں کہ اس کی سوچ ناقص' اظہار محدود اور تصور مسدود ہے۔ اس لیے اپنی بساط کے مطابق نعت سرائی کے بعد' کماحقہٗ نعت کا حق' اللہ تعالیٰ ہی پر چھوڑ دینا چاہیے اور قلم قلم اپنی کم مائیگی کا اعتراف کرنا چاہیے کہ ع۔ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔ فارسی اور اردو شاعری میں نعت کہنے والوں کی بے بضاعتی کا اعتراف جا بجا ملتا ہے مگر اس مقام پر ناصر کاظمی مرحوم کی ایک نعت کے دو بند قابل ذکر ہیں کہ وہ اس خیال کے آئینہ دار بھی ہیں اور خود غالب ہی کے اشعار پر تضمین بھی۔

خط جبیں ترا اُمّ الکتاب کی تفسیر کہاں سے لاؤں ترا مثل اور تری نظیر
دکھاؤں پیکر الفاظ میں تری تصویر مثال یہ مری کوشش ہے کہ مرغِ اسیر
کرے قفس میں فراہم خس آشیاں کے لیے

تھکی ہے فکر رسا اور مدح باقی ہے قلم ہے آبلہ پا اور مدح باقی ہے
تمام عمر لکھا اور مدح باقی ہے ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہیے اس بحرِ بیکراں کے لیے

غالب کی نعتیہ غزل کا یہ آخری شعر اس قدر معروف ہے کہ آج نعت کا کوئی سا بیان بھی اس کے حوالے کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔ ممدوح کی بے پایاں رفعتوں کے مقابلے میں جب لکھنے والے کو اپنی نارسائی کا احساس ہوتا ہے تو فوراً "قلم کی نوک پر یہ شعر آجاتا ہے۔ اس شعر کی اس قدر مقبولیت' دلیل ہے اس بات کی کہ اسے بارگاہ ناز میں بھی شرف قبول حاصل ہے کیونکہ جو بات دل سے نہ نکلے وہ ہر دل کی صدا نہیں بن سکتی۔ حالی سے لیکر حال تک' اس نعت پر بہت سی تضمینیں بھی کہی گئیں اور اردو نعت نے اس سے نہ صرف تاثر لیا بلکہ یوں استفادہ کیا کہ ہم مضمون اشعار کے ڈھیر لگ گئے۔ یہ اخذ و استفادہ ارادتاً" بھی ہوا اور بے ساختہ بھی۔

الغرض رسمی اسلوب سے ہٹی ہوئی یہ ایک ایسی نعت ہے جو ہیئت کے اعتبار سے منزل نشاں اور مواد کے اعتبار سے جہت نما ہے۔ فنّی اعتبار سے تو اس نعت کو قابل قدر ہونا ہی تھا کہ کہنے والا وہ شاعر ہے جس کے لب اعجاز پر نطق مدّتوں ناز کرتا رہے گا' مگر معنوی اعتبار سے بھی یہ نعت قابل تقلید ہے کہ اس میں قرآنی حقائق کی عکاسی کے ساتھ ساتھ سیرت کے درخشاں پہلو بھی ہیں' حسن ممدوح کی کیف سامانیوں کا تذکرہ بھی ہے مگر غزل کی مبالغہ آفرینیوں سے دامن کشاں۔ اور آخری شعر میں قدرت بیان کے باوصف عجزِ بیان کا اعتراف' اسے ایک بھرپور اور مکمل نعت کا اعزاز عطا کرتا ہے۔ اور دورِ حاضر کی نعت گوئی اسی انداز کو اپنا اعتبار اور افتخار بنائے ہوئے ہے۔

آخر میں' اس نعت کے تناظر میں ایک نظریہ دیکھیے کہ وہ ذات بلند و برتر جسے غالب "مرتبہ دان محمدؐ" قرار دیتے ہیں۔ کس اسلوب و ادا کے ساتھ مدحت کے انداز سکھاتی ہے۔ وہ ذات تمام انبیاء کو ذاتی ناموں سے پکارتی ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وصفی ناموں کے ساتھ مخاطب فرماتی ہے۔ ایسے نام جن سے محبت' شفقت اور عزت کا اظہار ہوتا ہے بلکہ دوسروں کو بھی اپنی آواز پست رکھنے کا حکم ہے' ورنہ اعمال کے ضائع ہو جانے کا خطرہ ہے۔ اپنے ساتھ ساتھ فرشتوں اور بندوں کو بھی درود و سلام کا حکم دیا جاتا ہے اور یہی وہ واحد مقام ہے کہ اللہ' فرشتے اور بندے ہم آواز بھی ہیں۔ ورنہ تینوں کے مقامات الگ الگ ہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پیار سے اپنا بندہ کہا جاتا ہے۔

عبد دیگر عبدہٗ چیزے دگر
ما سراپا انتظار' او منتظر

عبدیت' انسانی عظمت کا بلند ترین مقام ہے' وہ ذات' جان محمدؐ کی قسم کھا کھا کر بات کرتی اور بات سمجھاتی ہے اور اپنی رضا کو ان کی رضا سے یوں ہم آہنگ کرتی ہے کہ قبلے کی تبدیلی کی آرزو دل محبوب میں مچلتی ہے۔ زبان سے اظہار بھی نہیں ہونے پاتا اور نگاہ کی آرزو ہی سے قبلہ تبدیل ہو جاتا ہے' گرامی نے کہا تھا۔

قضا گیرد' قدر گیرد' ازل گیرد' ابد گیرد
رکابش را عنانش را' عنانش را' رکابش را

اور پھر دینے والے نے واضح کر دیا کہ وہ کچھ عطا کیا جائیگا کہ لینے والے کا دل باغ باغ ہو جائے گا اور ساتھ ہی ذکر کو ایسی رفعت عطا کر دی کہ اوقات عالم کا ایک ثانیہ بھی ایسا نہیں گزرتا جو ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے معمور نہ ہو۔ آپؐ کی سیرت کو قرآن پاک کا عکس بنا دیا گیا ہے اور آپؐ کو مرکز انوار انبیاء بنا کر بھیجا گیا اور آپؐ کی رحمتوں کو عام کر دیا گیا۔ آپؐ سید الاولین ہیں کہ جتنے نبی پہلے گزر چکے آپؐ ان کے سرتاج ہیں۔ آپؐ سید الآخرین ہیں کہ صحابہ کرامؓ سے لیکر قیامت تک جتنے صالحین آئیں گے ان کی زندگیاں' انوار محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم سے مستفیض ہوں گی' اسی لیے اقبال' نگاہ عشق و مستی میں انہی کو اول بھی کہتا ہے اور آخر بھی...... اسی لیے مولانا رومؒ کے نزدیک نام احمدؐ جملہ انبیاء کو محیط ہے۔ اور یوں بسم اللہ سے لیکر والنّاس تک' پورا قرآن آپؐ ہی کا حسین و جمیل تذکرہ ہے...... اس طویل مضمون کو غالب ہی کے ایک فارسی نعتیہ شعر پر ختم کرتا ہوں جس کا مفہوم یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لینے سے میری گفتار میں جان کی سی حلاوت آگئی ہے محبت کی اس تاثیر کی وجہ سے میرے دل نے میری زبان اپنے اندر کھینچ لی ہے یعنی میں خاموش ہو گیا ہوں۔ اس لیے بھی کہ اس نعمت کا شکر لفظوں میں ادا نہیں ہو سکتا اور اس لیے بھی کہ اب دل اندر ہی اندر لطف اندوز ہو رہا ہے۔

تا نام تو شیرینیؔ جاں دادہ بہ گفتن
در خویش فرو بردہ دل' از مہر' زباں را

نعیم صدیقیؒ کی ایک نعت

ڈاکٹر ایوب شاہد

پچھلے دنوں ایک معروف نعت گو کا انٹرویو پڑھا جس میں انہوں نے اپنی یکتائی کا دعویٰ کیا۔ پھر دوسرے ہفتے ایک اور صاحب نے فرمایا کہ جناب حفیظ تائب ایسے نعت گو کی موجودگی میں ان صاحب کو یہ دعویٰ زیبا نہیں۔ مجھے ہر دو نعت گوؤں کے مرتبہ و مقام کو متعین نہیں کرنا ہے۔ البتہ اتنا ضرور کہنا ہے کہ کسی کا خود اپنے منہ سے دعویٰ یکتائی کرنا بھلا نہیں معلوم ہوتا' زبان خلق سے ہی جلد یا بدیر ایسا کوئی آوازہ بلند ہوتا تو یہی بہتر ہوتا۔

اس ذہنی پس منظر میں جب ماہ نامہ "سیارہ" کی اشاعت خاص سالنامہ ۱۹۹۱ء کی ورق گردانی کرتے ہوئے ایک معروف شاعر کی نعت پر پہنچا تو اچانک مجھے ذہنی جھٹکا سا لگا اور شدّت سے احساس ہوا کہ کوئی دعوےٰ کرنے یا کسی دعوےٰ کے قبول یا رد کرنے کے لیے' اسے عصر اور روایت ہر دو کے تناظر میں رکھ کر دیکھنا چاہیے کیونکہ ابدیت اور استحکام محض اس رائے کا حق ہے جس کے پس پشت دلائل کا وزن ہو۔

لیکن ہمارے یہاں یہ فیشن ہے یا مطالعہ کی کمی کہ افراد دوسروں کی آراء کو قبول کرتے وقت' غور و فکر کی زحمت کچھ کم ہی گوارا کرتے ہیں۔ فیض ہمارے عہد کے مشہور شاعر تھے اور تمام لوگ انہیں ترقی پسند شاعر کی حیثیت سے یاد کرتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ فیض اپنے تخلیقی تجربے میں کبھی بھی اشتراکیت کو شامل نہ کر سکے۔ جہاں جہاں انہوں نے اشتراکیت کے حوالے سے شاعرانہ بیانات رقم کیے ہیں وہاں واضح طور پر جذبے اور تاثر کی کمی کے باعث ایک مصنوعی شخصیت کی تصویر ابھرتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ کسی معروف نقاد (غالباً" علی سردار جعفری) نے کہا تھا کہ فیض نظریہ سے تحتی کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نظریاتی وجود تخلیقی عمل میں سرے سے منتقل ہی نہیں ہوتا جب تک کہ نظریہ ذات میں جذب ہو کر خود ذات نہ بن گیا ہو..... (جی ہاں! رانجھا رانجھا کردی نی میں آپوں رانجھا ہوئی)

یہی حال عشق کا ہے چاہے وہ نظریات سے ہو یا افراد سے۔ اور "نعت" کا مرکز و محور تو وہ ذات عظیم و اکبرؐ ہے جس کا تعلق اپنے تعلق میں پھر کسی تعلق کو برداشت نہیں کرتا۔ اس لیے نہیں کہ یہاں حسد و تکبر کی جلوہ گری ہے یا احساس کمتری کا کوئی اظہار ہے بلکہ یہاں تو ایک ایسا سر حقیقت ہے کہ

جس پر کسی دوسرے وجود کا اثبات سرے سے ممکن نہیں۔ ظاہر ہے کہ جب کوئی اس مرتبہ و مقام کا حامل ہی نہیں اور نہ اس راہ سے شناسا ہے جو حقیقت کی جانب رواں دواں ہے تو پھر اس کے علاوہ وہ کسی ذات و ہستی کے اثبات' مثبت یا صحیح رویّہ نہیں کہلا سکتا۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق کی یہ یکتائیت وہ اعلیٰ ترین حقیقت ہے کہ جس کا سبق خود خالق کائنات نے بار بار اپنے کلام میں پڑھایا اور اسی پس منظر میں اس شمارے میں مطبوعہ نعیم صدیقی کی نعت کا پہلا شعر دل و دماغ پر نقش ہو کر رہ گیا۔

نبیؐ کے عشق میں دنیا سے پیار ٹوٹ گیا
اس اعتبار سے ہر اعتبار ٹوٹ گیا

اگر آپ نے غور سے میرا مندرجہ بالا بیان پڑھا ہو تو آپ محسوس کریں گے کہ میں آنجنابؐ سے تعلق کی صحیح ترجمانی نہ کر سکا۔ میں نے کہا کہ یہ تعلق کسی دوسرے تعلق کو برداشت نہیں کرتا مگر شاعر کہتا ہے کہ دنیا سے پیار ٹوٹ گیا۔ گویا شاعر نے اپنے تخلیقی عمل میں فکر کی صحت کو بھی قائم رکھا ہے کہ پیار نہ ہونا اور بات ہے جبکہ تعلق نہ ہونا دوسری بات۔ دنیا سے تعلق کی نفی نہ اسلام کرتا ہے نہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں ہے۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اسلام میں رہبانیت نہیں" چنانچہ دیکھئے شاعر نے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق کی کس عمدگی سے وضاحت کی ہے کہ دنیا ترک نہیں کی' معاملات دنیا کو چھوڑ کر رہبانیت کا راستہ نہیں اپنایا مگر یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیار اور محبت کے مقابل دنیا کا پیار بے وقعت و بے حقیقت پایا اور دانا کبھی بے حقیقت و ناپائیدار چیز سے تعلق نہیں رکھتا جیسا کہ علامہ اقبال نے فرمایا تھا۔ مگر حیرت ہے کہ یہاں شاعر نے تو نفع و نقصان کا بھی نہیں سوچا بلکہ اس نے تو محبوبؐ کے عشق میں دنیا سے تمام تعلقات میں اس رویّے کی نفی کر دی اور اسی اعتبار و حوالہ سے اپنی شناخت کو اس درجہ کامل کیا کہ دوسرے تمام اعتبارات و علائق سے گویا بے نیاز ہو گیا۔ اور اس میں شک بھی کیا ہے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق کے بعد انسان کی ذات میں کسی فرد سے تعلق کی ضروریات یا پیاس کسی سطح و مقام پر نہیں رہتی کیونکہ خود رب کبریا نے اس ذات کو انسانیت کے لیے "اسوۂ حسنہ" سے تعبیر فرمایا۔

اس اسوۂ حسنہ سے رابطہ و تعلق نعت گو کا ایک ذاتی رابطہ ہے اور حقیقت میں یہی رابطہ یا عشق گویا نعت کا محرک جذبہ ہے۔ مگر ہوتا یہ ہے کہ کبھی تو اس "اسوۂ حسنہ" سے تعلق اس کے "پیکر کے نقوش" کے حوالہ سے ہوتا ہے اور کبھی اس کی "فکر" کے حوالہ سے۔ نعیم صدیقی کی محولہ نعت میں یہ تعلق فکری اور جذباتی ہے اور ہر دو حوالہ سے یہ تعلق شاعر کا انفرادی تعلق نہیں رہتا بلکہ وہ یوں اپنے تخلیقی تجربہ سے اجتماعی وجود میں ڈھلتا ہے کہ نعت کا دوسرا شعر اس اجتماعی وجود کے تعلق کی تفسیر بن

جاتا ہے اور نہ صرف تفسیر بلکہ اس اجتماعی وجود کے المیہ کا بیان جس کا رشتہ اور بندھن آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔

تھے پھول واعتصموا کے بہ تار حبل اللہ
حضورا وحدت ملت کا ہار ٹوٹ گیا

فکر یا عقل و عشق عموماً" دو متضاد جذبے یا صلاحیتیں ہیں لیکن مندرجہ بالا شعر میں آپ دیکھیں کہ کس طرح دونوں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر ایک ہو گئے ہیں اور یہی وہ تخلیقی عمل میں جذبے کی صداقت ہے جس نے فکر کو شاعری بنا دیا۔ ورنہ محض فکر یا فکری روابط، نظم یا غزل کی ہیئت میں باندھے تو جا سکتے ہیں ان کو شاعری نہیں بنایا جا سکتا۔ (واعتصموا" کے پھول اور حبل اللہ میں پروئے ہوئے، ہار کی تشکیل کر رہے تھے۔ جس سے ایک کُلیت اور وحدت جنم لے رہی تھی مگر یہ پھولوں کا ہار ٹوٹ گیا۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ امت کے ریزہ ریزہ ہونے کے عمل کو اس سے بہتر کسی تشبیہاتی نظام میں باندھا جا سکتا ہو

اس کے بعد شاعر ایک خاص تجزیاتی انداز میں امت کی شکست و ریخت کو پیش کرتا ہے اور اس میں خاص بات یہ ہے وہ اپنے عہد کے حوالے سے وحدت امت کے اس ہار کے ٹوٹنے کے عمل کو اجتماعی وجود میں ڈھل کر محسوس کرتا ہے، اس "جسد واحد" پر آپ ٹوٹ پھوٹ اور شکست و ریخت کے عصری تجربے کا مطالعہ و مشاہدہ کر سکتے ہیں۔

خلیج دیکھ کے منظر یہ، پانی پانی ہے کہ آج نوع بشر کا وقار ٹوٹ گیا
گھٹائیں امڈی ہیں بارود کی، لہو برسا لہو میں آگ لگی، قلب زار ٹوٹ گیا
خیال خلق محمدؐ کے معجزے دیکھے کہ دل سے ظلم کا یہ اقتدار ٹوٹ گیا

آپ نے محسوس کیا کہ کس طرح شاعر اپنے لہو لہو ہوتے اجتماعی وجود کو سنبھالا دینے کے لیے پھر "مرکز" کی طرف خیال کو لے گیا اور اسے بے چارگی، بے سہارگی اور کمتری سے نکالنے کا سامان فراہم کیا اور پھر یہی نہیں کہ اپنے اس تعلق سے کائناتی استحکام کا طالب ہوا بلکہ دوسرا وار فوراً" پلٹ کر ان قوتوں پر کیا جو ملّی وجود کو درہم برہم کرنے کے ذمہ دار ہیں۔

پٹا ہے لاشوں سے تہذیب بے خدا کا چمن گئی صدی کا فریب بہار ٹوٹ گیا
رہین فصل خزاں آج بے خدا تہذیب دلوں سے اب تو فریب بہار ٹوٹ گیا

نعت کا یہ انداز حقیقتاً" ایک توسیعی شکل ہے جو روایتی نعت گوئی سے کچھ زیادہ ہے۔ نعت جس رنگ میں ہو، اس کی عظمتوں کا کون منکر ہو سکتا ہے مگر ہمارے عہد میں جو کہ فکر یا نظریے کا عہد ہے، فنی حوالے سے فکر کا یہ بہاؤ کم دیکھنے میں ملے گا۔ یوں گویا نعیم صدیقی واضح طور پر عشق اور فکر کے

امتزاج سے ایک ایسا نعتیہ رویّہ تشکیل کر رہے ہیں جو بلاشبہ روایت میں اضافہ کا عمل ہے اور اگر دیکھا جائے تو آنجنابؐ سے عشق و محبت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جس طرح وہؐ خود ایک وجود کامل و اکمل ہیں اسی طرح ان کے ذکرِ خیر میں بھی ہر رخ کو پیش نظر رکھا جانا چاہیے بلکہ آج کے انسان کو تو فکری حوالہ سے حیات و کائنات کی معنویت مرتب کرنے کے لیے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تعلیمات کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔

مگر شاعر پھر شاعر ہے خواہ وہ کتنی ہی فکری توانائی کا حامل کیوں نہ ہو آخر اپنے پیار اور محبت کے جذبے کے آگے بے بس ہو جاتا ہے اور کیوں نہ ہو جائے کہ اس کی ساری قوت و توانائی اور نظم و استحکام کا باعث ہی ذات محبوب ہوتی ہے چنانچہ کبھی تو تعلق کی بنیاد پر وہ ایسی وسعتوں سے ہمکنار ہوتا ہے کہ ابدیت میں داخل ہو جاتا ہے جیسے۔

کچھ ایسے لمحے بھی آئے درود خوانی میں
نظام گردش لیل و نہار ٹوٹ گیا

اور کبھی جو تعلق و روابط کا یہ سلسلہ "لمحہ" کو ٹوٹ جائے تو کرب کا وہ عالم دیکھنے میں آتا ہے کہ پورا وجود تحلیل ہو جاتا ہے۔

بکھرتے دیکھا ہے دل کی غبار کی مانند
کبھی جو سلسلۂ یاد یار ٹوٹ گیا

محبوبؐ سے تعلق ٹوٹنے کا یہ کس قدر تخلیقی بیان اور ردّ عمل ہے اور کس قدر اپنے اندر جذبے کی صداقت اور فراوانی لیے ہوئے ہے۔ جذبے کی یہ آنچ دل کی شکستگی اور تعلق سے اظہار پا رہی ہے اور اظہار بھی ایسا کہ مصوری کو شرمائے۔ ذرا "دل" "غبار" "بکھرنے" اور "سلسلہ" کو چشم تصور میں لایئے 'کیا منظر بنتا ہے۔ اپنی ذات تو کیا' اس "مرکزؐ" سے لاتعلقی سے تو کائنات بکھرتی نظر آتی ہے۔ مگر بات پھر وہی کہ مسلمان کا کائناتی منصوبہ میں استحکام کا استعارہ ہے اس کے سامنے اس "ذات" نے ایک عشق رکھا ہے جو سکر کا نہیں صحو کا متقاضی ہے چنانچہ شاعر تمام تر ٹوٹ پھوٹ اور جذب و سکر کے باوجود آخر کار اسی "مرکزؐ" "یا محبوبؐ" کے حوالے سے اپنی تمام تر توانائیاں مجتمع کرتا ہے 'ور اس کے لیے ماحول کی ساری تلخیاں اور ناخوشگواریاں اس سہارے کے تعلق کی بنا پر نہ صرف قابل برداشت بن جاتی ہیں بلکہ وہ ان پر غلبہ پا لیتا ہے اور استحکام ذات حاصل کر لیتا ہے۔

یہ حال زار' سہارا بنا قصیدۂ نعت
رفیق چھوٹ گئے سب خمار ٹوٹ گیا

حسرت حسین حسرت اور اُنکا فن نعت گوئی

پروفیسر حفیظ تائب

۲۰۔ مارچ ۱۹۹۷ء کو ایک بہت بڑے شاعر اور نعت نگار نہایت خاموشی کے ساتھ اس دنیا سے اٹھ گئے اور وہ تھے حسرت حسین' جو اگلی شرافت اور تہذیب فکر و فن کا اعلیٰ نمونہ تھے.... دبستان احسان دانش کے یہ فرد فرید حسن کردار اور جمال فن کی بے مثال خوبیوں سے آراستہ تھے۔ وہ اساتذہ فن میں سے تھے' لیکن عصری شعور کا بھی انہیں وافر حصہ ملا تھا' اس لیے ادب و فن کے جدید تقاضوں کو بھی نظر انداز نہیں کرتے تھے۔ افراتفری کے اس دور میں ان کا کوئی مجموعہ کلام' ان کی زندگی میں اشاعت پذیر نہ ہو سکا.... وہ پہلے نعتیہ مجموعہ چھپوانا چاہتے تھے کہ ان کی طبیعت نعت میں بہت کھلتی تھی۔ انہوں نے اپنا نعتیہ مجموعہ مجھے مقدمہ لکھنے کے لیے دیا اور مجھ سے مقدمہ لکھنے میں غیر معمولی تاخیر ہوئی' لیکن انہوں نے میری کوتاہی کبھی نہیں جتائی' بلکہ جب کبھی اتفاقاً" ملاقات ہو جاتی تو یہی کہتے "میرے مجموعے کا طبیعت پر بوجھ نہ ڈالیے گا مجھے معلوم ہے کہ آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں.... مجھے مجموعہ چھپوانے کی کوئی جلدی نہیں۔" گویا وہ عجیب و غریب ظرف کے مالک تھے اور مجھے زندگی بھر' اس طبیعت کے کسی دوسرے شخص سے سابقہ نہیں پڑا... ۱۳ ستمبر ۱۹۹۷ء کو جب میں مقدمہ لکھ کر ان کے پاس گیا تو بے حد خوش ہوئے اور مسودہ پر ایک نظر ڈال کر کہنے لگے "آپ نے جس محبت سے مسودہ کے ایک ایک لفظ پر نظر ڈالی ہے' اس سے مجھے اطمینان ہو گیا ہے' اب میں یہ مجموعہ جلد چھپوا لوں گا..." لیکن سوا چھ ماہ کی باقی زندگی میں وہ مجموعہ نہ چھپوا سکے' حالانکہ ممتاز شاعر شہزاد احمد صاحب کی وساطت سے دوبئی کے ایک دوست کی یہ پیش کش موجود تھی کہ حسرت صاحب کی نعتیات و غزلیات کے مجموعے چھپوانے کے سارے مصارف وہ برداشت کریں گے.... آہ! اب کہاں دنیا میں ایسی ہستیاں....

حسرت حسین حسرت کی طبیعت پر حضرت احسان دانش رحمتہ اللہ علیہ کے انداز فقر و درویشی اور اسلوب فکر و فن کی بہت گہری چھاپ نظر آتی تھی کہ وہ ۱۹۴۸ء سے ۱۹۸۲ء تک ۳۴ برس استاد کامل کی خدمت میں بلا ناغہ حاضر ہوتے رہے۔ دن بھر وہ مغل پورہ ریلوے ورکشاپ میں اپنی پیشہ ورانہ ذمہ داریوں کو پورا کرتے' پھر کچھ بچوں کو ٹیوشن پڑھاتے اور ان کاموں سے فارغ ہو کر ۲/۱ ۹ سے ۱۱ بجے تک استاد کی صحبت توجہ سے کسب فیض کرتے' جسے حسرت خود خاموش استفادہ کہتے تھے کہ استاد کی خدمت میں بیٹھ کر وہ بلا ضرورت بولتے نہیں تھے' بلکہ خاموشی سے ایک گوشے میں بیٹھ کر استاد کی باتوں' مذاق اور غصے سے فیض اٹھاتے رہتے تھے۔ استاد ان پر بہت مہربان تھے اور حسرت کے گھر بھی اکثر جاتے تھے... ایک بار

خاکسار لیڈر حبیب اللہ سعدی استاد کے لباس کے لیے ان کا پسندیدہ کپڑا' ترمالائے تو استاد نے اپنے کرتہ پاجامہ کے لیے کپڑا رکھ کر باقی کپڑا حسرت کو عطا کر دیا۔ یہ بات بتاتے ہوئے حسرت نے مجھے یاد دلایا کہ استاد کے کمرے میں غنی کاشمیری کا مشہور شعر آویزاں رہتا تھا۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے کہ یہ شعر خط نستعلیق کے مشہور استاد صوفی خورشید عالم مخمور سدیدی کا لکھا ہوا تھا' جو شاعری میں حضرت دانش" کے شاگرد ہیں۔ غنی کاشمیری کا شعر یوں ہے۔

هم چو سوزن دائم از پوشش گریزا نیم ما جامہ بہر خلق می دوزیم و عریانیم ما

استاد کے اس پسندیدہ شعر کو حسرت نے اردو میں اس طرح ڈھالا ہے۔۔

جامہ دنیا کے لیے سیتے ہیں خود عریاں ہیں ہم زندگی کٹتی ہے حسرت اپنی سوزن کی طرح

استاد احسان دانش زندگی کے ہر شعبہ میں اپنے شاگردوں اور رفیقوں کی اصلاح کرتے رہتے تھے۔ یوں ان کے حلقے میں بیٹھنے والا ہر شخص کچھ نہ کچھ حاصل کر کے ہی اٹھتا تھا۔ حسرت نے اس ضمن میں مجھے دو واقعات سنائے۔ (۱) ایک مرتبہ وہ استاد کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے کہ ان کے ہاتھ سے کچھ تجاوز سرزد ہوا تو استاد نے فوراً ٹوکا "اپنے سامنے سے کھاؤ.... اس طرح تمہیں دوسروں کا حق مارنے کی عادت پڑ جائے گی"۔ (۲) ایک بار حسرت استاد کی خدمت میں کچھ تاخیر سے پہنچے۔ استاد نے دیر میں آنے کی وجہ پوچھی تو حسرت کا جواب تھا... "سینما دیکھنے چلا گیا تھا"۔ اب سوال تھا "تمہارے پاس اتنے فالوں پیسے تھے؟" حسرت کا جواب تھا "نہیں جناب ہمیں دفتر کے ایک ساتھی نے پارٹی دی تھی" استاد : "اس نے پارٹی کیوں دی تھی؟" حسرت : "میں نے اس کی پے فکسیشن کی تھی اور اسے اڑھائی سو روپے بطور بقایا جات ملے تھے" استاد : گویا تم اب رشوت بھی لینے لگے ہو؟ حسرت : "یہ تو ساتھی کی خوشی تھی۔" استاد : "نہیں یہ رشوت تھی۔ تمہارا اتنا ہی ظرف تھا کہ سوا روپے کی ٹکٹ کی رشوت لی۔ کوئی بڑا کام ہوتا اور بڑا آدمی تو سوا لاکھ رشوت لیتا ہے... تمہیں سینما دیکھنے کا شوق ہو تو میرے ساتھ چلا کرو"۔ چنانچہ اگلے ہی روز استاد نے مجھے "جون آف آرک" فلم دکھائی۔ ۹ آنے والے ٹکٹ لیے اور مونگ پھلی بھی کھلائی"

حسرت حسین حسرت کے ذہنی پس منظر کو جاننے کے لیے' میں نے ان سے پاکستان میں آمد سے پہلے کی زندگی کے بارے میں پوچھا تو یہ تفصیلات سامنے آئیں :

حسرت کی تاریخ پیدائش یکم فروری ۱۹۲۵ء اور آبائی گاؤں کلیان پور ضلع سارن (بہار) ہے۔ آپ کے والد شیخ داہو خاکسار تحریک سے وابستگی رکھتے ہیں اور جیوٹ مل کلکتہ میں ملازم تھے۔ ان کے مولانا ثناء اللہ امرتسری سے گہرے مراسم تھے۔ اس لیے مولانا جب کبھی کلکتہ آتے ان کے ہاں تشریف لاتے۔ مولانا کی آمد پر ان کے والد بزرگوار حسرت سے شاہنامہ اسلام (حفیظ جالندھری) سنانے کی فرمائش

فرماتے۔

حسرت نے ابتدائی تعلیم ہندی زبان میں ہندی پاٹ شالا سے حاصل کی۔ مدرسہ میں قرآن پاک کے ساتھ ساتھ فارسی زبان پڑھی لوئر پرائمری مکتب آبائی گاؤں میں پڑھی اور انٹرنس ۱۹۴۴ء میں پٹنہ یونیورسٹی سے کیا۔

ہوش سنبھالتے ہی، محفلوں میں میلاد اکبر پڑھنے لگے۔ نویں جماعت میں پڑھتے تھے کہ شعر بھی کہنے لگے چنانچہ اسکول کی تقریبات میں نظمیں پڑھتے رہے۔

آبائی پیشہ کھیتی باڑی تھی، لیکن حسرت پہلے مڈل اسکول میں مدرس ہوئے اور اکتوبر ۱۹۴۴ء سے مئی ۱۹۴۶ء تک تدریس سے وابستہ رہے ۲ جون ۱۹۴۶ء کو ایسٹ انڈین ریلوے لکھنؤ میں بطور کلرک ملازم ہوئے۔ اس ملازمت کے دوران میں ان کی ملاقات زخمی لکھنوی سے ہوئی جو ریلوے ہی میں ورک مین تھے۔ چنانچہ ۱۹۴۶ء اور ۱۹۴۷ء میں ان سے اصلاح سخن لیتے رہے۔

گھر کی فضا دینی تھی۔ حسرت کے والد بزرگوار حضرت سبزپوش گورکھپوری رحمتہ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ حضرت سبزپوش" کے والد بزرگوار حضرت آسی گورکھپوری صاحب دیوان شاعر تھے اور ان کا مجموعہ غزلیات "عین المعارف" کے نام سے چھپا تھا۔ حسرت نے حضرت سبزپوش" کے دست حق پرست پر بیعت کی۔

حسرت نومبر ۱۹۴۷ء میں پاکستان آتے ہی نارتھ ویسٹرن ریلوے میں بطور کلرک ملازم ہوئے اور وہیں سے بطور ہیڈ کلرک ۲۸ جنوری ۱۹۸۵ء کو ریٹائر ہوئے اور ساری ملازمت مغل پورہ ورکشاپ میں ہی کی۔

حسرت نے پہلی نعت ۱۹۵۰ء میں کہی، جس کا مطلع یہ ہے۔

تو تاجدار حرم ہے تو عزت آدم تو ہر وجود سے ظاہر وجود ہر عالم

یہ نعت ان کے زیر نظر مجموعے میں نظر نہیں آئی.... ۱۹۷۳ء میں نعت گوئی کی رفتار میں اضافہ ہو گیا کہ لاہور میں نعتیہ مشاعرے ہونے لگے تھے۔ ۱۹۷۹ء کی کسی شب خواب میں آقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے نوازے گئے اور یہ انعام ان کے شعور و تحت شعور کو روشن کر گیا۔

اب مری نیند پہ بیدار نگاہی ہے نثار خواب میں میں نے کبھی کی تھی زیارت ان کی

مبارک ہو تجھے یہ بخت کی معراج اے حسرت کہ خوابوں میں رسول اللہ کا دیدار کرتے ہو

مصاحبہ کے دوران میں نے حسرت مرحوم سے ان عادات و خصائل کے بارے میں کچھ نہ پوچھا کہ میں ایک عرصہ سے انہیں جانتا تھا اور پھر ان کے کلام میں جابجا ان کے انداز و اطوار پر روشنی پڑتی ہے۔

حسرت ایک خود دار، مطمئن، قناعت شعار، درد مند، بیدار مغز، نفیس طبع، بااصول، حساس اور خلوص کیش اور محبت کرنے والے انسان تھے۔ ان کی آرزوئیں بہت نیک اور بلند تھیں۔ وہ اپنی تمام

خوبیوں کا رشتہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض و برکات سے جوڑتے تھے۔ ان کی تمناؤں، انداز حیات اور وفور عقیدت کی کچھ جھلکیاں ان کے آئینہ اشعار میں دیکھیے۔

غم انسان کا جو طالب ہو وہی دل دنیا
وجہ تسکیں مری محنت کا صلہ ہو مجھ کو

عمر بھر ہادیؐ کونین کے رستے پہ چلوں
مثل ماضی ہو درخشندہ ہمارا امروز

رہ نبیؐ میں یہ جذبۂ شوق و جاں نثاری کا عزم حسرت
تجھے مبارک یہ آرزوئیں، تجھے مبارک ہوں یہ ارادے

تریؐ رحمت نے وہ آسودگی بخشی ہے حسرت کو
کہ اس نے پاؤں سے چادر کو کم ہوتے نہیں دیکھا

اب اس سے بڑھ کر ہو کیا عنایت کہ زندگی اس کی مطمئن ہے
جو مانگی آسودگی ملی ہے، تمہارے حسرت کو ہر دعا پر

خود داری و بے باکی و بیداری احساس
حسرت کے شب و روز پہ بے حد ہیں عنایات

غلام رحمت عالم ہوں حسرت
یہی ہے راز میرے بانکپن کا

ذکر آقاؐ کی بدولت حسرت
دل میں رکھتا ہے ضیاؐ کا دریا

اسی کے ذکر سے ماحول روشن
ہمارے خلوتوں کا انجمن کا

ذکر سرکارؐ کو دھڑکن کی طرح
گنبد قلب میں برپا رکھو

دیا ہے تو نے جو شیرینیٔ بیاں کا شعور
شگفتہ رکھتی ہے لہجہ مری زباں اپنا

غم بھی آنسو بھی نبیؐ کے عشق کا سرمایہ ہیں
دل جدا آراستہ آنکھیں جدا آراستہ

جب سے ہے ذکر نبیؐ حسرت کا معمول حیات
کعبۂ دل اس کا ہے بے انتہا آراستہ

اس ذہنی پس منظر، قلبی وابستگی، علم و عمل کی ہم آہنگی اور سرمایۂ عشق مصطفیٰؐ کے ساتھ، حسرت کی شرائط مدحت رسولؐ کچھ اور بھی تھیں۔

آنکھ میں اشک ہو اور قلب میں ہو سوز و گداز
جب کہیں جا کے رقم ہوتی ہے مدحت ان کی

سجا کے دل میں پیمبرؐ کی آرزو آئے
یہ بزم نعت ہے جو آئے باوضو آئے

یہاں مجھے حضرت محسن کاکوروی رحمتہ اللہ علیہ کے دو شعر یاد آتے ہیں۔

نجات مدح پیمبرؐ کی آبرو سے ہو
نماز صبح قیامت اسی وضو سے ہو

محسن کی آرزو ہے فنافی الرسولؐ ہو
اے بحر عشق لے خبر اپنے حباب کی

وطن پاک کروڑوں انسانوں کی دعاؤں کا ثمر ہے۔ اس کے قیام کے لیے ہر سطح پر بے مثال قربانیاں دی گئیں۔ تحریک پاکستان کا بنیادی محرک اسلام اور صاحب اسلام کی محبت تھی اور اسی محبت نے تحریک کو قوت دے کر کامیابی سے ہمکنار کیا۔ حسرت ذہنی و قلبی طور پر اس تحریک میں شامل رہے اور تاریخ کی سب سے بڑی ہجرت میں اہل و عیال سمیت شریک ہوئے۔ اور پھر قیام پاکستان کے مقاصد ان کی نگاہوں

سے کبھی اوجھل نہیں ہوئے۔ پاکستان میں نعت گوئی جب تحریک بنے گی تو وہ اس تحریک میں بھی پورے جوش و جذبہ کے ساتھ شامل ہوئے اور نعت نگاری کو ہمہ متنوع مضامین اور انفرادی لب و لہجہ سے مالا مال کیا۔ چنانچہ وطن پاک کی محبت اور اساسی مقاصد ان کی نعت کا خاص موضوع بنے اور ان کی امنگیں اور ترنگیں، نعت میں نہایت حسن و خوبی کے ساتھ جلوہ گر ہوئی ہیں۔ وہ پاکستان کو دین کی خوشبو سے مہکتا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں اور رشتۂ وحدت کو تمام عالم اسلام پہ محیط ہونے کی تمنائی ہیں۔ اس رنگ پر بھی ان کے نعتوں کے چند اشعار۔

یہ وطن ہم نے کیا حاصل نبیؐ کے نام پر　　اس وطن کو حشر تک رکھے خدا آراستہ
اسی کے نام پر اس کی بناء ہے　　وہی پندار ہے میرے وطن کا
بنیاد جو اس کی ہے نام شہؐ بطحا پر　　میرے گلستاں میں خوشبو کی فراوانی
کیوں اس کی ہواؤں میں نہ ہو دین کی خوشبو　　ہے صدقۂ سرکارؐ دو عالم وطن پاک
حقیقتوں کے شگفتہ رہیں گے پھول یہاں　　مرے چمن کو وہ رنگ دوام تو نے دیا
پرو دیا رشتۂ وحدت میں ملک و ملت کو　　زمین پاک وطن ہو کہ خاک وادیٔ نیل
جن کے ہر گیت میں ہو مدحت شاہؐ لولاک　　میرے گلزار وطن کو وہ عنادل دینا

ایسی دعائیں کیسے بے ثمر رہتیں، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے گلزار وطن کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار عنادل شیریں نوا عطا کیے جو اس کے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی توصیف و مدحت کے زمزمے الاپتے ہوئے تھکتے نہیں ہیں۔

واقعہ معراج، انسانی زندگی کا سب سے بڑا واقعہ ہے۔ یہ ہمارے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کا نمایاں ترین شرف ہونے کے ساتھ ساتھ امت مسلمہ اور عالم انسانیت کے لیے ایک عظیم اعزاز ہے۔ اس واقعہ کا ایک عنوان اسراء ہے، جس سے مراد مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کا زمینی سفر ہے، جس کا ذکر سورۂ بنی اسرائیل کے آغاز میں آتا ہے۔ اس مشاہدہ کائنات میں بروئے حدیث یثرب (موجودہ مدینہ منورہ)، مدین یا طور سینا، بیت اللحم میں رک کر نمازیں ادا کرنے اور عجائب واقعات برزخ ملاحظہ فرمانے کا مذکور بھی ہے۔ دوسرے عنوان معراج سے مراد عروج آسمانی ہے جس کے ارشادات اس میں ملاقات انبیائے سابق (حضرت آدم، حضرت عیسیٰ، حضرت یحییٰ، حضرت یوسف، حضرت ادریس، حضرت ہارون، حضرت موسیٰ، اور حضرت ابراہیم علیہم السلام) رویت ملائکہ، جنت و دوزخ کی سیر اور اللہ تعالیٰ سے مناجات و گفتگو اور تین تحائف رب کریم سے ملنے کا ذکر آیا ہے۔ (۱) سورۃ البقرہ کی آخری دو آیتیں

ترجمہ : رسول اس کتاب پر جو ان کے پروردگار کی طرف سے ان پر نازل ہوئی، ایمان رکھتے ہیں اور مومن بھی۔ سب خدا پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان

رکھتے ہیں (اور کہتے ہیں) ہم اس کے رسولوں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور وہ خدا سے عرض کرتے ہیں کہ ہم نے تیرا حکم سنا اور قبول کیا۔ اے پروردگار ہم تیری بخشش مانگتے ہیں اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ (آیت نمبر ۲۸۵) خدا کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ اچھے کام کرے گا تو اس کا فائدہ ملے گا' برے کام کرے گا تو اسے ان کا نقصان پہنچے گا۔ اے پروردگار اگر ہم سے بھول یا چوک ہو گئی ہو تو ہم سے مواخذہ نہ کیجیو۔ اے پروردگار ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈالیو' جیسا تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا۔ اے پروردگار جتنا بوجھ اٹھانے کی ہم پر طاقت نہیں اتنا ہمارے سر پر نہ رکھیو اور ہمارے گناہوں سے در گزر کر اور ہمیں بخشش دے۔ اور ہم پر رحم فرما' تو ہی ہمارا مالک ہے اور ہم کو کافروں پر غالب فرما (آیت ۲۸۶' سورۃ البقرہ ۲)

(۲) یہ بشارت کہ جو شرک کا مرتکب نہ ہو گا' عفو و مغفرت کا سزا وار ہو گا (۳) پانچ وقت کی فرض نمازیں..... اسراء و معراج حضرت خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص الخاص شرف و اعزاز ہے' جو عام انسانوں کے لیے بھی نئے امکانات کے در وا کرتا ہے۔ اس واقعہ سے اشا و خلا (TIME & SPACE) کی حقیقتیں سامنے آئیں' زمان و مکان کے عقدے کھلے اور تسخیر کائنات کے وہ تصورات سامنے آئے جو رفتہ رفتہ حقائق بن کر ظاہر ہو رہے ہیں۔

اسراء و معراج کے بارے میں ہر دور میں شعرائے امت نے کچھ نہ کچھ ضرور لکھا اور کئی باقاعدہ معراج نامے بھی ملتے ہیں لیکن حسرت نے اس واقعہ کو کئی زاویوں اور کئی حوالوں سے دیکھا ہے۔ اس کی تفصیلات و مضمرات پر غور و فکر کیا ہے اور ایسی ایسی مضمون آفرینی کی ہے' جو ان کے نعت کا امتیاز ٹھہری ہے۔ چند نمونے۔

بنایا جب تجھے خالق نے میہماں اپنا — ہٹا لیا ترے رستے سے آسماں اپنا
شب معراج سب اہل فلک ششدر نظر آئے — جب انساں سرحد کونین سے باہر نظر آیا
ہو آسماں کو خبر کیا تری بلندی کی — کہ اس کا آخری تارا بھی تیری راہ میں ہے
چمک رہی ہے ترے پاؤں کی ضیاؑ سے ابھی — چمکا رہی ہے ابھی قرض کہکشاں تیرا
عرش کو ہے ناز پابوسی پہ تیری آج بھی — فرش پر ضو سے تری ہر راستا آراستہ
بلندی اس کی کہ خاکساری کوئی جو سمجھے تو کیسے سمجھے — زمیں کے جس بوریانشیں کو حصار افلاک راستا دے
بلایا عالم بالا میں جب خدا نے انہیں — تو پہلے لمحوں کو ضم کر دیا مہینوں میں
نوشتہ تھا کسی انساں کے ہوں گے ان پہ قدم — شرف ملے گا یہ اک دن فلک کے زینوں کو
تھا شب اسرا زمیں کا کس قدر اونچا مقام — اس پہ قرباں ہو رہی تھی آسماں کی روشنی
اسرا کی شب شفاعت امت کے واسطے — مانی گئی ہر ایک شفیع الوراء کی بات

ہوتی ہے کہکشاں کے حوالے سے آج بھی تاروں کی انجمن میں ترے نقش پا کی بات
تابندہ خلا کا ہر طبق تھا جب سوئے فلک وہ نور حق تھا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اطہر سربسر اعجاز ہے۔ انسانی تاریخ میں اگر کسی زندگی کا ہر ہر پہلو پوری طرح محفوظ اور روز روشن کی طرح نمایاں ہے تو وہ ہمارے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی ہے۔ یہ حیات پُرنور بلند ترین معیار اور عمدہ ترین نمونہ پیش کرتی ہے' جس سے انسانیت قیامت تک ہر دور میں راہنمائی حاصل کرتی رہے گی۔ اس خزانۂ انوار کا اگر کوئی ایک ہیرا بھی گم ہو جاتا تو انسانیت کی بہت بڑی محرومی ہوتی کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آنا تھا۔ اسی لیے اللہ تعالی نے اسے محفوظ کرنے کا خاص اہتمام کیا اور قرآن مجید میں اس کے بنیادی اور ضروری حصے محفوظ فرمائے اور اس کتاب آخر کی حفاظت کا ذمہ خود لیا۔ دوسری طرف آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کرام اور ان کے بعد آنے والے لوگوں نے آپ کی حیات مقدسہ کے واقعات' آپ کے ارشادات' تعلیمات' ہدایات اور دوسرے کارنامے' جس احتیاط' ذمہ داری اور فرض شناسی سے جمع کرنے کا اہتمام کیا' اس کی دوسری کوئی مثال تاریخ انسانی میں نہیں ملتی۔ آپ کے قول و عمل کے بارے میں روایات کی پرکھ کے لیے ایک پورا فن وجود میں آیا' جو مسلمانوں کا اعزاز خاص بنا اور جس میں روایت کے ساتھ درایت کو خاص اہمیت دی گئی۔ لفظ سیرت انگریزی لفظ لائف (LIFE) سے بہت وسیع مفاہیم رکھتا ہے۔ اور اس میں آدمی کے ظاہری حالات کے ساتھ ساتھ اس کے انداز حیات اور باطن کے عکس بھی دکھائے جاتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کا ایک بڑا پہلو رسالت ہے اور رسالت اور پھر آخری رسالت کا تعلق پوری انسانیت اور تمام زمانوں کے ساتھ ہے' اس لیے سیرت اطہر میں آپ کے سوانح حیات' تاریخی واقعات کے ساتھ وہ تمام ہدایات و تعلیمات بھی آجاتی ہیں جو تاابد انسانیت کے راہنمائی کے لیے کافی ہوں گی۔

سیرت مصطفےٰ' حسرت حسین حسرت کی نعتیہ شاعری کا وسیع و رفیع موضوع ہے' جس کو انہوں نے بے شمار رنگوں میں پیش کیا ہے۔ کہیں وہ آپ کی ذات کو حسن کامل کہتے ہیں' جس سے پوری کائنات فیضیاب ہوتی ہے تو کہیں آپ کے حسن و خیرپرستی آفاق گیر نظام کو سلسلۂ بہاراں قرار دیتے ہیں۔ کہیں آپ کی تعلیم کو خوشبو ٹھہراتے ہیں تو کہیں نسل آدم پر آپؐ کے احسانات کو بیکراں بتاتے ہوئے حال سے استقبال تک آپؐ کے انوار کو پھیلا ہوا دکھاتے ہیں امّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ارشاد کان خلقہ القرآن کو پوری شاعرانہ جمالیات کے پیش کرتے ہیں اور سیرت اطہر کی زندہ و متحرک تصویر میں سامنے لاتے چلے جاتے ہیں۔ نور محمدی کی اولیت اور آپ کی ابد گیر رسالت کے خصائص کا بیان حسرت کو بہت محبوب ہے۔ آپ کی رسالت کے فیوض و برکات ان کی نعت میں ایک الگ باب کی حیثیت رکھتے

ہیں۔ ختم نبوت اور احترام نبوت کو خاص اہمیت دیتے ہیں اور یوں اپنے ایمان کی پختگی کا ثبوت مہیا کرتے ہیں۔ سیرت اطہر کے رنگا رنگ پہلوؤں کو جس حسن و دلکشی سے انہوں نے پیش کیا' وہ ان کے وسیع مطالعہ کے ساتھ ساتھ ندرت اظہار پر شاہد ہے۔ اس ضمن میں اگر مثالیں دینے لگوں کو دفتر درکار ہوں گے' چنانچہ صرف چند نقوش و عکوس دکھانے پر اکتفا کروں گا اور میرا یہ عمل سمندر میں سے مٹھی بھر موتی نکال کر سامنے لانے کے مترادف ہو گا۔

حسن کامل' معدن و مرکز انوار اور جوامع الکلم

کوئی تصویر بنتی کسی طرح اس حسن کامل کی ہجوم جلوہ میں کس کو رخ انور نظر آیا
فطرت کی ہر اک شے کا مرکز مرے آقاؐ ہیں سورج ہو کہ ذرہ ہو ثابت ہو کہ سیارہ
دیکھنا چاہو تو قرآن میں دیکھو ان کو نظر آئے گی اس آئینے میں صورت ان کی
انسان کی تاریخ میں یکتا ہے تری ذات جس طرح ریاضی میں اکائی کا عدد ہے
وہ حسن و خیر پہ مبنی نظام تو نے دیا کہ اک جہاں کو سکوں کا پیام تو نے دیا
ترے ہی دور ہیں ماضی وحال و مستقبل ہے حشر تک کے لیے جو پیام تو نے دیا
غنچہ غنچہ تری تعلیم کا خوشبو کا سفیر ذرہ ذرہ لیے پھرتا ہے اجالا تیرا
ہے مرکز روشنی کا ذات اس کی جبھی سایہ نہیں تھا اس بدن کا
کرم کا سائباں ہے اس کی چادر حیا اک رخ ہے اس کے پیرہن کا
ہونٹوں پہ جو لفظ آیا سرکار دو عالم کے وہ علم بیان کا ہے ہر رنگ میں شہ پارہ
دونو اس کے راز داں صدیقؓ بھی جبریلؑ بھی جس اجالے سے ہوئے ثور و حرا آراستہ

ہجرت

سمت کے آ گئی طیبہ میں سب مسیحائی وبا کے شہر کو کیسا مقام تو نے دیا

مدینہ منورہ کا سابقہ نام یثرب تھا۔ جس کا ایک مفہوم ملامت کرنا اور گناہ پر عار دلانا ہے۔ اس لفظ کا ایک معنی مواخذہ و عذاب بھی آتا ہے۔ مدینہ منورہ آنے پر مہاجرین کو بیماری نے گھیر لیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے دعا فرمائی جس سے اس شہر کی آب و ہوا بدل گئی اور اب یہ شہر رحمت ہے' جسے علامہ اقبال نے "اے خنک شہرے..." کہا ہے۔ اس شعر میں اسی طرف اشارہ ہے۔

قریہ طیبہ کا یہ بھی تھا کمال اشتیاق ذرے ذرے کا ترے قدموں کا رستہ دیکھنا

اہل مدینہ کے اشتیاق کو مولانا شبلی نعمانی نے اس طرح بیان کیا ہے۔

سینے کہتے تھے کہ خلوت گہ دل حاضر ہے
آنکھیں کہتی تھیں کہ دو اور بھی تیار ہیں گھر

تعلیماتِ وفیوض وبرکات رسالت محمدیہ

ذرہ ہو کہ سورج ہو تو سب کا مفسر ہے   تیری ہی بدولت ہے فطرت سے شناسائی

ہوئی بلند جو کوہ صفا کی چوٹی سے   وہ بازگشت ہے مومن کے قلب میں موجود

میرے آقا ہمیں کافی ہے یہی رخت سفر   رکھتے ہیں تیری شریعت کا اجالا دل میں

خوگر عفو بنایا ہے ہمیں آقا نے   ہم محبت سے بنا لیتے ہیں رستا دل میں

منصفی کیوں نہ رہے جاری و ساری حسرت   روشنی ہے مرے آقا کی دل عادل میں

اس راز سے شاہوں کو آگاہ کیا تو نے   اک میقل ہستی ہے افلاس کی تابانی

آمد تری انساں کی تاریخ کا سرمایہ   ممنون کرم تیری درویشی و سلطانی

ماضی مرے پیچھے ترے جلووں سے جہاں تھا   روشن تری تقلید سے فردا مرے آگے

فروزاں کرتے ہو گھر گھر تمہی ایماں کی قندیلیں   منور قریہ قریہ کے درو دیوار کرتے ہو

کثافت دور کرتے ہو ہر اک آئینہ دل سے   اندھیروں کی فضا کو مطلع انوار کرتے ہو

روشنی دل کی بھی کرتے ہیں بہر سو تقسیم   ہے جدا سارے زمانے سے سخاوت ان کی

ہر ایک رہرو کی آرزو میں یقین منزل جگا رہے ہیں
وہ ذرے ہیں عزم کے ستارے جو آپ کے رہگذر سے اٹھے

تخلیق اول و ختم نبوت

محفوظ ازل ہی سے جلوے ہیں ترے دن   باطل کی تو سازش تھی پیدا ہو ترا ثانی

تخلیق کائنات سے پہلے تھا ان کا نور   دنیا میں لیکن آئے وہ سب انبیاؑ کے بعد

قائد ہیں جس کے نقش قدم روز حشر تک   اب کوئی رہنما نہیں۔ اس رہنما کے بعد

اللہ کا محبوب بھی تو ختم رسل بھی   بس یہ تری مدحت میں ہے سو بات کی اک بات

خدا کا یہ کرم بے شمار ہے ہم پر   یقین ختم نبوت ہے حرز جاں اپنا

احترام نبوت

ہے احترام نبوت تو لازوال ہیں ہم   اگر نہیں ہے تو جینا عذاب جاں اپنا

یہ بے حساب کرم ہے ترا کہ حسرت کو   سلیقۂ ادب و احترام تو نے دیا

آرزوئے عرفانِ رسالت

خدا سے مانگ لو عرفانِ مصطفیٰؐ حسرت بنا لو عمر کا ہر لمحہ جاوداں اپنا

حسرت حاضری و حضوری اور کیفیاتِ حضوری، نعت کا ایک بہت اہم موضوع ہے۔ حسرت حسین حسرت کو ظاہری حاضری ابھی تک نصیب نہیں ہوئی۔ یوں مجھے وہ حضرت اقبالؒ اور شاعر حضوری راقب قصوری کے ہمنوا اور کیفیات حضوری کے لذت چشیدہ نظر آتے ہیں۔ اسی لیے حسرت حضوری کے ساتھ امید حضوری اور پھر کیفیات حضوری کو نہایت حسین و جمیل اور جداگانہ پیرایہ میں بیان کرتے ہیں۔ ایسے میں مجھے حافظ شیراز اور اقبال و راقب کا ایک شعر یاد آ رہا ہے ؎

در راہ عشق فاصلۂ قرب بعد نیست می بینمت عیاں و دعا می فرستم
(حافظؒ)

اے پناہ من حریم کوئے تو من بامیدے رسیدم سوئے تو
(اقبالؒ)

جتاں سمجھے بول نہیں ماہی دے اوہ ہر دم کول نے ماہی دے
اوہ بھاویں کدھرے رہن پیاں کیہ دساں کیہڑے وہن پیاں
(راقبؒ)

اللہ اللہ یہ فکری حضوری، یہ گداز اشتیاق اور یہ سوزِ جدائی، جس نے حسرت سے ایسے ایسے عمدہ و اعلیٰ اشعار کہلوائے ہیں۔

مقصد حاضری اور فکری حضوری

میں تزکیۂ نفس کو جاؤں گا مدینے نا صاف لہو جیسے رواں دل کی طرف ہے

اسی شعر میں سائنسی فکر کی نمائندگی کس حسن کاری سے ہوتی ہے

تجھے جو یاد کیا تو یہی ہوا محسوس کہ جیسے دل مرا طیبہ کی بارگاہ میں ہے

حسرت حاضری

اتنا تو ہو حرم کو تصور میں دیکھ لوں اے کاروانِ فکر مدینے روانہ ہو
حسرت ہو کاش میری مدینے میں حاضری تقدیر میں وہاں کا مرا آب و دانہ ہو
سینے میں ہے حسرت کے یہ حسرت دل آراء ہو شہرِ پیمبر کا اک بار تو نظارہ
کتنے خوش بخت ہیں جو شہرِ نبی دیکھتے ہیں روشنی ان کی نظر ان کی، بصیرت ان کی
خواب میں شہرِ منور کو کبھی دیکھا تھا وہی عالم ہے نظر میں وہی نقشہ دل میں

امید حضوری

اپنے محبوب کے روضے کی زیارت کے لیے دیکھیے کب وہ مجھے اذن سفر دیتا ہے
امارت ہو کہ ناداری مرے حالات کچھ بھی ہوں یقیں ہے ان کے در پر میری اک دن حاضری ہو گی
حسرت کو نہ کیوں ہو گی ترے در پہ حضوری توفیق یقیں ہے اے امکاں سے زیادہ
رکھو امید حیات ابدی حسرت کوئے مدینہ رکھو
جب بھی جاؤں گا مدینے تو میں لے آؤں گا اپنے سجدوں سے جبیں میں ترے در کی صورت
کوئی مومن جو اپنے دل میں جھانکے ملے طیبہ کا منظر دیکھنے کو

ادب حاضری۔ کیفیات حضوری اور مزید آرزوئیں

سب تاجدار کوچے میں اسی تاجدار کے آتے ہیں تاج اپنے سروں سے اتار کر
فرشتے بھی یہاں پاس ادب سے جھک کے چلتے ہیں نظر نیچی کرو شہر پیمبر دیکھنے والو
چھپتی نہیں روضے پہ ترے شدت جذبات لرزاں ہیں اگر ہونٹ تو آنکھوں میں ہے برسات
ہو ذکر یاس مدینے میں کس لیے اے دل تجھے خبر ہے کہ تو کسی کی بارگاہ میں ہے
میں روضۂ شہ کونین دیکھ آیا ہوں میں جانتا ہوں تجلی جو مہر و ماہ میں ہے
گئے ہم آپ کا گھر دیکھنے کو ملی جنت زمیں پر دیکھنے کو
جب بہر دعا اٹھے ہاتھ ان کی حضوری میں رقت کے تسلسل میں گم تھی مری گویائی
حسرت میں کاش خاک مدینہ میں دفن ہوں چاروں طرف بہشت ہو میرے مزار کے

حسرت کی نعت میں روح عصر بہت نمایاں ہیں جس کی بنیاد ذاتی کرب اور آشوب ملت اسلامیہ ہے۔ ان کے اظہار سے ایک طرف تو وہ اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرتے ہیں تو دوسری سمت اپنے ممدوح گرامی' حضرت رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم سے طلب رحمت کرتے نظر آتے ہیں۔ لیکن انتہائی سنگین حالات بھی ان کے ہاں مایوسی کا موجب نہیں بنتے" کیونکہ وہ تشخیص و علاج سے بھی آگاہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ پُر آشوب دور میں بھی وہ امت مسلمہ کو کچھ راستے سمجھاتے چلے جاتے ہیں۔ گویا روح عصر کو وہ ایک مثبت رویّے کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ اس صورت حال کی کچھ جھلکیاں۔

ترے کرم سے گزرتے ہیں روز و شب اپنے وگرنہ ہر نفس اپنا ہے امتحان اپنا
بلندیوں نے اجالوں کو روک رکھا ہے سحر ہوئی ہے مگر روشنی نہیں موجود
حضورؐ کب سے دنیا کو انتظار کہ آئے دلوں کی بت شکنی کے لیے کوئی محمود

حضورؐ امت آخر پہ ہو نگاہ کرم　　بھڑک اٹھی ہے بہر سمت آتش نمرود

خاموش نہ جانو مجھے اقصیٰ کی طلب پر　　پُرشور ہے باطن مرا طوفان سے زیادہ
اس امت آخر پہ کرم ہو میرے آقاؐ　　اب اس پہ زمیں تنگ ہے زنداں سے زیادہ
تہذیب سے محتاج تری بخیہ گری کی　　دل چاک ہے اب چاک گریباں سے زیادہ
ملت کہ جسے قوت و وحدت پہ یقیں ہے　　ہے منتشر اوراق پریشاں سے زیادہ

ہو اذن حضوری تو میں کچھ عرض کروں گا　　ہیں کتنے مسائل مرے آقاؐ مرے آگے
میرے آقاؐ چشم و دل کتنے ہیں ظلمت کے اسیر　　ان دھواں دیتے چراغوں کو ضیاؔ درکار ہے
شعلوں کی ہو زد پہ کیوں فلسطیں　　جو تیرے ہیں ان پہ کیوں ستم

جب تک نہ مومنوں میں ہو رائج ترا خلوص　　رنگینیؔ چمن تو ہو بوئے وفا نہ ہو
نظر انداز کرے کیوں نہ زمانہ ہم کو　　ہم نے سرکار دو عالم کو بھلا رکھا ہے
کریں گے اخذ سیرت سے تری ہم حوصلہ مندی　　اگر دشواریؔ حالات کا محشر نظر آیا
ہم کہ ہیں جن پر عیاں خیر البشر کے راستے　　کاٹ کر ظلمت بناتے ہیں سحر کے راستے
آقاؐ نے کیا ہے ہمیں تفویض اجالا　　جائیں گے جدھر مثل سحر جائیں گے ہم لوگ

حسرت نے انگریزی زبان میں بھی نعتیں لکھی ہیں اور خوب لکھی ہیں۔ انگریزی میں اب تک جن لوگوں کے نعتیہ مجموعے شائع ہو چکے ہیں' ان کے اسماء مبارک ہیں' عبدالرؤف لوتھر' جمیل احمد نقوی اور محمد طاہر جاوید۔ جبکہ اس زبان میں متفرق نعتیں لکھنے والوں میں' حسرت اور بشیر حسین ناظم کے علاوہ کئی اور نام آتے ہیں۔ یہ بات اپنی جگہ بہت خوش گوار و خوش آئند ہے کہ جہاں مشرقی زبانوں میں لامحدود نعتیہ کلام لکھا گیا اور لکھا جا رہا ہے' وہاں یورپی زبانیں بھی اس ذکر جمیل سے خالی نہیں رہیں اور یوں ورفعنالک ذکرک کی تصدیق ہوتی چلی جا رہی ہے۔

آخر میں مجھے صرف یہ عرض کرنا ہے کہ حسرت حسین حسرت کی نعتیہ شاعری دھنک کے صرف سات رنگوں تک محدود نہیں۔ اس میں ہر رنگ' ہر خوشبو اور ہر ذائقہ موجود ہے۔ منعوت کائنات و رب کائنات سے ان کی گہری وابستگی اور سیرت اطہر کے مطالعے نے انہیں بہت نادر اور نو بنو مضامین سجھائے ہیں۔ اسلوب بیان نہایت شائستہ و شستہ ہے اور اس میں ایک اجتہادی و انفرادی شان نظر آتی ہے۔ یوں وہ پاکستان میں نعت گوئی کی شاندار اور جاندار روایت کو مزید نئے آفاق دکھا کر' اپنے لیے بہت معزز' منفرد اور ممتاز مقام بنا رہے ہیں۔

تقدیس اور نورِ اول کے مظاہر

ڈاکٹر شمیم ترمذی

یکایک زمیں کے جہالت کدے میں
خدا کی طرف سے
ازل اور ابد کی علیم وبصیر
اک نئی روشنی کا اجالا ہوا
یہ نئی روشنی
رنگ وخوشبو کی بارش لئے اپنے اطراف میں
ساری دنیا پہ چھانے لگی

اس روشنی نے دنیا کی ظلمتوں کو صبح درخشاں کا جمال بخشا۔ اس روشنی سے مہروماہ نے آفتاب کیا۔ اسی روشنی نے آئینہ کائنات کو آب بخشی۔ اسی روشنی سے کن فکاں کا باب کھلا۔ اسی روشنی سے تخلیق کے عمل کا آغاز ہوا۔ اسی روشنی نے انسان کو زمیں پر معجزات اور آسمان پر تجلیات دیکھنے کے قابل بنایا۔ اسی روشنی میں خلق خدا کی ذات اور صفات کے مظاہر نظر آئے۔ گویا نور اول ہی خدا' انسان اور کائنات کے معرفت کا وسیلہ ہے۔ یہی نور شعور و آگہی کا مبدا ہے۔ یہی نور شرف آدمیت اور معراج انسانیت کا مرجع ہے۔

ہے جہاں رب لامکاں کا نور ہے وہاں شاہ انس و جاں کا نور
آپ کی ذات عکس حسن ازل آپ کی ذات کن فکاں کا نور
ایک بے سایہ کا سایہ ہے رخ کونین پر ایک انساں نے دکھائی ہے' خدا کی روشنی
قلب و نظر کی صبح درخشاں کے روپ میں پھیلا ہوا ہے نور' اسی آفتاب کا
روشن اسی سے آئنہ ہے کائنات کا اس کا جمال عکس رخ بے مثال ہے
آپ احمدؐ بھی ہیں' محمدؐ بھی عکس آئینہ صفات میں آپ

حسین سحر نے تقدیس' کی نعت کے وسیلے سے نور اول کے مظاہر کو بڑی محنت اور احتیاط سے شعر کے قالب میں ڈھالا ہے۔ وجہ تخلیق کائنات کے معجزات و کمالات کو تخلیق کے کینوس پر اس طرح پینٹ کیا ہے کہ عشق رسولؐ اس کی تخلیق کا محرک بھی ہے اور معیار بھی۔ اسی لیے شاعر پیرایہ اظہار ثناء کی

خیرات، شہ لولاک ہی سے مانگتا ہے۔ اسی ذات اقدس کو اپنے افکار کا مرکز مانتا ہے۔ اسی ذات والا تبار کو قلم کی حرمت کی ضمانت سمجھتا ہے۔ وہ شعور نعت کو نور مجسم کا معجزہ سمجھتا ہے۔ وہ مودت رسولؐ کو جہان لفظ و معنی کی تسخیر کا ذریعہ سمجھتا ہے۔ شعر کے اس مقدس حوالے کا احساس ہی اسے نازاں اور سرشار رکھتا ہے اور اسے ہر وقت اپنے دامن تخلیق میں گلاب ہی گلاب نظر آتے ہیں۔

یہ آپ ہی کی چشم کرم ہے معجزہ
ورنہ شعر و نعت کہاں اور سحر کہاں

سحر جب نعت شاہ پاک کہنے کا ارادہ ہو
جہان لفظ و معنی کیوں نہ پھر تسخیر ہو جائے

ہم نعت گو ہیں سید والا تبار کے
ہم ہی سے رسم عظمت و تقدیس فن چلی

سحر نعت شہ لولاک کا احسان ہے مجھ پر
قلم میرا مری تقدیر کی رفعت پہ نازاں ہے

آئی ہے جب بھی لب پہ مرے مدحت رسولؐ
رحمت کے پھول دامن عصیاں میں آگئے

جب بھی ہوا ہے شعر کوئی نعت کا سحر
گلزار جاں میں پھول کھلا ہے گلاب کا

حسین سحر مدحت کے پارس سے اپنے شعر کو کندن بنانے کے ساتھ ساتھ، مودت محمدؐ و آل محمدؐ کو اپنی ذات کی تطہیر اور تہذیب کا وسیلہ کہتا ہے۔ اسی محبت کی تنویر سے اس نے اپنی اندر کی دنیا کو روشن کیا ہے۔ اسی عشق کی طاقت سے اس نے جینے کا ڈھنگ سیکھا ہے۔ گویا محبوب خدا کی محبت نے صرف سحر کی شاعری کو رفعت نہیں دی بلکہ اس کی شخصیت و کردار پر بھی مثبت اثرات مرتب کئے ہیں۔ حسین سحر نے تقدیس کی نعتوں میں اس پہلو کو شعوری سطح پر جس قدر اہمیت اور جگہ دی ہے، کسی دوسرے شاعر کے ہاں نظر نہیں آتی:

اپنے دشمن سے کبھی بدلہ میں لے سکتا نہیں
فاتح مکہ کا ہے کردار میرے سامنے

میں زمانے کے اندھیروں میں بھٹک سکتا نہیں،
میری آنکھوں میں ہے، ان کے نقش پا کی روشنی

عشق کے دم سے ہی دل زندہ ہے
آئنہ کیا تھا، جلا سے پہلے

میرے نزدیک آ سکتی نہیں تاریکیاں غم کی
مرا سینہ چراغ عشق احمد سے فروزاں ہے

باطل کے مقابل مری گردن نہ جھکے گی
نظروں میں مری راہ حسین ابن علیؓ ہے

حب اہل بیت ہی کا نام تو اسلام ہے
اب بھی ایماں کا ہے یہ معیار میرے سامنے

اس در کی غلامی ہے سحر شاہی سی بڑھ کر
کونین کی دولت مجھے اس در سے ملی ہے

اپنی ذات سے ہٹ کر دیکھتا ہے تو حسین سحر کو سید المرسلین کے احسانات کی چادر کے نیچے پوری انسانیت نظر آتی ہے۔ تاریخ بشریت، نور اول کی رحمت سے مستنیر ہے۔ علم و آگہی، شعور و عرفان معلم اول کی عطا ہے۔ شب غم کی تیرگی، آفتاب صبح عالم کا سامنا کرنے سے گریزاں ہے۔ ہر زمین اور ہر زمانہ کی ہدایت کے لئے سراج منیر کی ضوفشانیاں عام ہیں۔ آج بھی نبی آخر کا ہر فرمان، ہدایت کی علامت اور آپ کا ہر فعل، عظمت کردار کا نشان ہے۔ آج بھی حرا کی روشنی سب سے دلکش روشنی اور فاران کی آواز،

سب سے دل گداز آواز ہے۔ آج بھی فتح مکہ بے عیب ضابطہ اخلاق اور خطبہ آخر لاریب عالمی منشور حیات ہے۔ آج بھی طائف کا واقعہ، مظلوم کی فتح کا حوالہ اور ہجرت حبشہ، ضعیف کی قوت کا استعارہ ہے۔ آج بھی نبی معجزنما کے ہاتھوں میں کنکریاں، ہاتھ ہے اللہ کا، بندہ مومن کا ہاتھ، کی شہادت میں اور معراج مصطفےٰ، بشری استعداد کے لئے ہدف اور چیلنج ہے۔ آج بھی ہجرت مدینہ، معاشرت کے استحکام کی دلیل اور صلح حدیبیہ، سیاست کی کامرانی کا ثبوت ہے۔ حسین سحر بھی ختمی مرتبت کے اتباع کو حسین زندگی کا وسیلہ سمجھتے ہیں اور رحمت عالم سے تمسک کو دنیا اور آخرت کی سرخروئی کا موجب گردانتے ہیں

آج بھی ہے پیام آپ کا، رہنما ہے ضرورت ہمیں آج بھی آپ کی
علم کی روح، عرفان ہے آپ کا آگہی کی ہے جاں، آگہی آپ کی
ظلمتوں میں بھٹکتے ہوؤں کے لئے مشعل راہ ہے، زندگی آپ کی
ان کے شرف سے، ذات بشر کو ملا شرف ان ہی عظمتوں سے ہے انساں بڑا ہوا
اے رہبر اعظم، تری ایک ایک ادا سے سیکھا ہے زمانے نے چلن راہبری کا
امن عالم کو ضرورت ترے انکار کی ہے وقت ہے پھر ترے پیغام کو دنیا سمجھے
حشر کے دن، ان کی جانب، دیکھتے ہیں امتی سارے پروانوں کا رخ ہے، شمع محفل کی طرف

یہ واقعہ ہے کہ "تقدیس" تخلیق کر کے حسین سحر نے دنیا اور عقبیٰ دونوں کو جاگیر بنا لیا ہے۔ خیر الانام کی مدحت سے شاعر کے قلم کو دوام حاصل ہو گیا ہے۔ شاعر نے محبوب خدا کے خیال کو امام بنا کر اپنی نماز کو خدا کے ہاں مستجاب کروا لیا ہے۔ سحر نے آقائے دو جہاں کی بندگی کر کے خدا کی بندگی کا حق ادا کر دیا ہے۔ حسین سحر مدحت رسولؐ کے راستے قرب خداوندی کی منزل پانے کا طلب گار ہے کیونکہ اسے یقین ہے کہ رسولؐ کا عشق اور عرفان، دراصل خدا کا عشق اور عرفان ہے

ان کی ولا ہے، ان کی محبت ہے، ان کا عشق جان یقین و حاصل ایماں کہیں جسے
جس کو عشق شہ لولاک لما مل جائے لازمی ہے کہ اسے قرب خدا مل جائے
جس پہ خدائے پاک کو بھی افتخار ہو تم حسن کائنات کا وہ شاہ کار ہو
کوئی دیکھے اگر دل کی حقیقت بیں نگاہوں سے بشر کے آئینے میں جلوہ فرما نور یزداں ہے
حضور آپ کا ہر لفظ آیہ یزداں جو آپ کہہ دیں، خدا کا کلام ہو جائے

میں سمجھتا ہوں کہ حسین سحر نے "تقدیس" کے وسیلے سے شاعری نہیں کی عبادت کی ہے، ایسی عبادت جس میں دل، ہر دم حالت سجود میں رہتا ہے۔ سحر نے نعت نہیں کہی، نماز عشق ادا کی ہے، ایسی نماز جس کی روح میں ناز اور نیاز دونوں بہم ہوتے ہیں۔ سحر نے مداحی نہیں کی، صرف دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے ہیں، ایسی دعا، جو لبوں پر آنے سے پہلے قبول ہو جاتی ہے۔

عرفان بجنوری کی نعت گوئی

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی

(جناب) عرفان بجنوری ثم بریلوی.... استاذ شعبۂ انگریزی اسلامیہ کالج بریلی۔ علم و ادب کی دنیا کا ایک معتبر نام ہے۔ عرفان صاحب بیک وقت انگریزی، اردو اور فارسی زبان و ادب پر یکساں عبور رکھتے ہیں۔ ان کے کئی شعری مجموعے شائع ہو کر خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ وہ اردو اکادمیوں اور دیگر ادبی انجمنوں سے انعامات و اعزازات بھی حاصل کر چکے ہیں۔ ان کی شاعری قدیم و جدید کا سنگم ہے۔ وہ علاماتی اور اشاراتی لب و لہجہ میں منظومات پیش کرنے کے باوصف عباراتی اسلوب میں اظہار سے قاصر نہیں رہے۔

"احتساب" جناب عرفان کا ایسا شعری مجموعہ ہے جسمیں عباراتی نظموں کی کثرت ہے۔ یہ مجموعہ بھانت بھانت کے موضوعات پر مشتمل ہے کہ اسے اگر نگار خانۂ شاعری کہا جائے تو بیجا یا مبالغہ نہیں ہوگا۔ حمد و ثناء، نعت و منقبت عقائد و اعمال وغیرہ مذہبی موضوعات سے لیکر شخصیات، ادبیات، انسانیات، وطنیات، خیالات، روحانیات وغیرہ موضوعات پر یہ مجموعہ محیط ہے اور ہیئت کے اعتبار سے غزل، نظم، مسدس، رباعی و قطعہ وغیرہ پر مشتمل ہے۔ اس مجموعہ میں شامل جناب عرفان کی نعتیں بھی لائق مطالعہ ہیں اور ان سے عرفان کی نعت گوئی کا جائزہ لیا جا سکتا ہے۔ عرفان صاحب مستقل نعت گو شاعر نہیں ہیں البتہ نعت سے شغف رکھتے ہیں۔ نعتیہ نشستوں اور مشاعروں میں شرکت کرتے ہیں اور عقیدت و محبت سے علمی و ادبی اور معیاری کلام پیش فرماتے ہیں۔

اس مجموعہ کے علاوہ دیگر مجموعوں اور رسائل و جرائد میں ان کی نعتیں شائع بھی ہوئی ہیں۔ نعت کہنا بلاشبہ بہت ہی شرف و سعادت کی بات ہے بلکہ اللہ اور اس کے فرشتوں کی سنت بھی ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم کی آیت درود۔ "ان اللّٰہ و ملٰئکتہ یصلّون علی النّبی...الخ" سے ثابت ہے۔ رسول کونین سے محبت کے بغیر ایک مومن کے ایمان کی تکمیل ہی نہیں ہو سکتی گویا ان کی محبت ہی عین ایمان ہے اور وہ جان ایمان ہیں۔ اسی لئے نعت عبادت بھی ہے۔ عرفان صاحب خود بھی نعت گوئی کو عبادت قرار دیتے ہیں۔

شاعری اس کو نہ کہہ ہے یہ عبادت عرفان
خامہ فرسائی نہیں ہے یہ جبیں سائی ہے

نعت۔ عقیدہ و عقیدت دونوں کی مظہر ہے۔ جناب عرفان کی نعت گوئی بھی اس صداقت کی غماز ہے۔ رسول کونین صلی اللہ علیہ وسلم..... نور اللہ ہیں۔ اصل تکوین عالم ہیں' رحمت للعالمین ہیں وغیرہ پر وہ عقیدہ رکھتے ہیں اور سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کی ان خصوصیات کو بڑے والہانہ انداز میں پیش کرتے ہیں۔

خیال نعت رسول کر لے نگاہ میں ابتدا سے پہلے
دعائے مقبول چاہتا ہے درود پڑھ لے دعا سے پہلے
خدا کا وہ نور پاک جس کا وجود تھا ابتدا سے پہلے
تو اس کے محبوب کا ہے عاشق یہ عرض کر دے خدا سے پہلے
بتاؤں کیا رنگ دہر تھا اس جلالت کبریا سے پہلے
زمانہ تاریکیوں میں گم تھا تصور خیرالوریٰ سے پہلے

برق فاران کا نظارہ و دیدار ہیں آپ
نور ہے نور خدا مطلع انوار ہیں آپ
سب میں شامل ہیں مگر سب سے جدا آپ ہی ہیں
جس سے ہر شئے ہے منور وہ ضیاء آپ ہی ہیں
آپ مقصد ہیں ہر اک چیز تمنائی ہے
آپ اک جلوہ ہیں کونین تماشائی ہے
گرچہ ظاہر میں ہیں انسان رسول عربی
اصل میں بعد خدا نور کی ہستی ہیں وہی

مندرجہ بالا اشعار میں.... سرکار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور اللہ اور اصل تکوین عالم' رحمت للعالمین اور شافع محشر ہونے کا عقیدہ واضح ہے۔ یہ عقیدہ خود ساختہ نہیں قرآن و سنت کا عطا کردہ ہے۔

شاعری' موضوع خواہ کوئی بھی ہو شاعر کے جذبہ کے خلوص اور التہاب وارتعاش کی متقاضی ہوتی ہے۔ نعتیہ شاعری تو اس خلوص اور التہاب کی بدرجہ اتم متقاضی ہوتی ہے۔ اسی داخلیت کے حسن پر خارجی حسن کا انحصار ہوتا ہے ورنہ ہزار کاریگری اور فنکاری اور خارجی صناعی کے باوجود اشعار اثر پذیری سے دور ہوتے ہیں اور سارا بھرم کھول دیتے ہیں۔

نبی کریم کے عقیدت و محبت کے اظہار کے مختلف انداز ہیں۔ انکے حسن و جمال و کمال و عظمت کی تعریف' ان کے دیار و جسے اظہار عقیدت' اس سے نسبت رکھنے والی ہر شئے سے محبت کا اظہار وغیرہ۔ جناب عرفان کی اس عقیدت و محبت کی تصویر ان کی نعتوں کے آئینے میں بہت صاف نظر آتی ہے۔

فلک سے ہوں یوں ہم زباں اللہ اللہ
مدینہ کو لیکر تصور میں عرفاں
ہوش لازم ہے جہاں جلوہ گہ یار آئے
چھوڑ دے لغزش مستانہ قریب طیبہ
دین میرے۔ مرے ایمان رسول عربی
پوچھتے کیا ہو نکیرین مرے مذہب کو
مہ و خورشید کی اس در پہ جبیں سائی ہے
سر کے بل چل کے پہنچنا بھی یہاں پر کم ہے
تابانیوں کے باب کا عنواں کہیں جسے
چہرے کا نور صبح زرافشاں کہیں جسے

وہ رعب جس سے سرو گلستاں بھی سرنگوں   اور وہ ہنسی کہ غنچۂ خنداں کہیں جسے
خوشبوئے جسم روح عبیر و گلاب کی   اور عطر زلف سنبل و ریحاں کہیں جسے

جناب عرفان نے حضور سرور کونین علیہ التحیہ والثناء کے جسم اقدس، زلف مبارک، پسینہ اور شہر مدینہ وغیرہ کے والہانہ عقیدت کا اظہار کیا ہے اور یہ کہہ کر۔

پوچھتے کیا ہو نکیرین مرے مذہب کو   دین میرے۔ میرے ایمان رسول عربی

اپنی خود سپردگی ثابت کردی ہے اور اس طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ کلام عرفان نیاز و عقیدت اور سرشاری و سپردگی کا زمزمہ ہے۔

یوں تو اس صاحب کمال یعنی مدنی محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ہر ادا بے مثالی کی دلیل ہے لیکن ان کا خلق عظیم کہ قرآن مقدس نے خود جس کی تعریف کی ہے اور جسے اپنانے کا حکم دیا ہے اور یہی وہ جوہر اور خیر و خوبی ہے جس کی بدولت ہر شر کی تاریکی کافور ہوئی اور ہمیشہ اسی آفتاب خلق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے باطل کی تمام تیرگی مٹائی جا سکتی ہے۔

عرفان محترم نے سرکار علیہ السلام کے اس خلق عظیم اور اسوۂ حسین کو بہت ہی خوبصورت اور خیال کی تمام تر لطافت و نزاکت کے ساتھ اجاگر کرنیکی سعی کی ہے اور اس میں کامیاب رہے ہیں چند اشعار ملاحظہ کیجئے۔

کرم جسکا تسنیم و کوثر سے بڑھ کر   اور اخلاق جوئے رواں اللہ اللہ
عدو پر بھی اک بے خودی گفتگو سے   ہیں اس درجہ شیریں زباں اللہ اللہ
مگر شہرۂ خلق شاہ دو عالم   زمیں سے ہے تا کہکشاں اللہ اللہ
ابھی تک دلوں پر ہے فرمانروائی   ہیں حیرت میں تیغ و سناں اللہ اللہ

اے مسلماں تری منزل ہے وہی خلق عظیم   جس کے صدقے میں تجھے عظمت کردار آئے
تم ہو ہر اک کیلئے مونس و غمزار و رفیق   کوئی باقی نہ رہا دہر میں تنہا تم ہو

نعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ انداز... آہنگ، شکوہ الفاظ اور بیان کے زور و جوش اور روانی کے ساتھ... ملاحظہ کیجئے چند بند:۔

خراب و ویراں تھی ہر عمارت زوال آمادہ ہر ستوں تھا
گلوئے انسانیت زبوں تھا عروج میراث و رنگ و خوں تھا
رواج کا اس طرف جنوں تھا رسوم کا اسطرف فسوں تھا
ادھر قدامت کا دائرہ تھا ادھر جہالت کا ارغنوں تھا

رباب اوہام بج رہا تھا جہاں میں حق کی صدا سے پہلے
زمانہ تاریکیوں میں گم تھا ظہور خیرالوریٰ سے پہلے

سیاہ فصل خزاں کا بادل محیط تھا صحن گلستاں پر نہ حسن تھا عارض زمیں پر نہ نور تھا روئے آسماں پر
بہار سیمیں نہ چاند پر تھی غبار زر تھا نہ کہکشاں پر شمیم راکب نہ تھی ابھی تک تسنیم کی موج زرفشاں پر
رواں

سموم کا دور آتشیں تھا چمن میں باد صبا سے پہلے
زمانہ تاریکیوں میں گم تھا ظہور خیرالوریٰ سے پہلے

یہ کلمۂ حق کا گونج اٹھنا وقار یہ فکر آدمی کا یہ رشد و تبلیغ کا طریقہ یہ طرز و انداز رہبری کا
معاشرہ حق و راستی کا ہر اک سلیقہ یہ زندگی کا یہ اب جو تہذیب دیکھتے ہو یہ صدقہ ہے نور احمدی کا
وگرنہ یہ حال تھا کہ جیسے شبِ سحر کی ضیاء سے پہلے
زمانہ تاریکیوں میں گم تھا ظہور خیرالوریٰ سے پہلے

عباراتی اسلوب میں علاماتی و اشاراتی اسلوب اور رمزیت میں وضاحت اور وضاحت میں رمزیت کا یہ انداز کسقدر دل کش اور شاعرانہ نازک خیالی کا عمدہ نمونہ ہے!

جناب عرفان کی زبان کسقدر نکھری ستھری اور بیان کیسا رواں دواں اور دلکش؟

رباب و اوہام، جہالت کا ارغنوں۔ رسوم کا فسوں، زوال آمادہ ستوں، سیاہ فصل خزاں کا بادل سموم دور آتشیں وغیرہ کہنے میں کیسی جدّت و ندرت ہے۔ پیکر تراشی اور ایمجری و جمالیات کے جلوے بھی مندرجہ بالا بندوں میں بہار دکھا رہے ہیں۔ تراکیب سازی بھی بہت خوب ہے۔

"احتساب" میں شامل نعتوں میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا بیان بڑے ہی شاعرانہ مگر کسی مبالغہ آرائی کے بغیر حق و صداقت کی روشنی میں کیا گیا ہے اور عرفان کی ان نعتوں میں حضورؐ کی سیرت کو اولیت حاصل ہے۔

نزاکت خیال اور بلاغت کی بہاروں سے معطر چند اشعار مزید ملاحظہ کیجئے۔

مدینہ کو لیکر تصور میں عرفاں فلک سے ہوں یوں ہم زبان اللہ اللہ
وہ خامشی کہ شام شبستاں مرادلیں وہ گفتگو کہ صبح درخشاں کہیں جسے
ایسی حیا کہ آنکھ کی رونق نگہ کا نور ایسی ادا کہ جنبش مژگاں کہیں جسے

آپ کی جسم کی خوشبو کیلئے ہے بے چین وجہ آوارگیٔ بادصبا آپ ہی ہیں

جستجو میں ہے سدا آپ کی دورِ گردوں　　مقصدِ گردشِ ہر صبح و مسا آپ ہی ہیں

خوش بوئے جسم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں بادِ صبا سرگرداں ہے۔ یہ خیال پیش کرنا ندرت وجدت کا کمال ہے۔ یقیناً "رسول اعظم جسطرف گزر جاتے تھے خوش بو پھیل جاتی تھی اور اصحاب کرام اس خوشبو سے پتہ لگا لیتے تھے کہ سرکار کس طرف گئے ہیں۔ "وجۂ آوارگی بادِ صبا آپ ہی ہیں" کہہ کر خیال کی نزاکت کی انتہا کردی ہے جناب عرفان نے۔

حضور تکوین عالم کی اصل اور ہر ایک کا مدعا ہیں۔ صبح و شام کی گردش ہی نہیں۔ کائنات کی نیرنگیاں، مہ و خورشید کی فروغ انگیزیاں سبھی کچھ آپ ہی کی مسبب سے ہیں اور آپ ہی کے لئے ہیں۔

چند نعتوں کی روشنی میں جناب عرفان کی نعت نگاری کا مختصر جائزہ لیا گیا۔ ان چند ہی نعتوں سے جناب عرفان کے عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلوص کی تہداریوں کا بھی پتہ چلتا ہے اور احساس کو الفاظ کے آئینے میں کس بے ساختگی اور اور بجنل انداز میں انہوں نے پیش کیا ہے یہ بھی آشکارا ہے۔ الغرض جناب عرفان اپنی نعت گوئی میں لفظ و احساس کے درمیان کا فاصلہ طے کرنے میں کامیاب رہے ہیں۔

○

مدحت

یہی زمیں ہے یہی آسماں مدینے میں
مگر ہے اور ہی کچھ کیفِ جاں مدینے میں
فضائے نور میں یہ بے خودیِ دل شب و روز
نہ گھر ہی یاد نہ کارِ جہاں مدینے میں
حرم میں روکا جبیں سجدہ ریز آنکھوں نے
ہوئے ہیں کھل کے وہ آنسو رواں مدینے میں
کبھی ادھر سے بھی شاید حضورؐ گزرے ہوں
رہا یہ دھیان میں گزرا جہاں مدینے میں
کہیں رکوع و سجود اور کہیں سلام و درود
کوئی بھی سانس نہیں رائیگاں مدینے میں
وہی نیاز کے لہجے وہی گداز کے حرف
ہے عشق ہی کی زباں ہر زباں مدینے میں
رہ دعا بھی کشادہ درِ قبول بھی وا
طلب کی کتنی ہیں آسانیاں مدینے میں
جو پھر مدینے میں پہنچوں تو میری زیست ہو زیست
میں دل مدینے میں چھوڑ آیا جاں مدینے میں
وہی سوال کہ پھر ہو نفس نفس میرا
حرم میں حمد سرا نعت خواں مدینے میں

محشر بدایونی

بارگاہِ رسالت مآب میں

نظر نظر تھی محبت ادا ادا تھی شفیق
کہاں تھی تیرے یہاں اونچ نیچ کی تفریق

چراغِ جادۂ ہستی ترا پیام بنا
ترے درود سے نوعِ بشر کا کام بنا
ہوا نہ ہو گا کوئی تجھ سا خلق یار و خلیق
کہاں تھی تیرے یہاں اونچ نیچ کی تفریق

تری نظر میں ہے جو ہو رہا ہے آج یہاں
بنامِ نور ہے ظلمت کے سر پہ تاج یہاں
ستم گروں سے بچا ہم کو بے کسوں کے رفیق
کہاں تھی تیرے یہاں اونچ نیچ کی تفریق

شہ و شیوخ ہیں صیہونیت کے دست نگر
مفادِ ذات ہے ان بے حسوں کے پیشِ نظر
انہیں عزیز نہ منشا ترا نہ تیرا طریق
کہاں تھی تیرے یہاں اونچ نیچ کی تفریق

ہیں گردِ راہ ستارے ملا سبق تجھ سے
ہوا جہان پہ روشن ثبوتِ حق تجھ سے
خدا نے کی تری سچائیوں کی خود تصدیق
کہاں تھی تیرے یہاں اونچ نیچ کی تفریق

اٹھائیں فیض صدا تیری رہنمائی سے
ملے نجات ہمیں کاسۂ گدائی سے
کریں بلند ترا نام ہم کو دے توفیق
کہاں تھی تیرے یہاں اونچ نیچ کی تفریق

حبیب جالب

ہے رشکِ شہنشاہی وہ شانِ فقیرانہ
قربان ہوئی جس پر ہر شوکتِ شاہانہ

بھرتے ہیں سلاطیں بھی دم انؐ کی غلامی کا
اللہ و غنی ان کا الطاف کریمانہ

اس در پہ ملائک بھی کرتے ہیں جبیں سائی
ہے جلوہ گہ جاناں سرکارؐ کا کاشانہ

سرکارؐ کے سجدوں کی عظمت تو کوئی دیکھے
اب قبلۂ عالم ہے وہ گھر جو تھا بت خانہ

سوزِ غمِ پنہاں کی لذت تو وہی سمجھے
جو عشقِ محمدؐ میں دنیا سے ہو بیگانہ

دشمن کو بھی سینے سے لپٹاتے ہیں وہ اپنے
اے صلِّ علیٰ انؐ کا اخلاق محبانہ

تصدیقِ حقیقت ہو یوں میری محبت کی
سرکارؐ دو عالم کا بن جاؤں میں دیوانہ

کچھ اشکِ ندامت ہیں آنکھوں میں فقط باقی
کیا پیش کروں انؐ کی سرکار میں نذرانہ

اس خاک نشیں کو بھی قدموں میں بلا لیجے
ستار حزیں کی ہے یہ عرضِ غلامانہ

شاہ ستار وارثی

سوال، عبد کی معبود تک رسائی ہے
جواب، اور یہ معراج کس نے پائی ہے

سوال، خاک نشینوں کا عرش پر کیا کام
جواب، شانِ رسالت کی حد بتائی ہے

سوال، عالمِ بالا کی سیر اک پل میں
جواب، صلِّ علیٰ شانِ مصطفائی ہے

سوال، نور مجسم کہ پیکرِ خاکی ہے
جواب، آئنہ حسنِ کبریائی ہے

سوال، جسمِ مطہر کا سایہ تھا کہ نہیں
جواب، آپ کے سائے میں کل خدائی ہے

سوال، بندہ اُمّیؐ کو دو جہاں کی خبر
جواب، علم خداداد انتہائی ہے

سوال، ایک ہی صورت ہے جانِ صورت گر
جواب، اپنے خط و خال پر بنائی ہوئی

سوال، آپ کے دامانِ لطف کی وسعت
جواب، عرصہ کونین کی رسائی ہے

سوال، ارضِ مدینہ فلک مقام ہے کیوں
جواب، مسکنِ محبوبِ کبریائی ہے

حزیں صدیقی

جب ہے مرے آقاؐ کی عطا تازہ بتازہ
پھر کیوں نہ ہوں گلہائے ثناء تازہ بتازہ

عشق آپ کا ہے غنچہ کشا سینہ بسینہ
یہ جذبہ ہے مانندِ صبا تازہ بتازہ

پاتی ہیں نمو خیر کی اقدار اسی سے
سیرت کا گلستاں ہے سدا تازہ بتازہ

ہو جس میں بسی آپ کے تذکار کی خوشبو
رہتی ہے وہی آب و ہوا تازہ بتازہ

ڈوبے کئی مہتاب تو اجڑے کئی گلزار
اک دینِ نبیؐ ہے کہ رہا تازہ بتازہ

دے گا وہی اک روز مجھے اذنِ حضوری
رکھتا ہے جو ارمان مرا تازہ بتازہ

اک حبس ہے گھیرے ہوئے ماحول کو میرے
یارب! رہے تائب کی نوا تازہ بتازہ

حفیظ تائب

تضمین بر کلام اقبال عظیم

مدعا عرض کروں حرف دعا سے پہلے
مشورہ کرتا ہے یا ذہن رسا سے پہلے
مانگ لوں حوصلہ شاہ دوسرا سے پہلے
"نعت میں کیسے کہوں انؐ کی رضا سے پہلے
میرے ماتھے پہ پسینہ ہے ثناء سے پہلے"

جب تلک آپؐ رہے عالم بالا پہ کہیں
خاک بہ سر ہی رہی تیرہ و تاریک زمیں
ظلمت شب کے گزرنے کا گماں تھا نہ یقیں
"نور کا نام نہ تھا عالم امکاں میں کہیں
جلوۂ صاحب لولاک لما سے پہلے

انؐ کی نگری ہے وہ درگاہ جہاں آٹھ پہر
جمع رہتا ہے گدایان جہاں کا لشکر
انؐ کی رحمت کو ہے ہر مانگنے والے کی خبر
"انؐ کا در وہ در دولت ہے جہاں شام و سحر
بھیک ملتی ہے فقیروں کو صدا سے پہلے"

ہے مدینہ وہ نگر جسکی نہیں کوئی مثال
ذرے ذرے کی زباں پر ہے جہاں پُرسش حال
اب یہ حالت ہے کہ محجوب سا ہے دست سوال
"اب یہ عالم ہے کہ دامن کا سنبھلنا ہے محال
کچھ بھی دامن میں نہ تھا انؐ کی عطا سے پہلے"

آپؐ کے لطف سے بن جاتے ہیں بگڑے ہوئے کاج
آپؐ رکھتے ہیں بہر طور گنہ گار کی لاج
آپؐ سے دوری ہے آزار تقرب ہے علاج
"تم نہیں جانتے شاید مرے آقاؐ کا مزاج
انؐ کے قدموں سے لپٹ جاؤ سزا سے پہلے

تیری توفیق و عنایات سے جذبات مرے
شوق کی راہ چلے شکر کی منزل میں رہے
تیرے الطاف و کرم تیری رضا کے صدقے
"اور تو کچھ نہیں مانگا مرے مولا تجھ سے
اک جھلک روضۂ اقدس کی قضا سے پہلے"

اک مسافر ہوں جو بیٹھا ہے سر بزم خیال
ایک مدت ہوئی پھیلائے ہوئے دست سوال
ہو چکی دید کی حسرت میں بصارت پامال
"میری آنکھیں جو نہ روکیں مرا رستہ اقبال"
میں مدینے میں ملوں راہ نما سے پہلے

حنیف اسعدی

حمد و نعت

مجھے تو نے جو بھی ہنر دیا بکمال حسن عطا دیا
میرے دل کو حب رسول دی میرے لب کو ذوق نوا دیا

تیری جلوہ گاہ جمال میں میرا ذوق دید نکھر گیا
تری ضوفشانیٔ حسن نے میری حیاتوں کو سجا دیا

میں مدار جاں سے گذر سکا تو تیری کشش کے طفیل سے
یہ تیرے کرم کا کمال تھا کہ حصار ذات کو ڈھا دیا

میں ہمیشہ اپنے سوال شوق کی کمتری پہ خجل رہا
کہ تیری نوازش بے کراں نے میری طلب سے سوا دیا

کسی غمگسار کی محنتوں کا یہ خوب میں نے صلہ دیا
کہ جو میرے غم میں گھلا کیا اسے میں نے دل سے بھلا دیا

جو جمال روئے حیات تھا جو دلیل راہ نجات تھا
اس راہبر کے نقوش پا کو مسافروں نے مٹا دیا

ترے حسن خلق کی اک رمق مری زندگی میں نہ مل سکی
میں اس میں خوش ہوں کہ شہر کے دربام کو تو سجا دیا

تیرے ثور و بدر کے باب کے میں ورق الٹ کے گزر گیا
مجھے صرف تیری حکایتوں کی روایتوں نے مزا دیا

میں تیرے مزار کی جالیوں ہی کی مدحتوں میں مگن رہا
تیرے دشمنوں نے تیرے چمن میں خزاں کا جال بچھا دیا

یہ مری عقیدت بے بصر یہ مری ارادت بے ثمر
مجھے میرے دعویٰ عشق نے نہ صنم دیا نہ خدا دیا

ترا نقش پا تھا جو رہنما تو غبار راہ تھی کہکشاں
اسے کھو دیا تو زمانے بھر نے ہمیں نظر سے گرا دیا

مرے رہنما ترا شکریہ کروں کس زباں سے بھلا ادا
مری زندگی کی اندھیری شب میں چراغ فکر جلا دیا

کبھی اے عنایت کم نظر ترے دل میں یہ بھی کسک ہوئی
جو تبسم رخ زیست تھا اسے تیرے غم نے رلا دیا'

عنایت علی خان۔

(۲)

وجہ سکون زندگی حمد خدا نعت نبی
ہر دم زبان پر ہے مری حمد خدا نعت نبی

قلب و نظر کی روشنی حمد خدا نعت نبی
دونوں جہاں کی سرخوشی حمد خدا نعت نبی

دل میں عقیدہ بھی یہی لب پر وظیفہ بھی یہی
ہے حاصل صد آگہی حمد خدا نعت نبی

وہ خالق کون مکاں یہ ہادی ہر دو جہاں
گویا ہے روح بندگی حمد خدا نعت نبی

سارے زمانوں کے لئے سارے ترانوں سے جدا
ہیں نغمہائے سرمدی حمد خدا نعت نبی

حرص و ہوس کی کہکشاں گمراہ کر سکتی نہیں
افسون باطل کی نفی حمد خدا نعت نبی

سرچشمہ فکر و نظر سرمایہ نوع بشر
ہے مظہر سرخودی حمد خدا نعت نبی

ہے اس وظیفے میں نہاں ہر عقدہ مشکل کا حل
دل سے پڑھے گر فلسفی حمد خدا نعت نبی

وہ ذات رب العالمیں یہ رحمت للعالمیں
ہے ضبط کا مذہب یہی حمد خدا نعت نبی

ضبط سہارنپوری

اس طرح بھی اکثر اے واصل اللہ کی رحمت ہوتی ہے
طیبہ کی تمنا تھی دل میں آج اس کی زیارت ہوتی ہے

اشکوں کی زباں سے کہہ جاؤں یارب میں یہیں پر رہ جاؤں
مشکل تو نہیں کوئی مولا ایسی بھی تو قسمت ہوتی ہے

کیا جانیے کتنا فرق ملا طیبہ کی عبادت میں ہم کو
پہلے بھی عبادت ہوتی تھی اور اب بھی عبادت ہوتی ہے

محراب وستوں فرش و منبر ہر ایک جگہ وہ پیشِ نظر
محسوس یہ ہوتا ہے ہر دم اب ان کی زیارت ہوتی ہے

یارب نہ کبھی یوں دل ٹوٹے مجھ سے نہ درِ آقا چھوٹے
جاتے ہیں سنور دین و دنیا جب ان کی عنایت ہوتی ہے

حالِ دلِ مضطر تم نہ کہو بس نعتِ رسولِ پاک لکھو
اس طرح سکوں مل جائے گا یہ دل کو ودیعت ہوتی ہے

سنتے تھے مدینے کی ہر شۓ اک منبعِ نور و رحمت ہے
اب آج سنی باتوں پہ یہاں آنکھوں سے شہادت ہوتی ہے

اس طرح میں ان کا ذکر کروں ماہر کی زمیں میں نعت لکھوں
طیبہ کی زمین! پا جائے گا واصل یہ بشارت ہوتی ہے

واصل عثمانی (سعودی عرب)

چشمِ باریاب

سرشار صدیقی

آنکھیں کھلی ہونا تو کوئی شرط نہیں
اکثر ان خود بیں آنکھوں سے
وہ منظر بھی نظر نہیں آتے
جو نزدیک بھی ہوں، واضح بھی
یوں بھی، ان بینا آنکھوں کی
حد نظر مجبوری ہے
فاصلوں کے معیار جدا ہیں
قرب بھی اکثر دوری ہے
روشن آنکھیں دیکھ سکیں
جس منظر، جس پس منظر کو
ان کا بھی روشن ہونا
از روئے دید ضروری ہے

یہ آنکھیں جو میری پیشانی
میرے رخساروں کے مابین
مرے چہرے پر بجی ہیں
ان آنکھوں سے
میرے دل کی نادیدہ آنکھیں اچھی ہیں
جب بھی مجھے دیدار کی حسرت تڑپاتی ہے
اپنی ظاہری آنکھیں موند کے
پلکیں اوڑھ کے
گیان اور دھیان کی
جانی پہچانی راہوں سے
جذب دروں کی انگلی تھامے
وادیٔ شوق پہنچ جاتا ہوں
اور اپنے سرکارؐ کا روضہ دیکھ آتا ہوں

ہوائے شہرِ مدینہ گلاب لائی ہے

بہت اداس تھا منظر مرے دریچے کا
نہ موتیے کی کلی تھی نہ چاندنی کا شباب
نہ زندگی کی رمق آتی جاتی سانسوں میں
بجھی بجھی سی تھیں آنکھیں غبار آلودہ
جھکی جھکی سی تھیں آنگن میں شب کی رعنائی
کفن بدوش ہواؤں کے ماتمی لشکر
چراغ، راہگذر کے بجھانے آئے تھے
اور لوحِ جاں پہ بہت سانحے رقم کرنے
دعا کے ہاتھ میں ٹوٹی ہوئی طنابیں تھیں
یقیں کے سارے اثاثوں پہ راکھ خیموں کی
مری شکست کے عنواں نئے نئے لکھ کر
عجیب نقش بناتی رہی ہے پہروں تک
کتابِ دل کے ورق پر گمان ہوتا تھا
ازل سے جیسے حکومت ہے مرگِ پیہم کی
بدن کے بند گلابوں کی ادھ کھلی آنکھیں
فشارِ ذات کے جنگل کی داستاں کہہ کر
حصارِ موسمِ دار و رسن میں بند ہوئیں
وجود غم کی جلی آنکھ میں نمی کب سے
حروفِ درد کی تخلیق کے عمل میں تھی
سیہ لباس میں لپٹی ہوئی عروسِ غزل
ابھی جنازے اٹھائے ہوئے تھی کندھوں پر
غبارِ خوف میں بچوں کی مسکراہٹ تھی
لہو سے سرخ تھے مقتل کے بام و در سارے
نگہ کے سامنے پھر کربلا کا منظر تھا

یہ کیا کہ قفل پگھلنے لگے ہیں مقتل کے
نفاذ عدل کا چرچا گلی گلی میں ہے
وجوم بانٹتا پھرتا ہے لشکر خورشید
صداقتوں کے علم اب کھلے کھلے کہ کھلے
یہ کیا کہ سارے افق روشنی میں ڈوب گئے
یہ کیا کہ تشنہ لبوں پر رواں ہوئے چشمے
گرفت شب سے رہائی کا شور اٹھا ہے
نئے دنوں کی بشارت طلوع ہوتی ہے
دعا کے ہاتھ میں شاخ اثر کا پرچم ہے

چمن سے موسم دارو رسن ہوا رخصت
قدم قدم پہ چراغوں کا ایک میلہ ہے
ردائے شب کا تسلسل بکھرنے والا ہے
یہ آب خوف کا دریا اترنے والا ہے
رضا و صبر کا موسم گزرنے والا ہے
گمان و وہم کے سرکش پجاریوں کے ہجوم
ہوا کی زرد چنریا میں منہ چھپاتے ہیں
عجیب کیف مسلسل کا ایک عالم ہے
یہ کون زخم سئے جا رہا ہے جسموں کے
اتر رہا ہے منڈیریں پہ رتجگوں کا خمار
لپٹ رہی ہے مرے بام و در سے خوشبوئیں

ہوائے شہر مدینہ گلاب لائی ہے
خزاں رسیدہ چمن میں بہار آئی ہے

ریاض حسین چودھری

خورشید حرا نکل رہا ہے عالم ہے کہ آنکھ مل رہا ہے
وہ حق کا چراغ جل رہا ہے باطل کا غرور ڈھل رہا ہے
سرکارؐ کا جو عمل رہا ہے قرآن کا ماحصل رہا ہے
پا بوسیٔ شاہ دوسرا... کو کونین کا دل مچل رہا ہے
سرکار کے لب پہ ہے تبسم سورج سا کوئی نکل رہا ہے
رحمت لقب نبیؐ اُمّی دستور جہاں بدل رہا ہے
بعثت سے حبیب کبریا کی وحدت کا چراغ جل رہا ہے
لب پر ہے میرے درود عزمی
ہر سانس ثناؐ میں ڈھل رہا ہے

سید ارتضا عزمی

○

خدا یقین کا پہلے اثر مہکتا ہے
تو اک جہان پہ میرا ہنر مہکتا ہے

وہ حرف حرف ہے روشن تمام سوچوں میں
اسی کے نام کی خوشبو سے گھر مہکتا ہے

تھکن سے سانس کا رشتہ اور انتظار طویل
خیال قرب سے لیکن سفر مہکتا ہے

درود پڑھتا ہوں رستے سنورتے جاتے ہیں
مری امید کا اک اک شجر مہکتا ہے

عبادتوں کی وہ دنیا اجال دی اس نے
خدا خیال کی لذت سے ڈر مہکتا ہے

افتخار امام صدیقی

نعتیہ

وہ آدمی بھی نگاہ فلک نے دیکھے ہیں
جو دشمنوں کو دعاؤں میں یاد کرتے ہیں
جو انتقام کے بدلے معاف کرتے تھے
جو رنگ و نسل و زباں سے بلند و بالا تھے
زمانے بھر کے لئے صبح کا اجالا تھے
وہ آدمی بھی نگاہ فلک نے دیکھے ہیں
جو اس زمین کو چند ایک کی زمین نہیں
ہوا و روشنی و نکہت و نمی کی طرح
تمام آدمیوں کی زمین کہتے تھے
کسی محل میں نہیں، جھونپڑی میں رہتے تھے
پسینہ جن کی نظر میں تھا عطر سے افضل
دکھائی دیتے تھے جن کے لباس میں پیوند
جنہیں قبول بشر کی بڑائی کا معیار
منال و مال نہیں، علم و صدق و تقوا تھا
وہ جن کا قول بھی سچا عمل بھی سچا تھا

سروں کی بھیڑ میں انسان ڈھونڈنے والو
جمالیات کے ایوان ڈھونڈنے والو
نگاہ کھول کے دیکھو، جمال سامنے ہے
محمدؐ عربی کی مثال سامنے ہے

انور شعور

نعت رسول مقبول

پیمبر کی بزم میں
وہ ذات پاک
منفرد... الگ.... جدا
کہ اس کا ایک ایک عمل
نپا ہوا تلا ہوا
گلاب کی طرح کھلا ہوا
کہ اس کا سب کلام
مشکبار و عطر بیز
حرف حرف رہنما

درود
اس وجود رحم والتفات پر
سلام
اس سفیر رب کائنات پر

احمد صغیر صدیقی

○

زمین کے وصف میں ہے منکشف حیات میں ہے
نبیؐ کی روشنی جو وقت کی صفات میں ہے
تلاش کرلیا تحقیق کرنے والوں نے
صدی صدی کی صدا ان کی بات بات میں ہے
ازل کی صبح سے شام ابد کے رخ پہ رواں
محبتوں کا سفر آپ ہی کی ذات میں ہے
میں دیکھتا ہوں اسی نکتۂ نظر کے طفیل
یہ پھیلتا ہوا منظر جو کائنات میں ہے
مرا وجود مری زندگی کے شام و سحر
بس ایک سلسلہ چشم التفات میں ہے
ابھر رہی ہے جو عرفان کی نوا بن کر
یہ گونج آپ کے قدموں کی شش جہات میں ہے

غالب عرفان

جھک جھک کے جو ذکر خیر الانامؐ کرتی ہیں میری آنکھیں
سجود کرتی ہیں میری پلکیں قیام کرتی ہیں میری آنکھیں

حریم الفت میں سب کو اکثر ہی آنسوؤں کی صفیں بنا کر
نبی کی یادوں کو ان کے آگے امام کرتی ہیں میری آنکھیں

فراق طیبہ میں جب تصور کی بزم سجتی ہے آئینوں سے
تو ایسے عالم میں مجھ سے اکثر کلام کرتی ہیں میری آنکھیں

دیار آقاؐ سے دور ہوں تو نظام اوقات ہی عجب ہے
سواد جاں میں سحر سے پہلے ہی شام کرتی ہیں میری آنکھیں

جب اسم احمدؐ کا نور اترے مری سماعت کے آنگنوں میں
درود پڑھ کر ادب سے جھک کر سلام کرتی ہیں میری آنکھیں

ملیں جو طیبہ کے ذاکروں سے تو رو کے ان سب کو بھی رلا دیں
خوشا کہ یوں آنسوؤں کی دولت کو عام کرتی ہیں میری آنکھیں

کبھی مدینے میں ہیں یہ روشن کبھی مدینہ ہے ان میں روشن
یوں سبز گنبد کے گرد گردش مدام کرتی ہیں میری آنکھیں

حضورؐ دیدار کی تمنا میں پیاس کا جب خمار ٹوٹے
برس برس کے گھٹا کا بھی اہتمام کرتی ہیں میری آنکھیں

نظر جب آئے وہ سبز گنبد ہے دور ہونٹوں کی دسترس سے
اٹھا کے پلکوں کے ہاتھ پھر استلام کرتی ہیں میری آنکھیں

وہ جس میں منقوش ہو گئے ہوں سب عکس روضے کی جالیوں کے
اس آئینے جیسی آنکھ کا احترام کرتی ہیں میری آنکھیں

حضورؐ کو خواب میں بھی منصور دیکھ پائیں جو ایک لمحہ
میں مان لوں حیثیت سے بڑھکر بھی کام کرتی ہیں میری آنکھیں

منصور ملتانی

یہ کس نے چاند اچھالا، کہ تو ملا ہے ہمیں
ہوا نصیب اجالا، کہ تو ملا ہے ہمیں

کھلا ہے باب مدینہ یقیں کی صورت میں
درگماں پہ ہے تالا، کہ تو ملا ہے ہمیں

بچھی ہے رحمت عالم ترے ہی صدقے میں
بنا ہے نور کا ہالہ، کہ تو ملا ہے ہمیں

بنے ہیں چاند ستارے تری تمنا میں
سجی ہے محفل لالہ، کہ تو ملا ہے ہمیں

یہ عرش و فرش ازل تا ابد پروئیں گے
ترے ہی نام کی مالا، کہ تو ملا ہے ہمیں

ہماری سوچ ہے سدرہ مقام سے آگے
ہمارا بخت بھی بالا، کہ تو ملا ہے ہمیں

بروز حشر شفاعت کو کون آئے گا
یہ خوف دل سے نکالا کہ تو ملا ہے ہمیں

دلوں میں تیری طلب کی صدا سلامت ہو
ثنا لبوں پہ ہو شالا، کہ تو ملا ہے ہمیں

یہی نثار ترابی ہے زندگی، اپنی
یہی ہے اپنا حوالہ، کہ تو ملا ہے ہمیں

نثار ترابی

بلائیں گے طیبہ اگر شاہ بطحا
تو قربان ہو گا جگر شاہ بطحا

محبت میں بارجدائی گراں ہے
نہ جذبہ ہو یہ در بدر شاہ بطحا

درِ مصطفیٰ پہ بصد ناز پہنچیں
تمنا اگر آئے برشاہ بطحا

تو سمجھیں گے ہم بھی نوازے گئے ہیں
ہم کاش اپنی ہو سر شاہ بطحا

ہمیں روز محشر کی کیا فکر ہو گی
وسیلہ جب ہے معتبر شاہ بطحا

مدینے بلاکے غلامی میں لے لیں
ہو تھوڑی سی سب پہ نظر شاہ بطحا

ہوا جب سے ہر لب پہ ذکر محمد
دعا میں ہے کتنا اثر شاہ بطحا

سبھی حاضری کو چلے جا رہے ہیں
کھلے اپنی قسمت کا در شاہ بطحا

جو بیدل ہیں ان کو بھی جنت ملی گی
ہیں مشہور خیر البشر شاہ بطحا

بیدل لکھنوی وارثی

خدا کے بعد تم ہو سننے والے، سرورِ عالمؐ
مری فریاد، میرے آہ و نالے، سرورِ عالمؐ

اگر خوشیوں کی طاقت آپ کے در سے نہیں ملتی
کہاں ہم توڑ سکتے غم کے ہالے، سرورِ عالمؐ

جہاں چاہے وہاں لے جائے ہے قسمت کی پروائی
ہمارے جسم ہیں روئی کے گالے، سرورِ عالمؐ

سمندر ریت لگتا ہے، ہوا تیزاب لگتی ہے
مری کشتی ہے اب تیرے حوالے، سرورِ عالمؐ

نہتے لڑ رہے ہیں جنگ ہم باطل کی فوجوں سے
نہیں تحویل میں فوج و رسالے، سرورِ عالمؐ

طلب منزل کی دل کو کھینچتی ہے جانبِ بطحا
اگرچہ ہیں مرے پاؤں میں چھالے، سرورِ عالمؐ

ستم دنیا کے، تنہائی کے نشتر، آپ کی یادیں
نذیر ایسے میں کیا خود کو سنبھالے سرورِ عالمؐ

نذیر فتح پوری

○

وہ عقیدوں کا تقاضا وہی ایمانوں کا | جس نے رخ پھیر دیا کعبے کو بتخانوں کا
سرکشیدہ ہوں فرشتوں میں اس کے دم سے | ایک ہی شخص جو پندار ہے انسانوں کا
اس کی سچائی کے انوار ازل تا بہ ابد | اس کے کردار پہ سایا نہیں افسانوں کا
وہ جنہیں نقشِ کفِ پا کی سعادت بخشے | خاک بردار ہوں میں ایسے بیابانوں کا
سید عالم ادراک سفیر افلاک | ادھر اک گام کہ یہ قریہ ہے نادانوں کا
اس کی توصیف کی میں تاب نہیں لا سکتا | میں ثناء خواں ہوں رضی اس کے ثناء خوانوں کا

صفدر صدیق رضی

ترے کمال کا سورج ہے جاوداں روشن　　کہ ایک وقت میں ہیں تجھ سے دو جہاں روشن
نقوشِ پا ترے رخشاں ہیں اوجِ عرش پہ بھی　　یہ مہر و مہ تو ہیں بس زیرِ آسماں روشن
وہ نجم بن کے دلِ کائنات میں چمکا　　اسی یقیں سے ہوئی وسعتِ گماں روشن
چراغِ دل بھی مودت کے اس حصار میں ہے　　خود آندھیاں جہاں رکھتی ہیں شمعِ جاں روشن
لبِ بلالؓ سے یا مطلعِ سحر ہے شباب　　اذاں کی ضو سے ہے تقدیرِ خاکداں روشن

شباب منور

○

قلم ہاتھوں میں لینا بعد میں پہلے دعا کرنا
کہ ممکن ہو قمر سے نورِ اول کی ثناؐ کرنا
ترے محبوب کی تعریف کرنے کا ارادہ ہے
جو ممکن ہو تو اک پل کے لیے قدرت عطا کرنا
پریشاں ہوں کہ بندے سے کوئی لغزش نہ ہو جائے
کہ آساں تو نہیں حقِ نعتِ احمدؐ کا ادا کرنا
پھر اس کے بعد میں ہوں اور حکم ان کا سر آنکھوں پر
وفا کرنا وفا کرنا وفا کرنا وفا کرنا
صدا آئی کہ جا تیرے قلم کو روشنی بخشی
کہ تعظیمِ نبی کرنا ہے تعظیمِ خدا کرنا
تری بندہ نوازی ہے کہ اپنے نور کو یارب
بشر مانند کر دینا ہے پھر اس کو مصطفےٰؐ کرنا
خداوندا میں عاصی ہوں مریض خود نمائی بھی
وہ شافع ہیں، مسیحا تو مرض کی تو دوا کرنا
قمر اس وقت تو حاضر ہے پیغمبر کی خدمت میں
تو ہم سب کی طرف سے بھی کرم کی التجا رکھنا

سید قمر زیدی

زندگی، بندگی، روشنی ان سے ہے کس کا ان کے کرم پر گزارا نہیں
دامن مصطفےٰ میں اماں ڈھونڈ لے جس کا دنیا میں کوئی سہارا نہیں
آپؐ ہیں آپؐ اے سرور دو جہاں، مونس بیکساں ہادیؐ گمرہاں
جس سے وابستہ تقدیر امت کی ہے آسماں کا وہ کوئی ستارہ نہیں
بے کسی کا گلہ در بدر کس لئے ہیں محمدؐ دو عالم میں جن کے لئے
ان کو آواز دے ان سے فریاد کر ان سے بہتر کوئی سہارا نہیں
ڈوب کر جن سے سورج ہویدا ہوا، جن سے منسوب ہے شان شق القمر
کون مانے گا اے سرور دو جہاں، وہ اشارہ خدا کا اشارہ نہیں
آپکی یاد ایمان کی زندگی، آپ کا درد عرفاں کی تابندگی
زندگی کا مزا اسکو حاصل ہو کیا آپ کے عشق نے جس کو مارا نہیں
آپ ہی کی توجہ کا احسان ہے ورنہ ساغرؔ کہاں اور سکینت کہاں
شورشوں نے اسے خوب گھیرا مگر یہ غم زندگانی سے ہارا نہیں

امتیاز ساغر

○

کاش ہم اس دور میں ہوتے تو ہم بھی دیکھتے سرور عالم کو چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے
ہم بھی ہجرت کے سفر میں بن کے گرد کارواں والہانہ آپؐ کے نقش کف پا چومتے
آپ پر ہوتے فدا اہل مدینہ کی مثال دف بجاتی بچیوں کے ساتھ گا کر جھومتے
بول کر جن کنکروں نے دی گواہی آپؐ کی ان کی قسمت دیکھتے اور اپنے بارے سوچتے
باادب چاہت سے سنتے آپ کی ہر بات کو ہاتھ پتھر مارنے والوں کے بڑھ کے روکتے
رات دن پڑھتے نمازیں اقتدا میں آپ کی ہم بھی سنتے دیکھتے نور ازل کو بولتے

آپ سے ہوتا عطا ذوق قدم بوسی جنہیں
چومتے پلکوں سے خاورؔ وہ مبارک راستے

احمد شہباز خاور

نعت رسولؐ

روشن ہیں دو جہان میں بدرالدجیٰ کے ہاتھ
پھیلے ہیں کائنات پہ خیرالوریٰ کے ہاتھ
فاران کی وادیوں میں جہاں بھر کی ہے شفا
اک منبع شفا ہیں میرے مصطفیٰ کے ہاتھ
میری سبھی امیدوں کا محور تو آپؐ ہیں
ہاتھوں میں آپ کے یا نبیؐ ہیں خدا کے ہاتھ
میرا شمار ان کے غلاموں میں ہو گیا
"دیکھے تو مجھ کو نارجہنم لگا کے ہاتھ"
امت کی دو جہاں میں بخشش کے واسطے
اٹھے رہے ہمیشہ شہ دوسرا کے ہاتھ
مدحت اگر نہ لکھ سکیں میرے حضورؐ کی
جی چاہتا ہے پھینک دوں ایسے کٹا کے ہاتھ
اس مختصر حیات میں میری طلب رہی
مانگوں در رسولؐ میں بھی اٹھا کے ہاتھ
اوصاف کی بھی نعت کو آقاؐ کریں قبول
ہر روز بھیجتا ہوں صدائیں صبا کے ہاتھ

اوصاف شیخ۔ ساہیوال

صلوا علیہ و سلموا

کوچہ بہ کوچہ، کو بہ کو
صلوا علیہ و سلموا

توحید کے دُرِّ ثمیں
عارض قمر، زہرہ جبیں
ماہ وفا، مہر یقیں
ان کی حنائیں چار سو
صلوا علیہ و سلموا

ان سے فروزاں ہر کرن
گلگوں صبا، گل پیرہن
موج صبا، روح چمن
ان کی ادا، وجہ نمو
صلوا علیہ و سلموا

افلاک ان کی رہگزر
تارے فقط گرد سفر
وہ مخزن علم و خبر
ہر لب پہ ان کی گفتگو
صلوا علیہ و سلموا

ظلمت کو بینائی ملی
یوسف صفت، آئینہ رو
رحمت سراپا، نرم خو
ہر آنکھ، ان کی جستجو
ہر سانس ان کی آرزو
صلوا علیہ و سلموا

خیرالبشر، کہف الوریٰ
ان کی نہ، کنز حیا
ان کے کرم کا سلسلہ
کلیوں کو رعنائی ملی
دنیا کو زیبائی ملی
بکھری جو زلف مشکبو
صلوا علیہ و سلموا

ادراک کو جذبہ ملا
دامن دریدہ تھا، سلا
امید کا غنچہ کھلا
جب آگئے وہ روبرو
صلوا علیہ و سلموا

وہ ہیں حبیب کبریا
قرآن خود ان کی ثنا
میں ہوں اریب بے نوا
ان سے ہے میری آبرو
صلوا علیہ و سلموا

(محمد احمد اریب) گوجرانوالہ

ذہن دل پر نقش ہے شہزادؔ کے طیبہ کا رنگ
ورنہ کھو دیتا اسے بھی دین کے اعدا کا رنگ

اے محمدؐ کے غلاموں ہوش میں کب آؤ گے
جم رہا ہے پھر جہاں میں قیصر و کسریٰ کا رنگ

پیرویٔ سنت سرکارؐ میں رہتے جو ہم
دیکھتی دنیا کہ ہوتا اور ہی دنیا کا رنگ

سبز گنبد سے جہاں میں روشنی ہی روشنی
مرکزِ تنویر و نکہت گنبد خضراء کا رنگ

آج ہی دل سے غلام مصطفیٰؐ ہو جائیں گر
دیکھتے ہیں کس طرح چھاتا نہیں عقبیٰ کا رنگ

رد رنگ و نسل کو سچائیوں سے مان لو
چار دن میں دیکھنا ہوتا ہے کیا دنیا کا رنگ

خواہش شہزادؔ ہے نعت نبی کہتا رہے
ایک دن آ جائے گا اشعار میں اِلقا کا رنگ

شہزاد زیدی

آمدِ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

شبِ غم میں نورِ سحر بن کے آئے
دعاؤں میں حسنِ اثر بن کے آئے
اندھیروں میں تاباں قمر بن کے آئے
وہی روشنی کا سفر بن کے آئے
محمدؐ نسیمِ سحر بن کے آئے

ملا عاصیوں کو شفاعت کا مژدہ
سبھی غم کے ماروں کو راحت کا مژدہ
اندھیروں کو مہرِ رسالت کا مژدہ
نبیؐ خیر خواہِ بشر بن کے آئے
محمدؐ نسیمِ سحر بن کے آئے

اندھیرا جہاں بھر میں خوار و زبوں ہے
ضلالت کا بت ہر جگہ سرنگوں ہے
زمانے کا دل بھی بہت پُر سکوں ہے
اجالوں کے پیغام بر بن کے آئے
محمدؐ نسیمِ سحر بن کے آئے

جو روشن ہوا مہرِ ختمِ نبوت
بشر کو ملی راحتوں کی بشارت
اک عالم میں پھیلی شمیمِ رسالت
کہ وہ بوئے گل کا ثمر بن کے آئے
محمدؐ نسیمِ سحر بن کے آئے

زین صدیقی

مرے سر کو در وہ نصیب ہے جہاں رحمتوں کا نزول ہے
مری چشم نم پہ کرم ہوا یہ عطائے حب رسول ہے
مری زندگی، مری بندگی اسی کیفیت سے ہے بہرہ ور
مرے لب پہ ذکر رسول ہے مرے دل میں یاد رسول ہے
مرے ہمدمو، میرے ساتھیو مجھے ساتھ لے کے وہاں چلو
جہاں ٹھوکروں میں ہیں منزلیں جہاں سنگ بھی ہے تو پھول ہے
میں فقط انہیں سے طلب کروں وہ طلب سے بڑھ کر عطا کریں
وہ مرے مزاج کی بات ہے یہ سخی کے در کا اصول ہے
ہمیں مانگنا تو خدا سے ہے مگر اس کرم پہ رہے نظر
جو شروع نام نبی سے ہو وہ دعا خدا کو قبول ہے
مہ و مہر میں ہے جو روشنی یہ ان ہی کے فیض کا ہے اثر
بر چرخ ہے جو یہ کہکشاں یہ انہی کے قدموں کی دھول ہے
یہ کرم ہے ان کا غلام پر یہ نوازشیں ہیں نواز پر
مری عاجزی کی زبان کا انہیں حرف حرف قبول ہے

شاہنواز مرزا نواز

○

کوئی بھی کام مسلسل نہیں ہونے پاتا ذکر سرکارؐ معطل نہیں ہونے پاتا
محفل کون و مکان میں ہے، ازل سے جاری تذکرہ ان کا مکمل نہیں ہونے پاتا
نام نامی کی حلاوت کہ اسیر فرقت عرصہ ہجر میں بیکل نہیں ہونے پاتا
جب درودوں کے جلو میں ہو دعا گرم سفر باب ایجاب مقفل نہیں ہونے پاتا
ظلمت شب تو بڑی بات ہے طیبہ میں کبھی سرمئی، رات کا آنچل نہیں ہونے پاتا
عشق سرکارؐ دوعالم کی حرارت کے بغیر آئینہ قلب کا صیقل نہیں ہونے پاتا

بزم کونین میں سرکارؐ نہ آتے تو رئیس
عقدہ دشوار کوئی حل نہیں ہونے پاتا

رئیس وارثی

ہر سمت روشنی ہے جو بالائے روشنی آنکھوں میں کیوں نہ آج سمٹ آئے روشنی
ہر دانۂ جمالِ شہ دو جہاں نہیں جو خود ہر اک سمت نہ پھیلائے روشنی
آنکھوں سے زندگی کے اجالے سمیٹ لوں یوں راہِ مصطفےٰ میں نظر آئے روشنی
لازم ہے فرطِ شوق سے صلِّ علیٰ کہے تاریکیوں میں جس کو نظر آئے روشنی
فکریؔ وہی ہے نقطۂ آغاز نور کا
جب روشنی کے سامنے آ جائے روشنی

مجید فکری

○

بخشتے ہیں دل کو طیبہ کے مناظر رنگ و نور ہیں گلستانِ محمد کے عناصر رنگ و نور
حاضری جب ہو تری اس شہرِ پُر تاثیر میں چشم و دل سے دیکھنا طیبہ کے زائر رنگ و نور
قصد کر شہرِ مدینہ کی طرف پرواز کر تیری آنکھوں میں اتر آئیں گے طائر رنگ و نور
نعتِ سرور میں جو برتے جائیں عجزِ خاص سے ایسے لفظوں سے یقیناً ہونگے ظاہر رنگ و نور
قصد جب نعتِ نبیؐ کہنے کا میں نے کر لیا
اپنے اندر یوں لگا مجھ کو ہیں طاہر رنگ و نور

طاہر سلطانی

○

زباں سے نکلا جو صلِّ علیٰ مواجہ پر چراغ بن گئے حرف و نوا مواجہ پر
درود پڑھتی ہوئی ساعتوں کے جھرمٹ میں سلام پڑھتا ہوا میں بھی تھا مواجہ پر
حضور حرفِ شفاعت کی بھیک دے دیجئے ہر ایک اشک میں تھی یہ صدا مواجہ پر
خدا کرے مجھے عمرِ دوام مل جائے خدا کرے ہو مرا خاتمہ مواجہ پر
صبیحؔ مجھ کو حضوری کی مل گئی معراج
طلب کروں تو کروں اور کیا مواجہ پر

صبیح رحمانی

اُن کا تمنائی

بلقیس شاہین

قارئین کرام کبھی آپ نے ایسی سڑک پر سفر کیا ہے جس کے ایک جانب بلند و بالا پہاڑ ہو اور اس پہاڑ پر ہزارہا درخت ہوں بلند ہرے بھرے دامن کوہ سرسبز کئے ہوئے بادلوں کی پناہ گاہ' ہواؤں کی خنکی کا منبع دیکھے ہیں؟ لیکن کبھی آپ نے غور کیا کہ ان سب یکساں قامت ہم رنگ درختوں میں سے کوئی ایک درخت ایسا بلند اور گھنیرا ابھر آتا ہے جو سارے پس منظر پہ چھا جاتا ہے سب درخت اس کے آگے چھوٹے لگنے لگتے ہیں اسی طرح کبھی آپ نے کسی گہری کھائی کی طرف نظر کی ہے جو بسا اوقات نظر کو خوف سے ہم کنار کر دیتی ہے اس کی تہہ میں بہتا دریا بھی تیز رو نالہ معلوم ہوتا ہے یا صرف پانی کی چمکتی لکیر لیکن کبھی اسی کھائی کے ٹیڑھے میڑھے کنارے پر ایک خوبصورت شگوفوں سے لدا درخت دیکھا ہے جو بالکل معمولی سی چٹان کے کنارے پر اپنی تمام تر رعنائی زرخیزی خوشبوؤں اور حسن کے ساتھ یوں پھیلا ہوا ہوتا ہے جیسے کھائی کی گہرائی سے پیدا ہونے والے خوف سے نظروں کو بچانا چاہتا ہو دل و ذہن اسی الجھن میں رہیں کہ بھلا یہاں یہ کیسے؟۔

میرے محترم قارئین کیا آپ نے چٹیل پہاڑوں کی سرزمین پر سفر کیا ہے جہاں راستے کے دونوں طرف بھورے رنگ کی اونچی نیچی پہاڑیاں ایک سلسلے کی شکل میں آپ کی ہم سفر ہوتی ہیں یہ بھورے رنگ کی چٹیل پہاڑی دنیا بھی اپنے رنگ میں سو رنگ رکھتی ہے اس کی صد رنگی کے ساتھ اس کی جسامت کی تبدیلی بھی نظروں کو تحیر کے ساتھ دبدبہ سے بھی روشناس کرتی جاتی ہے اور یوں ہوتا ہے کہ اچانک ایک بلند چوٹی نظر کے سامنے آتی ہے اور محسوس ہوتا ہے کہ سارا سلسلہ اس کی آغوش میں سمایا ہوا ہے پھر تو ہر موڑ پر وہی نگراں چوٹی اپنی جھلک ضرور دکھا دیتی ہے۔ حالانکہ ایسے راستے سے اس کا فاصلہ بڑھتا جاتا ہے دوسری چھوٹی موٹی بلندیاں اس کے دامن میں سمٹتی جاتی ہیں اور بظاہر ہر بلندی اپنا حجم اپنا مسکن رکھتی ہے لیکن اس بے نیاز نگراں چوٹی کی حد نظر میں ہی نظر آتی ہے۔ میں نے آپ کو خاصا جغرافیائی سفر کرا دیا لیکن مجھے اپنی بات آپ تک پہنچانے کے لئے یہ سب کچھ ضروری محسوس ہو رہا ہے ممکن ہے آپ کو اس سے اختلاف ہو۔ سو یہ آپ کا حق ہے۔ لیکن میں آپ کے ذہن کو قدرت کے اس "عطیہ" کی طرف متوجہ کرنا چاہتی ہوں۔ جو ان ہزارہا درختوں میں سے اس ایک درخت کو حاصل ہوا تھا جو پس منظر پر چھا

جاتا ہے۔ اس خوشبوؤں اور شگوفوں سے لدے چھوٹی سی چٹان پر پھیلے یہ اس درخت کو حاصل ہوا تھا جو خوف کو "حسن" سے بدل کر "قدرت" کی عظمت کی طرف متوجہ کر دیتا ہے۔ اس بلند و بانگ نگراں پہاڑ کی چوٹی کو حاصل ہوا تھا جو "رفعت عظمت گھمبیرتا" کا نمونہ بن کر فطرت کی تصویر میں رنگ بھر رہا تھا۔

وہی "عطیہ" وہی "قدسی نمو" انسانوں کے اس جنگل میں بھی کبھی کسی کو حاصل ہو جاتا ہے خواہ وہ کراچی کی پرانی بستی کے متوسط گھرانے کا فرد ہو۔ یا اپنی جوانی۔ میٹھادر کھارادر اور صرافہ کی تنگ گلیوں میں واقع چھوٹے سے کمرے کے ایک کونے میں گردن جھکائے "عبدیت" کی شمع جلائے بیٹھا ہو۔ اور کار جہاں سے نبرد آزما ہو۔ وہ نام و نمود سے بے گانہ شخص جو ہر روز صبح سے شام اور شام سے صبح اسی شہر میں کرتا ہوا رہتا ہو بستا ہو آتا جاتا چلتا پھرتا ہو۔ وہ اپنوں میں بھی بے گانہ اور اجنبیوں میں بھی اجنبی وہ سب کا غیر لیکن کسی کی محبت کی سنت کا یوں اسیر کہ سب کا اپنا...... وہ جس کو اس کی بلڈنگ کا چوکیدار بھی بس اتنا جانتا ہو کہ یہ "محرابوں کی طرف دوڑ دوڑ کر جانے والوں" کا غلام یہ "بابا" اچھا یہ تو اور ہی رہتا ہے "پوچھنے والے کو حیرت ہوتی ہے کہ اس کو آپ کا نام بھی نہیں معلوم... جواب عجز و سادگی سے تابندہ مسکراہٹ کے سوا کیا ہو سکتا تھا۔ اس کاری گری کی دنیا میں سب کتنے سہل پسند ہو گئے ہیں مال کی مالیت سے زیادہ اس کی قیمت اور تو اور لگا لیتے ہیں لوگ تو آواز کے بل بوتے پر ہی کیا کیا پانے کی خواہش کرتے اور پاتے رہتے ہیں اور اصل دولت ہنر کے مالک بے نیازانہ بسر کرتے ہیں۔ ان میں ایک دولت مند ہمارے بھائی مسرور کیفی ہیں جو کراچی کے پرانے باشندے ہیں اردو کو مہاجروں کی زبان کہنے والوں کے لئے "لمحۂ فکریہ" کہ پرانے کراچی میں جب عام مسلمانوں میں بھی "تعلیم" کار زیاں سمجھی جاتی تھی سندھ مدرسے سے میٹرک پاس نوجوان کا اردو سے لگاؤ "بطور فیشن" بھی تو نہیں سمجھا جا سکتا یوں لگتا ہے کہ یہ راستہ تو اس کے لئے مقرر کیا جا رہا تھا۔

ان بڑے شہروں کے باسی مثلاً "بمبئی کلکتہ، کراچی رنگون وغیرہ کے رہنے والے اکثر ویسے ہی کثیر اللسان افراد ہوتے تھے سندھی، بلوچی، میمنی، گجراتی، کاٹھیاواڑی اکثر پنجابی، پشتو بھی روانی سے بولتے اور کاروبار حیات میں ان زبانوں کو استعمال کرتے۔ لیکن عجیب بات ہے "دل کی بات" کے اظہار کے لئے اکثر نے "اردو" کو ہی اپنا وسیلہ بنایا لہٰذا اب اگر میں یہ کہوں کہ "اردو" تو ہر دل والے کی زبان ہے خواہ وہ کسی بھی جغرافیائی وحدت کا باشندہ کیوں نہ ہو! تو کیا غلط ہے؟؟ اور ویسے بھی بہ نظر غائر اگر جائزہ لیا جائے تو مسرور بھائی کے ارد گرد ایسے لوگوں کا مجمع بھی نظر نہیں آتا جو انہیں ادب و شاعری کی راہ پر ڈال رہا ہو۔ یہ شعلہ تو ان کے اندر روشن تھا۔ سیدھے سادے نیک والدین اعزہ اقربا... محنت کی زندگی گزارنے اور حق بندگی ادا کرنے والے لوگ۔ زندگی کی بہتی رو میں دھیمے بہنے والے صبح کو محنت سے شام اور شام کو محنت سے صبح کرنے والے "وہ کاسب" جو واقعی "حبیب اللہ" بننے کے راستے پر

گامزن تھے۔ اسی سفر حیات میں اس نو عمر میٹرک پاس "بے کار" لڑکے کے لئے روزگار کا مسئلہ سامنے آیا "بے کار" اس لئے کہ اس زمانے میں پڑھے لکھے تو صرف بابو بن کے رہ جاتے ہیں" بزرگوں میں یہ خیال عام تھا مزید یہ کہ "میاں جو چار کتابیں پڑھ لے وہ محنت مزدوری کا نہیں رہتا"۔ لہٰذا یہ میٹرک پاس لڑکا۔ اپنے ایک دوست کی عرضی پر صرافہ کی ایک دوکان میں کام پر لگ جاتا ہے کام بھی وہی لکھنے پڑھنے کا حساب کتاب انتظام انصرام.... اور پھر یوں ہوتا ہے کہ دوست کے واپس آنے کے بعد بھی مالک اس کو نہیں چھوڑتے کہ "یہ تو میرا بیٹا ہے"۔ کیا زمانے تھے چھ آنے سیر بکری کا گوشت۔ سستا آٹا۔ روپے سوا روپے میں کھانے سے لے کر پھل مٹھائی تک میں دسترخواں ایسا بچ جاتا تھا کہ آج سیکڑوں خرچ کر کے بھی وہ برکت دکھائی نہ دے۔

برسر روزگار ہوتے ہی ماں باپ کی نظر میں "سہرے" کی لڑیاں سر لگا کر پیروں میں بیڑیاں ڈال دینے کے درپے ہو جاتی ہیں سو مسرور بھائی کا بھی زندگی نے امتحان لیا پہلا ہی امتحان بڑا کڑا زندگی کا "تلخ دھوکے اور بدمزاجی" سے بھرپور گھونٹ بھی اس شخص نے مقدر کا عطیہ سمجھ کر شہد سمجھ کر پیا۔ لیکن تا بہ کے؟... زندگی کے اجالے دن روز روز کی نا اتفاقی سے گدلے ہوتے گئے۔ کچھ بڑوں نے بیچ میں پڑ کے زندگی کا راستہ آسان کرنے کی کوشش کی تو جواب ملا... اس کو اپنی لڑکی دیتا کون؟"... یہ جواب ماں باپ کے دل کے لئے جس قسم کا تازیانہ ہوگا وہ تو الگ رہا منہ بولی ماں جن کے پاس یہ کام کر رہے تھے ان کے پندار پر تو ضرب کاری تھی!... اللہ، بڑا، نیک، سعادت مند، پڑھا لکھا۔ خوش شکل ایمان دار اور ایسی صلاحیتوں والا جو غیروں کو اپنا کر لے اس کو یہ کہا جا رہا ہے۔ ماتا کا طعنہ اور پٹھانی رگ پھڑک اٹھی "اچھا تو اب بتاؤ اپنی لڑکی کو" اس کو کوئی لڑکی نہیں دے گا؟ تو اب شام سے پہلے تمہاری لڑکی سے کم عمر اور خوبصورت دلہن لا کر دکھاؤں گی!!!

ماں سمان موسی نے جو کہا کر دکھایا اس طرح شام سے پہلے ہی مسرور بھائی کے آنگن میں "روشنی" در آئی حق بہ حق دار رسید۔ اللہ اپنے' رستے پر چلنے والوں کو اسی طرح خیر کثیر سے نوازتا ہے۔ روشنی زندگی میں "منارۂ نور" کیسے بنتی ہے یہ تجربہ مسرور بھائی کی زندگی میں اس زمانے میں آیا۔ نوکری اپنی جگہ ذمہ داریاں اپنی جگہ ادب کا ذوق اور اس راہ میں کچھ نہ کچھ کرنے کی خواہش نے طبیعت کی معصومیت کے اظہار کے لئے بچوں کا رسالہ بھی نکال رکھا تھا اس کا کام بھی جاری تھا پھر بھی حالات کا بھاری پتھر اکثر راستے میں حائل ہو جاتا تھا سو یہ انسانی زندگی کی سب سے بڑی حقیقت ہے وقت کب ایک سا رہتا ہے۔ اسی طرح ایک وقت وہ آیا کہ صرف ایک وقت کی چائے سے روٹی شب کی غذا ٹھہری خود تو فکر نہ تھی لیکن گھر والوں کے لئے یہ معاملہ پسند نہیں آ رہا تھا لہٰذا بیوی سے کہا جا کر اپنے والد سے کچھ رقم لے آئیں تاکہ اس وقت کام چل جائے کل واپس کر دیں گے... ایک دفعہ کہا... جی اچھا.... پھر مصروفیت۔ دوسری

دفعہ کہا پھر ادھر ادھر کا کام اسی میں تھوڑا وقت اور گذر گیا۔ تیسری مرتبہ جھنجلا کر کہا کیا بات ہے؟.... جواب ملا.... یہ وقت تو گذر جائے گا لیکن ابا کے دل میں وہ بات نہیں رہے گی۔ آپ کے متعلق تردد ہو جائے گا کہ خرچ اٹھانے کے قابل بھی نہیں... اللہ بھوکا اٹھاتا ضرور ہے سلاتا نہیں.... اور یہی ہوا دکان گئے آئے تو ماشاء اللہ راہ کی مشکل دور ہو چکی تھی اللہ نے اپنی بندی کے یقین کو ان کی زندگی کا اصول بنا دیا.... وہ دن اور آج کا دن جب کے "صالح محمد" اب کل وقتی "مسرور" ہو گئے۔ یوں زندگی ماں باپ کی دعاؤں کی چھاؤں اور ساتھی کی راحت افزا سنگت میں اس کے کرم کا دریا بن گئی۔ شاعری تو خود ان کے اندر کی آواز تھی بچوں کی نظموں میں بھی تو تغزل کا وہ رنگ تھا کہ ان کے استاد نارش حیدری صاحب نے فرمائش کی کہ غزل کہو.... شاید استاد کا کہنا مانا ہو۔ لیکن میری نظر سے مسرور بھائی کی غزلیں نہیں گذریں۔ خود ان کے منہ سے بھی بچوں کی نظموں اور نعتوں کا ہی ذکر سنا ہے۔ لکھنے کا شوق جاری رہا۔ میں نے ایک دفعہ پوچھا تھا کہ نعت کیسے کہی... گردن جھکا کے بیٹھ گئے آنکھوں کی نمی اور انداز نشست سے سراپا "شکر" نظر آنے لگے۔ پھر توقف کے بعد بتایا کہ میرے والدین حج کو جا رہے تھے انہوں نے دریافت کیا کہ تمہارے لئے کیا مانگیں مجھے نعت کہنے والوں پر رشک آیا کرتا تھا.... بے ساختہ بس یہی کہا کہ بس یہ ہی دعا مانگئے گا کہ نعت کہنے لگوں... وہ لوگ تو ادھر روانہ ہوئے اور ادھر دل کے تقاضے کا جواب آگیا۔

اپنی رحمت کا سارا دیجئے
ریت کی دیوار ہوں خیرالبشرؐ

واپسی پر نعت کا یہ پہلا شعر عطا ہوا.... اور پھر.... اور پھر.... مسلسل مسلسل ابر کرم برسا گیا۔ برس رہا ہے اور انشاء اللہ برستا رہے گا حج سے واپسی پر ان کے جو عزیز ساتھ گئے تھے انہوں نے بتایا کہ تمہارے والدین نے ہر جگہ تمہارے لئے یہ دعا کی اور ہم سے بھی مسرور بھائی نے یہی بتایا کہ سننے والے نے تو مقامات قبولیت تک پہنچنے کا انتظار بھی نہ کیا اور آہ طلب نے ایک جست میں فاصلے طے کر لئے.... اور اس کا در کرم وا ہو گیا۔.... پھر تو مسرور بھائی کے لب خاموش بھی اظہار درود کا اشاریہ بن گئے اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے سوتے جاگتے ماشاء اللہ نوازے جانے لگے ادھر کی کرم نوازیاں تو بھائی ہمارے خود جانیں ہم تو بس اتنا جانتے ہیں کہ پہلی کتاب کے لئے جو تمنا کی تھی کہ خود جا کر "نذر" کروں سو اللہ نے اس ادا کو بھی یوں نوازا کہ ان کی "وضع" بنا دیا اب بھائی مسرور کیفی کتاب کی تکمیل تک تو ہجر برداشت کرتے ہیں۔ جیسے ہی کتاب ہاتھ میں آجاتی ہے اپنی "وضع داری" نباھنے ان قدموں میں پہنچ جاتے ہیں۔ لیجیے ایک بات اور سامنے آگئی۔ یہ وضع داری نباھنے کی روایت بھی ان کے لئے ادھر کا ہی عطیہ ہے اور ایک طرح سے تھوڑی... اور وہ بھی اس دور میں.... جب قرب قیامت کی تمام نشانیاں چشم دید ہوتی جاتی ہیں کہ "ایک کنواں چھوڑ کر پانی دوسرے کنویں جاتا ہے۔ حق ان کے پاس ہے جو حق دار نہیں

عزت، علم، اخلاق کے معنی بدل گئے اب پیسہ۔ خوشامد جھوٹ اور بناوٹ نے سب میدان ہتھیا لئے۔ محافظ راہ زن اور منصف بے دست وپا ہر اعلیٰ قدر چیتھڑوں میں لپٹی جزام زدہ فقیرنی کی طرح ہو گئی ہے جس سے ہر کوئی بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ جی ہاں اسی دور میں مسرور بھائی اپنی اخلاقی ذمہ داری، بڑے وضع داری، سے نبھاتے ہیں ان کی دوستی کے دائرے بڑی دور دور تک ہیں پشاور، اسلام آباد، پنڈی، لاہور، ملتان، حیدر آباد اب کن کن ملکوں اور شہروں کے نام لکھوں جبکہ کراچی کے کراچی میں لوگوں کا یہ حال دیکھا ہے کہ دنوں ہفتوں کی بات کیا مہینوں بلکہ اب تو بقول بچوں کے سال بھی چھوٹا ہو گیا ہے ابھی شروع ہوا تھا ابھی ختم۔۔ لوگ باگ اپنے عزیزوں سے تو کیا والدین سے نہیں مل پاتے۔ آپ مبالغہ نہ سمجھیں یہ قیامت ہی ہے۔ لیکن ہے درست۔ افسانے ہیں افسانے۔ درد سے لبریز۔ افسانے... ان بزرگوں کے جن کی جوانیاں بچوں کو پالنے میں ان کو کسی قابل بنانے میں گذر گئیں اب جب آنکھوں کا نور کم بدن میں طاقت گھٹنے لگی تو نتیجتہ" اولاد آنکھوں سے دور گھروں کی جگہ محل موجود مگر آباد اس میں چوکیدار کا خاندان!!!..... کیا یہی ہے مال زندگی؟؟۔

لیجیے میں زندگی کا حق ادا کرنے والے کا ذکر کرتے کرتے کہاں پہنچ گئی ہاں تو بات ہو رہی تھی کہ مسرور بھائی اپنی دوستیاں خوب نبھاتے ہیں دوسروں کا تو میں نہیں کہہ سکتی وہ خود گواہیاں دیں میں تو ایک بات جانتی ہوں بڑوں نے ہمیشہ ایک سبق دیا کہ اپنے پہ رکھ کے سوچو دوسروں کے متعلق فیصلہ کرنے میں آسانی ہو گی میں یہ ہی کوشش کرتی ہوں۔ مسرور بھائی میرے گھر میں کشفی سے لے کر میاں احمد عمرؔ عاکف تک کے دوست ہیں اور میرے مسرور بھائی اور باقی سب گھر والوں کے مسرور انکل (بڑی کوشش کی کہ یہ قوم اس "انکل" "آنٹی" کے چکر سے نکل آئے لیکن ناکام رہے بلکہ خرابی یہ ہوئی اس کوشش میں سارے انکل اپنی اپنی بیویوں کے حوالے سے آنٹی بن گئے مثلاً" بچوں کو اگر ریاض صاحب، طارق صاحب، حمید صاحب، یا رفیع صاحب وغیرہ کی بیگمات کا ذکر کرنا ہوتا تو بلا تکلف ریاض آنٹی، طارق آنٹی، حمید آنٹی، قدیر آنٹی، رفیع آنٹی کا نام سے لیا جاتا لیجیے اللہ اللہ خیر صلا)

تو جناب چاروں بیٹوں اور ماشاء اللہ پانچویں بہو اور اب مصطفیٰ اور عائشہ بی بی بھی مسرور انکل کی آمد کی منتظر رہتی ہیں سب کو اپنے بھولے کام یاد آتے ہیں تو مسرور انکل کے ساتھ یاد آتے ہیں کہ صرف وہ ہی یہ کر سکتے ہیں باقی سب تو اب پتہ نہیں ان سب بچوں کی عادت مسرور بھائی نے خراب کی ہے۔! میں نے..... کیونکہ ابتدا شاید میں نے ہی کی تھی..... یہ اعتراف میں "تحدیث نعمت کے طور پر کرنا چاہتی ہوں۔ مجھے نہیں معلوم قارئین ان سطور کو کس رنگ میں لیں میری دعا ہے کہ بین السطور تک ذہن نظر پہنچ جائیں۔ بات یہ ہے کہ ایک مثل تھی جی ہاں تھی!۔.. کہ جیسے تھے گھر کے ویسے ہی آئے ڈولی چڑھ کے..... یہ بات ہم دونوں میاں بیوی پر ۱۰۰٪ فیصد صادق آتی تھی۔ کتابوں سے عشق تدریس رومانس۔

اچھا کھانا مل جائے اللہ کا شکر بڑا ہو تو کم کھایا۔ برا نہ کہا۔ صفائی ٹھیک ٹھاک کہ ایمان کا جز سجاوٹ بناوٹ کا شوق نا رہا۔ میاں کی دعا ہی یہ رہی کہ "جدنے جو دعا مانگی تھی اگر وہ قبول ہو گئی تو زیادہ مانگ کر کیوں شرمندہ ہوں؟۔ (آل رسول کو ضرورت کے مطابق ملتا ہے)۔ کرم اس کا کہ کوئی کام رکتا نہیں۔ تمہید یہ اس بات کی ہے آپ کو اس ابتدا تک لے چلیں جہاں ہم نے سرور بھائی کو اور سرور بھائی کو ہم نے مزید خراب کیا ہوا یہ کہ عاکف میاں کی شادی کی تاریخ ٹھہر گئی دلہن کے کپڑے وغیرہ تیار کر لئے بری سیدھی سادی تیار ہوئی کہ دولہا اور دولہا کے ابا شرعی شادی کے قائل "رسومات" کے مخالف مسئلہ رہ گیا زیور کی خریداری کا۔ بیٹا تو ان کاموں کو جھنجھٹ کہہ کر اپنی پوسٹنگ پر روانہ ہو گیا ابا اماں خریداری اور بازار جانے کے چور صرف کتابوں کی خریداری کی صلاحیت اللہ میاں نے کوٹ کوٹ کر بھر دی باقی کام کے لئے اللہ سے رجوع کیا اور اللہ میاں نے واقعی اپنے بندوں کو تنہا نہ چھوڑا سب سے بڑے مسئلے کے حل کے لئے لفظ "صرافہ" نے بجلی کے کوندے کا کام کیا اور انہوں نے سرور بھائی کو ٹیلی فون کیا سرور بھائی نے "ہمارے اتنے بڑے مسئلے کو ایک جملے میں حل کر دیا کہ کل شام آپ لوگ یہاں آجایئے آپ کے ساتھ چلا چلوں گا۔۔۔ اور واقعی دوسرے دن میں یہ اور میرا چھوٹا بھائی سرور بھائی کے "اس صرافہ بازار میں جا پہنچے۔ ان گلیوں تک میرے قدموں کی وہ پہلی اور آخری رسائی تھی۔ سرور بھائی اپنی دوکان سے اٹھ کر ہمارے ساتھ گئے اور جا کر دوکاندار سے کہا کہ یہ بھائی اور بھاوج ہیں ان کی پسند کی چیزیں دکھا دو۔ اور پھر ہم کو خریداری کرا کے اطمینان سے واپس بھیج دیا۔ وہ دن اور آج کا دن ہمارا وہ سب سے بڑا مسئلہ "اب بھی ان کے گلے کا ہار بنا رہتا ہے "بس اس میں وقتاً" فوقتاً" اتنا فرق پڑ تا گیا کہ میں نے چیزیں پسند کرنی چھوڑ دیں کیونکہ میرے لئے ویسے بھی وہ کام مشکل تھا بچوں نے اپنی پسند خودنتائی شروع کر دی کیونکہ ان کے سرور انکل ان کی بات ہم سے زیادہ جانتے اور مانتے لیکن الحمدللہ ایک بات پر ہمارے بچوں کا ایمان پختہ ہوتا چلا گیا کہ جس کام میں اللہ کے "صالح" بندے کا ہاتھ لگ جائے اس میں برکت ہی برکت ہے اس میں حسن ہی حسن ہے اس میں خیر ہی خیر ہے۔ اللہ۔ ان کی اس برکت کا دائرہ بڑھاتا رہے اگلے بچے خدا کرے ان کے روحانی اور مادی نور سے اکتساب کر سکیں اور ان کو خوشیاں اور سکون دیں سکیں جس کے وہ حق دار ہیں لیکن پروفیسر کی شکایت یاد آگئی کہ سرور بھائی کہنا نہیں مانتے چاہے جتنا سانس خراب ہو In hiper استعمال نہیں کریں گے اب تو اپنے آپ کو اور کمزور کر لیا ہے۔ ویسے چپکے سے ایک بات اور بتاؤں!۔۔۔ ویسے تو سرور بھائی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ اور شخصیت کے گرد جمال کا ہالہ ہے لیکن ان کی آنکھوں کے گرد سے کبھی لمحہ بھر کو وہ پردہ دکھ کے جھونکے سے اڑ جاتا جو ان کی ذات میں رچے "جلال" کی جھلک دکھا جاتا ہے۔ وہ جلال جس کا وار صرف خود انکی اپنی ذات پر ہوتا ہے اللہ میاں سے دعا ہے کہ وہ اپنے محبوب کے درود کی ٹھنڈی پھوار ان پر ہمیشہ برساتا رہے اور ان کا جمال رنگ نگاہوں کو یوں ہی خیرہ

کیے جائے ان کے لفظوں کی خوشبوؤں کا سفرِ طیبہ جاری رہے وہ اس راہ کے مسافر ہیں یونہی آتے جاتے رہیں۔ راہِ طیبہ کا یہ مسافر، کہکشاں ساز مسافر سرور کیفی میرے لیے امتحان ہی تو ہے مجھ سے اس شخص کا خاکہ لکھنے کی فرمائش کی جا رہی ہے جس کی جانب جب بھی تلاش کی شعاع روانہ کی تو اس نے آئینہ کی طرح لوٹا دی اور نہ صرف وہ متلاشی شعاع لوٹائی بلکہ سامنے وہ روشنی کر دی کہ آنکھیں چکا چوند بھی ہوتی رہیں اور نم بھی۔ بھلا یہ بھی کوئی بات ہوئی دیکھا کہ یہ شخص شاعر ہے اور جواب ملتا ہے۔

حق تو یہ ہے کہ حق نہ ادا ہو سکا کبھی　　کہنے کو ہم نے نعت کہی بارہا کہی

اچھا ذرا فن تو دیکھیں.... کرن پھر پلٹ پڑی۔

یہ تو عطائے رب ہے یارو　　میں نے کون سا شعر کہا ہے

اور کیفیت یوں بیاں ہوئی۔

جس وقت جہاں دل نے کہا نعت کہی ہے　　ایسا بھی نہیں اس میں مرا کوئی ہنر ہو

اللہ اکبر....

یہ عجز..... لیجئے وہ جھکی گردن اور جھک گئی.... ہمیں بتایا جا رہا ہے۔

عجز والے نے خود نمائی کے　　سارے اصنام توڑ ڈالے ہیں

اور وہ جھکی گردن خود کہہ رہی ہے۔

عجز اور انکسار مل جائے　　آپؐ کا ہر شعار مل جائے
میں نہیں چاہتا کبھی مجھ سے　　دل کسی کا ملول ہو جائے
سادگی صبر اور سچائی　　کاش اپنا اصول ہو جائے
میں خطاکار ہوں مرے آقاؐ　　بخش دیجئے جو بھول ہو جائے

روک سکیں تو روک لیں ہچکیوں کے ساز پہ بہہ کر آنے والی اس عظیم روشنی کو۔ ہاں یہ شخص ٹھیک کہتا ہے کہ۔

وہ ہے سرور صاحبِ عظمت　　عجز جس کا شعار ہوتا ہے

تو جناب.... اس سرور کی مسرت کا راز جاننے کی کوشش کرنا آسان کام تو نہیں، کیونکہ رنگوں کی پتیاں قوس قزح کے رنگوں کی طرح اپنی حدوں میں اسیر بھی ہیں اور کائنات انسان کے افق پہ بکھری ہوئی بھی... ایک رنگ یہ۔

ادھر نام انؐ کا لیا اور ادھر　　ہوئے ختم رنج و الم دیکھئے

اور رنج و الم کی دوری کے باوجود دل گھبرائے تو دوا حاضر۔

جو گھبرائے دل تو دوا کیجئے   طواف در مصطفےٰ کیجئے

پھر کہنے والا خود کہہ اٹھے۔

ایسی تو مسرور نہیں تھی   جیسی دل کو راحت اب ہے

کیوں کہ۔

جسے عشق احمدؐ عطا ہو گیا   وہ رتبے میں اپنے سوا ہو گیا

اور اس عاشق کا ماحول پھر یہ ہو جاتا ہے کہ۔

نور کے دریا رواں ہیں چار سو   ہم یہ کیسی سر زمیں پر آ گئے

اور وہاں اس کی پکار۔

بشر اور خیرالبشر اللہ اللہ   اندھیرے میں نور سحر اللہ اللہ
تمنا ہے کوئی نہ دل میں طلب ہے   یہ قدموں کا ان کے اثر اللہ اللہ

لیکن اس پکار کے ایوان میں وہ عاجز تنہا... نہیں کیونکہ۔

ہو تصور میں جمال مصطفےٰ   پھر کوئی تنہائی میں تنہا نہیں

اس لئے کہ۔

میرے دل میں رہتی ہے یاد محمدؐ   میرے دل کی وادی کشادہ رہے گی
کہاں سے کہاں تک رسائی ہے میری   ابد تک تعجب میں دنیا رہے گی

یہ تو "بہ اور سیدی" والا سفر ہے۔ جس میں مسافر کہتا ہے۔

جس کو شعاع عشق محمدؐ عطا ہوئی   مسرور اس کا راستہ آسان ہو گیا

جو منہ سے کہتا ہے۔

مجھ کو حاجت ہی نہیں جز آپؐ کے   میرا کوئی چارہ گر ہو یا نبیؐ

اور جس کو یقین ہے کہ۔

تڑپے تو سہی ان کی طلب میں کوئی   آتا نہیں پھر کیسے بلاوا دیکھوں؟

جو یہ جانتا ہے کہ اگر ابھرنے کا شوق ہے تو۔

کس طرح ابھرتا ہے جہاں میں انساں   سرکارؐ کے قدموں میں بکھر کر دیکھ

جو شوق کی اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ۔

شوق اس کا ہے ذکر کے قابل   شوق جس کا جنوں میں ڈھلتا ہے

اور جس کے دل کا ورد یہ ہے کہ۔

سوچتا ہوں نام لیوا آپؐ کا   بھائی سے کیوں بھائی محو جنگ ہے

عقل انساں صرف کل تک تو نہ تھی عقل انساں آج بھی تو دنگ ہے

اور اسی سوچ میں۔

آواز سی آواز نہ آہنگ سا آہنگ خاموشی لب، شوخی گفتار تو دیکھو

سوچ سوز میں ڈھلتی ہے اور یوں۔

دعا کے لئے لفظ کیا ڈھونڈتے ہم اشکوں میں ڈھل کر دعا بن گئے

اور دعا۔

اخوت کا یوں بول بالا کریں دیے سے دیا ہم جلایا کریں
اسی میں ہے خوشنودی مصطفےٰؐ برے کام سے ہم کنارا کریں
رسول خدا کا یہ ارشاد ہے کبھی طیش میں ہم نہ آیا کریں
دلوں میں ہمارے ہو بغض و حسد محمدؐ یہ کیوں کر گوارا کریں
خود اپنے ہی عیبوں پہ رکھیں نظر کسی دوسرے میں نہ ڈھونڈا کریں

یہ خواہش ہی جس کا مسلک ہو وہ یہ نہ کہے تو کیا کہے۔

جو مسرور ہے دل میں عشق نبیؐ تو گرتے ہوؤں کو اٹھایا کریں

اور جو یہ جانتا ہو کہ۔

جھوم جاتے ہیں مسرت سے شہ کون و مکان جب بھی مظلوم کو سینے سے لگائے کوئی
یہ بھی مسرور عبادت سے نہیں ہے کچھ کم راہ بھٹکے ہوئے انساں کو دکھائے کوئی

پھر اس کا یہ یقین جھوٹا کیسے ہو سکتا ہے کہ۔

وہؐ اپنوں کو بھلا کیوں کر بھلا دیں گے جو غیروں کے ہمیشہ کام آتے ہیں

پھر وہ اپنے تصور کا شکریہ ادا نہ کرے تو کیا کرے کہ۔

اے تصور میں ترا ممنون ہوں تو مدینے پھر مجھے پہنچا گیا

کہ مسافر کی منزل تو یہی ہے۔ رہ مدینہ کے مسافر کا خاکہ اور میں؟

یہ سوالیہ نشان بڑا ہوتا جا رہا ہے بھلا دیکھئے سوچئے یہ ممتحن بھی کیسے ستم ظریف ہیں کیسا ٹیڑھا سوال دیتے ہیں ایک تو روشنی کی چکا چوند' دوسرے عجز اور جھکی گردن کا گہرا پردہ' تیسرے روایت' شرافت' پاسداری کی حدیں' پھر محبت اور گریہ کی جگمگاہٹ اور جھلملاہٹ اور پھر قارئین! جس کی نظر اس منزل پر ہو کہ۔

تم کو مسرور کچھ پتہ بھی ہے وہؐ جو بین السطور دیکھیں گے

میں جھوٹ تو نہیں کہہ رہی..... ہر نظر لوٹ رہی ہے' ہے کوئی... "انؐ کے عاشق سا"۔ ارے اے ممتحن اب تم ہی بتلاؤ۔ کہ ہم بتلائیں کیا.... اچھا تھم جاؤ ذرا آنسو پونچھ لیں۔

خزینۂ حمد

شفیق الدین شارق

سب تعریفیں اس اللہ واحد ولا شریک کے لیے ہیں جس نے یہ خوب صورت کائنات تخلیق کی اور اس میں لاتعداد متحرک اور ثابت اجسام' حیوانات' اور جمادات بنائے۔ عناصر اربعہ سے زندگی مرتب کی۔ بقا و فنا کا نظام رائج کیا۔ انسان کو کرۂ ارض پر اپنا خلیفہ مقرر کیا۔ حمد باری تعالیٰ کے بعد بے شمار صلوٰۃ وسلام ہوں اس کے بندے اور آخری نبی و رسول حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جنہوں نے ایک لاکھ سے اوپر انبیاؑ کی بعثت کے باوجود بھٹکے ہوئے انسانوں کو راہ ہدایت دکھائی اور اس مقصد کے لیے قرآن جیسی بے مثال کتاب ان پر الہام ہوئی کہ اب وہی پورے عالم انسانیت کے لیے حیات و ممات کے باب میں حرف آخر ہے۔

یہ کتاب یعنی قرآن مجید و فرقان حمید نہ صرف انسانیت کو صراط مستقیم پر چلانے کے لیے اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہے بلکہ اللہ کے محبوب اور خاتم الرسل کی ذات بابرکات کے تفصیلی تعارف کے ساتھ خود اس کی اپنی ذات والا صفات کی ایک اجمالی لیکن جامع حمد وثنا ہے۔ انسانی فہم وادراک اس سے زیادہ اللہ تعالیٰ اور اس کی قدرت کاملہ کو اپنے محدود دائرہ میں نہیں لا سکتی۔ لیکن غور کیجیے تو اتنا بھی انسان کے لیے بہت ہے کہ وہ اس کا ذکر کرے' اس کا شکر ادا کرے اور حسن عبادت کا حق ادا کرنے کی کوشش کرے۔ قرآن کی تلاوت کے ساتھ ساتھ اپنی زبان میں بھی اس کے ذکر سے اپنی زبان تر رکھے اور فلاح پائے۔

برصغیر کے برطانوی تسلط سے آزادی حاصل کرنے کے بعد سے پاکستان میں نعتیہ مجموعے کثرت سے شائع ہوئے ہیں۔ انفرادی شعراء کے مجموعے اور منتخب نعتوں کے مجموعے تاحال تین سو سے کم نہ ہوں گے۔ اب توجہ اس طرف بھی مبذول ہوئی ہے کہ نعت رسولؐ کو ادب کا حصہ بنا دیا جائے۔ لہٰذا ادبی و شعری محاسن کا بطور خاص خیال رکھا جا رہا ہے کہ عقیدت وارادت میں بھی کمی نہ آنے پائے اور فنی و فکری معیار بھی اپنی بلندی پر ہو۔ ایسی مثالیں بھی اب خاصی تعداد میں مشکل ہو چکی ہیں جس میں یہ دونوں پہلو مناسب توازن کے ساتھ موجود ہیں۔ الحمدللہ یہ سلسلہ جاری وساری ہے کتابوں کی صورت میں بھی اور جرائد کی صورت میں بھی۔ تخلیقی اور تحقیقی دونوں سطحوں پر یہ کام ہو رہا ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے بارے میں اتنی پیش رفت ابھی نہیں ہوئی۔ اس کی کئی وجوہ ہو سکتی ہیں۔ انفرادی اور منتخب حمدوں کے مجموعے تاحال بیس سے زیادہ نہ ہوں گے بلکہ کم ہی ہوں گے۔ اب

ہمارے شعراء نے اس طرف توجہ کی ہے جو بے حد خوش آئند ہے۔ شائع شدہ مجموعوں کے علاوہ چند انفرادی اور منتخب مجموعے بھی زیر تخلیق زیر ترتیب یا زیر اشاعت ہیں۔

حال ہی میں ایک منتخب حمدوں کا مجموعہ شائع ہوا ہے۔ اس کے مرتب جناب طاہر سلطانی ہیں اور اس کے ناشر ہیں ادارۂ چمنستان حمد و نعت ٹرسٹ ۲۶ ر ۳۸ - بی ون ایریا۔ لیاقت آباد - کراچی - طاہر سلطانی خود بھی نعت گو ہیں۔ ان کی نعتوں کا ایک مجموعہ "مدینے کی مہک" کے نام سے شائع ہو چکا ہے اور دوسرا مجموعۂ نعت "نعت میری زندگی" کے نام سے شائع ہونے والا ہے۔ ان دو نعتیہ مجموعوں کے درمیان انہوں نے "خزینۂ حمد" کے نام سے منتخب حمدوں کا ایک مجموعہ مرتب کر کے شائع کیا ہے۔ شفیق بریلوی مرحوم کی "ارمغان نعت" نے انہیں اس جانب راغب کیا۔ اس کی ترتیب میں ایک سو ستّر کتابوں سے استفادہ کیا گیا۔ متعدد اصحاب علم و فضل کے عملی مشورے اور تعاون شامل حال رہے۔ کئی بزرگوں کی دعائیں حاصل ہوئیں۔ نامور اور قابل ذکر ادباء، شعراء، دانشور اور علماء نے حوصلہ افزائی کی۔ کئی شعراء نے اس مجموعے کے لیے تازہ حمدیں کہیں۔ سبھی نے اس کاوش کو داد و تحسین سے سراہا۔ ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی نے اس کتاب کو ایک جامع اور نمائندہ حمدیہ انتخاب قرار دیا ہے۔ حکیم محمد سعید لکھتے ہیں۔ "جناب طاہر سلطانی نے چودہ سو سالہ حمدیہ کلام کا انتخاب بعنوان "خزینۂ حمد" پیش کر کے قابل تحسین سعادت حاصل کی ہے۔" مولانا محمد ولی رازی نے لکھا۔ "حمدوں کا اتنا معیاری اور خوبصورت انتخاب اس سے پہلے میری نظر سے نہیں گزرا۔" مفتی ظفر علی نعمانی رقم طراز ہیں۔ "نام چھوٹا کام بڑے بڑے۔" انہوں نے اس کتاب کو دنیائے ادب میں ایک بے مثال حمدیہ انتخاب کہا ہے۔ ڈاکٹر شان الحق حقی نے اس کو "بلاشبہ ایک یادگار تالیف" قرار دی ہے۔

"خزینۂ حمد" طاہر سلطانی کی تصنیف بے شک نہیں ہے لیکن ایک نہایت اعلیٰ درجہ کی تالیف ہے۔ اس تالیف میں تحقیق کا بڑا حصہ ہے جو نہ صرف محنت طلب تھا بلکہ ژرف نگاہی کا متقاضی بھی تھا۔ ابتدا میں مؤلف کا منصوبہ شرکائے بدر کی تعداد کے مطابق ۳۱۳ حمدیں مرتب کرنے کا تھا۔ لیکن جب کام شروع کیا گیا تو پھیلتا ہی چلا گیا۔ وہ چاہتے تو ۳۱۳ حمدوں کا انتخاب بھی کر سکتے تھے لیکن یہ حد قائم نہ رہ سکی۔ کیسے رہ سکتی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

"تو کہہ اگر دریا سیاہی ہو کہ لکھے میرے رب کی باتیں بے شک دریا خرچ ہو چکے ابھی پوری نہ ہوں میرے رب کی باتیں اور اگرچہ دوسرا بھی لائیں اس کی مدد کو۔"

(الکہف : ۱۰۹)

مزید ارشاد ہوتا ہے۔ "اللہ کا ہے جو کچھ ہے آسمان اور زمین ہے۔ بے شک اللہ ہی ہے بے پروا سب خوبیوں والا۔ اور اگر جتنے درخت ہیں زمین میں قلم ہوں اور سمندر رہوں اس کی سیاہی اس کے پیچھے

ہوں سات سمندر۔ نہ تمام ہوں باتیں اللہ کی۔ بے شک اللہ زبردست حکمتوں والا ہے۔"

(لقمان : ۲۶-۲۷)

قرآن حکیم میں بے شمار آیات کریمہ میں حمد الٰہی بیان کی گئی ہے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ قرآن پورے کا پورا حمد الٰہی ہے۔ "خزینۂ حمد" کا آغاز بھی چند آیات کریمہ سے ہوتا ہے۔ اسکے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے چند ارشادات عالیہ حمد کے سلسلے میں ہیں۔ اس کے بعد خلفائے راشدین سیدنا ابوبکرؓ سیدنا عمر فاروقؓ سیدنا عثمان غنیؓ اور سیدنا علی المرتضیٰؓ کی کہی ہوئی حمدیں ہیں۔ ایک حمد سید الشہداء حضرت امیر حمزہؓ کی ہے۔ ہر عربی متن کے ساتھ اردو ترجمہ بھی ہے۔ ۳۱ حمدیں فارسی میں مع اردو ترجمہ کے نامور بزرگان دین اور دیگر مشاہیر کی لکھی ہوئی ہیں۔ قومی زبان اردو کے ۳۴۰ شعراء کی حمدیں اس کتاب میں شامل کی گئی ہیں۔

عربی، فارسی اور اردو کے علاوہ پاکستان کی علاقائی زبانوں کی حمدیں بھی اس مجموعے میں شامل ہیں۔ پنجابی کی چھ، سندھی کی چار، پشتو کی تین، بلوچی کی چار، سرائیکی کی تین، گجراتی کی پانچ مع اردو ترجمہ کے ہیں۔ آخر میں انگریزی زبان میں بھی تین حمدیں مع ترجمہ کے شامل ہیں۔ دس زبانوں میں لکھی گئی حمدیں کتاب کے ۵۱۲ صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں جبکہ کتاب کی کل ضخامت ۵۸۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ اتنی حمدوں کا یہ پہلا مجموعہ ہے اور اس کے باوجود یہ مکمل نہیں کہا جا سکتا۔ اگرچہ یہ مجموعہ بھی طاہر سلطانی کا کار عظیم ہے لیکن چونکہ بہت سے شعراء کی حمدیں بوجوہ اس میں شامل نہ ہو سکیں اس لیے وہ اس کی دوسری جلد بھی مرتب کر رہے ہیں۔ یہ ان کی ہمت اور حوصلے کی بات ہے جو توفیق ایزدی ہے۔ اتنا بڑا کام کسی فرد واحد کے بس کا نہ تھا۔ حسن اتفاق بلکہ مرتب کی خوش نصیبی کہ انھیں اس سلسلے میں کئی اہم علم و فضل حضرات کا تعاون حاصل ہو گیا۔ اس کا ذکر انھوں نے اپنے مضمون "خزینۂ حمد کا سفر" میں تفصیل سے کیا ہے۔ انشاء اللہ یہ تمام اصحاب عنداللہ ماجور ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کا اسم ذات اللہ ہے۔ یہی اسم اعظم ہے۔ خزینۂ حمد میں کئی حمدیں ایسی ہیں جن میں اللہ کا لفظ بطور ردیف کے آیا ہے۔ مفرد بھی، مرکب بھی اور تکرار کے ساتھ بھی اللہ ھو اور جلّ جلالہ، کی ردیفیں بھی آئی ہیں۔ کلمۂ طیبہ کا پہلا حصہ لاالٰہ الاّ اللہ کی ردیف بھی ایک سے زیادہ حمدوں میں استعمال ہوئی ہے۔ علامہ اقبالؒ کی ایک حمدیہ نظم اس ردیف کے ساتھ مشہور ہے لیکن وہ اس مجموعہ میں شامل نہیں ہے۔ اس کی بجائے ایک دعائیہ نظم شامل ہے۔ وہ نظم دوسری جلد میں شامل کی جا سکتی ہے۔

اس مجموعہ کی بیشتر حمدیں غزل یا قصیدے کی ہیئت میں ہیں لیکن کئی حمدیں نظموں کی صورت میں بھی ہیں۔ ان میں پابند نظمیں بھی ہیں اور آزاد نظمیں بھی ہیں لیکن چونکہ مشمولات کے ترتیب اصناف سخن کے لحاظ سے نہیں ہے اس لیے وہ اسی ترتیب کے ساتھ ہیں جو شعراء کے تخلص کے پہلے حروف تہجی کے

لحاظ سے ہے۔

"خزینۂ حمد" کی اس پہلی جلد میں کل ۴۰۴ حمدیں ہیں۔ ان تمام حمدوں کو یکجا کرنے کے بارے میں پروفیسر آفاق صدیقی لکھتے ہیں۔ "اس کی ترتیب و تزئین کے لیے طاہر سلطانی نے کتنا خون جگر صرف کیا' کہاں کہاں گئے اور کس کس سے رجوع کیا یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ میں ان کے جذبۂ صادق اور ہمت مردانہ کا تہہ دل سے قدر دان ہوں۔ یہ بچی لگن رکھنے والے خدائی رضاکار ہیں۔" اس اجمال کی تفصیل مرتب نے اپنے مضمون میں بیان کی ہے۔ اس کاوش کی کامیابی کا راز ان کی اس حمد میں مضمر ہے۔

جن پر بھی سایۂ کرم ذوالجلال ہے تابندہ ان کا چہرۂ ماضی و حال ہے
نور خدا کا عکس حبیبؐ خدا کا نور حجت ہے اس میں اور نہ رہ قیل و قال ہے
رکھو سفر میں دین کے دنیا بھی ساتھ ساتھ ہر کام میں پسند اسے اعتدال ہے
پلکوں پہ رکھ کے اشک ندامت خدا سے مانگ پورا کوئی سوال نہ ہو کیا مجال ہے
طاہر یہ راز مجھ پر ازل سے ہے منکشف غافل خدا کی ذات سے ہونا محال ہے

ان چار سو چار حمدوں کے مضامین کا دائرہ زمین سے آسمان تک پہنچتا ہے اور ارض و سما کے درمیان چہار اطراف میں پھیلا ہوا ہے۔ ان میں قرآنی مفاہیم کو بھی اپنایا گیا ہے اور حدیثوں کے مضامین کو بھی منظوم کیا گیا ہے۔ ان میں عبودیت کا عجز بھی ہے اور سجدوں کی کیفیت بھی۔ ان میں انسانی عقل کی نارسائی کا اعتراف بھی ہے اور دل و نگاہ پر رنگا رنگ جلووں کا انکشاف بھی۔ جلال کبریائی اور قدرت خدائی کے مظاہر بھی ہیں اور جمال فطرت کے ساتھ کمال رحمت کے مناظر بھی۔ وحدت الوجود کا امتیاز بھی دکھائی دیتا ہے اور وحدت الشہود کا ارتکاز بھی۔ غور و فکر کی میزان میں اسرار خودی بھی تلتے جاتے ہیں اور کیفیات بندگی سے سرشار رموز بیخودی بھی کھلتے جاتے ہیں۔ کہیں فرزانگی علم و حکمت اور دانائی کا درس دے رہی ہے تو باخدا دیوانگی جذب و مستی کے عالم میں جھوم رہی ہے۔ کہیں الفاظ کا حسن اپنی بہار پر ہے تو کہیں معانی کے گلہائے تازہ فردوس دل و نگاہ بنے ہوئے ہیں۔ کہیں جہل کی بے خبری دور ہو رہی ہے تو کہیں آگہی جلوۂ شعلۂ طور ہو رہی ہے۔ کہیں روح کی آشفتگی حمد و ثناء کی نغمگی میں نہا کر تسکین و اطمینان کا جسم اختیار کر رہی ہے تو کہیں عقل سلیم بے گرد و غبار ہو کر حسن ازل کے حرف حرف کا غائبانہ اعتبار کر رہی ہے۔ الغرض حمد کے جتنے بھی مضامین نو بہ نو انسانی ذہن مین آ سکتے ہیں تقریباً" سبھی ان حمدوں میں قاری کے سامنے آ جاتے ہیں۔ اللہ تعالی کی حمد و ثناء قرآن کریم سے بڑھ کر کوئی کیا کر سکتا ہے۔ حمد کے یہ تمام مضامین فی الحقیقت قرآنی حمد ہی کی تفسیر ہیں۔ اور یہ تفسیر در تفسیر تحریر ہوتے ہی رہیں گے کہ اس کی صفات' اس کی تخلیقات اور اسکی روشن نشانیوں پر غور و فکر ہوتا ہی رہے گا۔ اس کی ذات بے شک ہر فہم اور ہر عقل سے ماورا ہے لیکن اس کی آیات پر غور و فکر اس کی یاد اور اس کے ذکر کا حصہ ہے۔ جیسے جیسے

سائنسی تحقیقات اپنے اکتشافات کے ذریعے سے ہمارے علم میں اضافہ کرتی رہے گی حق کی نشانیاں روشن سے روشن تر ہوتی جائیں گی۔ اگر سائنس اللہ پر ایمان لے آئے تو یہ اس کا اپنا حمدیہ عمل ہوگا۔ یہ واقعہ ہے کہ بعض سائنس داں اپنے تجربات و مشاہدات پر اتنے حیران ہوئے کہ توفیق الٰہی سے دین فطرت سے متناقض یا متصادم نہیں ہے بلکہ امر الٰہی کی یہ حقیقت ہے کہ سائنس کو مذہب کے خلاف سمجھتے ہیں تو یہ ان کی عقل کا فتور اور ان کی فہم کا قصور ہے۔ ایک المیہ یہ بھی ہے کہ اہل ایمان گھرانوں میں پیدا ہونے والے بعض افراد اپنی ذہانت، محنت اور شوق کی بنا پر عمرانی علوم میں منتہی ہو گئے، سائنسی علوم سے بھی متاثر ہوئے لیکن تعقل پسندی کے زعم میں اللہ کے وجود کے اقرار کے باوجود اللہ کے آخری رسولؐ اور کلام ربانی کے بارے میں وہ وہ تاویلیں کرنے لگے کہ ان کی علمی بدہضمی کے آثار واضح تر ہوتے چلے گئے۔ کئی لوگ ایسے بھی ہوئے جو قائل تو ہوئے لیکن اپنی معاشرتی مجبوریوں یا کسی اور وجہ سے برملا تسلیم نہ کر سکے۔ دوسری طرف ایک گروہ ایسے افراد کا بھی ہے۔ جو کبھی ہوش میں رہتے ہیں تو کبھی جوش میں آ کر بے ہوش ہو جاتے ہیں۔ بہرحال فکر یہ کرنی چاہیے کہ ایمان تازہ، مضبوط اور سلامت رہے۔

"خزینۂ حمد" میں طاہر سلطانی نے اسی کا اہتمام کیا ہے۔ اس اور مقدس حمدیہ محفل میں جہاں بڑی بڑی مقتدر، مکرم، محترم اور نامور ہستیاں شریک ہیں وہاں نسبتاً کم معروف اور نو آموز شخصیات بھی شامل ہی ازل سے اب تک جو وقت گزرا اس میں ایک ہزار چار سو سال کا تناسب کچھ بھی نہیں۔ وقت کے اس لامتناہی سلسلے میں حمدی نغم کی گونج ہر طرف سنائی دیتی ہے۔ ہمارے عمومی ادب میں عصری آگہی، تبدیل ہوتی ہوء اور قدیم و جدید کا ذکر ہوتا رہتا ہے لیکن اس خصوصی شعبے میں قدیم دل کر وقت کے تسلسل کا مربوط حصہ بنے رہتے ہیں۔ مختلف اسالیب الگ الگ رنگ اجدا جدا خوشبوئیں، سب مل کر ایک ہی جاذب نظر اور دلکش گلدستہ بناتے ہیں۔ سب اپنی اپنی جگہ ایک وحدت کا حصہ بن جاتے ہیں۔ یہ اکائی توحید کبریائی ہر طرف رہ نمائی کرتی ہے۔ معروف نقاد ڈاکٹر محمد علی صدیقی اپنے ایک مضمون میں عصری ادب میں پائے جانے والی اجنبیت اور فرومائیگی پر گفتگو کرتے ہوئے ان وجوہ کی نشان دہی کرتے ہیں جو ان کو وجود میں لاتی ہیں۔ لیکن "خزینۂ حمد" میں کوئی ادبی اجنبیت نہیں پائی جاتی اور فرومائیگی کا تو یہاں سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ ذکر الٰہی اور حمد خداوندی تو انسان کے اعمال نامہ میں سرفہرست ہے اور اگر ان کے ساتھ اعمال نیک بھی ہوں تو ان سے بڑھ کر سرمایہ کیا ہو سکتا ہے۔ ادب زندگی کا عکاس ہے۔ زندگی اگر پاکیزگی اور فلاح کے ساتھ ہوگی تو اس کی عکاسی کرنے والا ادب بھی ادب عالیہ ہوگا۔ چنانچہ بلا خوف تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایک اچھی حمد جو سچے جذبات کی امین ہو اور فکر و فن کے لحاظ سے بھی حسین ہو، ادب عالیہ کا بہترین شاہکار ہوتی ہے۔ اس حمدیہ مجموعہ میں شعر و ادب کے مشاہیر کی کاوشیں شامل ہیں۔ ان میں نہ ابلاغ کا کوئی مسئلہ ہے نہ مفاہیم کی ادائیگی میں الجھنیں ہیں۔ نہ دور از کار علامتیں ہیں کہ مغز

کھپاتے رہیے اور سرا ہاتھ نہ آئے اور نہ تجریدیت ہے کہ نگاہ بھول بھلیوں میں بھٹکتی رہے۔ سب کچھ صاف، روشن اور واضح۔ ادب کی چاشنی، شعریت کی لطافت، جذبے کی مہک، فکر کی بلندی، عقیدے اور عقیدت کی سرشاری، عبودیت کی سچائی، سجدہ ریزی کی کیفیت، مخلوق اور خالق کا تعلق، یہ تمام خصوصیات اپنے پورے شاعرانہ لوازم کے ساتھ ان حمدوں میں موجود ہیں۔ تسبیح و تقدیس، تحمید، تکبیر اور تہلیل کے تمام لہجے ان حمدوں میں بول رہے ہیں۔ دلنواز آوازوں سے یہ ایوان گونج رہا ہے اور نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ یہ محفل خلد ساعت بنی ہوئی ہے۔ حمد الہی کے ساتھ دعائیں التجائیں بھی ہیں۔ عاجزی اور تضرع کے ساتھ استمداد و استغاثہ بھی ہے۔ نور ایمان سے منور الفاظ کی تابانیاں بھی ہیں اور حسن ظن کی جلوہ سامانیاں بھی ہیں۔ ان تمام حمدوں کا دورانیہ ایک ہزار چار سو سال سے زائد ہے کہ یہ آغاز اسلام سے پندرھویں صدی ہجری کے سترہ سال کے درمیان عرصہ میں کہی گئی ہیں۔ یہ محفل جس خوب صورتی کے ساتھ جاری و ساری ہے اس میں آداب زندگی کے ساتھ شعر و ادب کی اعلیٰ معیاری سطح بھی ہے۔ اس سے ہمارے نقاد بھی اتفاق کریں گے۔ یقین کے ساتھ تو نہیں کہا جا سکتا لیکن اغلب ہے کہ اس بزم حمد و ثناء کا سب سے کم عمر شریک آج کا ایک نوجوان شاعر سحر وارثی ہے۔ مثال کے طور پر اس کی حمد درج ذیل ہے۔

قدرت سے تیری مولا پاکر تمام خوشبو
کھلتے ہیں غنچہ و گل کرتے ہیں عام خوشبو

چلتا ہے زندگی میں جو راہ بندگی پر
اس کے لیے سفر میں ہے گام گام خوشبو

مناعیوں کے پیچھے کیا کیا نزاکتیں ہیں
گل ہیں ترے پیامی اور ہے پیام خوشبو

پیش نظر ہے میرے تیری ثناء کا گلشن
ہر لفظ کیوں نہ دے پھر بالاہتمام خوشبو

جب سے رضا ہے تیری میرے سفر کا حاصل
کرتی ہے رہبری کا خود انتظام خوشبو

میری دعا ہے یارب ذکر نبیؐ کے صدقے
اہل جہاں کو بخشے میرا کلام خوشبو

دل کے افق پہ چمکے ذکر خدا کا سورج
فکر سحر سے پائے ہر خاص و عام خوشبو

اس مجموعۂ حمد میں بظاہر ایک ہی غیر مسلم کی حمد شامل ہے۔ جہاں بہت سے غیر مسلم شعراء نے نعتیں کہی ہیں وہاں حمدیں بھی ضرور کہی ہوں گی۔ ان کی جستجو اور تلاش ہونی چاہیے تاکہ وہ خزینۂ حمد کی دوسری جلد میں شامل کی جا سکیں۔ اس پہلی جلد میں مسز سروجنی نائیڈو کی ایک انگریزی حمد شامل ہے۔ یہ ایک بہت خوبصورت حمد ہے اس کا پہلا بند ہے۔

We Praise Thee 'O
Compassionate Master of
Love and Time and Fate

Lord of the Labouring Winds and Seas

Ya Hameed! Ya Hafeez

اس کا منظوم اردو ترجمہ خورشید احمر نے یوں کیا ہے

آپ کی حمد و ثنا ہے دم بہ دم
اے کریم لم یزال واے رحیم محتشم
عشق کی اقلیم کا لاریب تو ہے تاجدار
تیرے ہی جلووں سے روشن ہے چراغ روزگار
کیا سمندر، کیا ہوا، اے حاکم غیب و شہود
تیرے ہی فرماں کے تابع ہے نظام ہست و بود
یا حمید و یا حفیظ!

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ لقمان کی آیت ۲۶ اور آیت ۲۷ اور سورۂ کہف کی آیت ۱۰۹ کا علامہ سیماب اکبر آبادی کے منظوم ترجمہ کلام مجید "وحی منظوم" سے پیش کیا جائے۔

ان سے کہہ دو میرے رب کی باتیں لکھنے کے لیے گر سیاہی (بانی اس سارے) سمندر (کا) بنے
قبل ازیں کہ ختم ہوں باتیں مرے معبود کی وہ سمندر خرچ ہو جائے گا۔ گو ہم (اے نبیؐ)
لائیں خود اس کی مدد کو (اک سمندر) اور بھی

(کہف : ۱۰۹)

ہے جو کچھ ارض و سما میں، سب ہے وہ اللہ کا بے نیاز اللہ شائستۂ حمد و ثناء
اور اگر ساری زمیں کے پیڑ بن جائیں قلم اور سمندر کی سیاہی (بہر تسوید و رقم)
گو سمندر سات ہوں اس کی مدد کو اور بھی پھر بھی باتیں ہو نہیں سکتیں تمام اللہ کی
صاحب حکمت ہے وہ اور سب پہ غالب ہے وہی

(لقمان : ۲۶-۲۷)

الغرض اپنی ان محدودات میں رہتے ہوئے جن کی نشان دہی اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے، جن شعراء کا حمدیہ کلام "خزینۂ حمد" میں شامل ہے وہ بیشتر حسن زبان و بیان اور فصاحت و بلاغت کا عمدہ نمونہ ہے۔ مفاہیم و مطالب کی عمدگی کے ساتھ کہیں سادگی کا حسن ہے تو کہیں لفظی مرصّع کاری کی سجاوٹ بھی ہے۔ کہیں الفاظ کا حسن تکرار تو کہیں ردیف و قوافی کی بہار کیف و سرور کو انگیز کر رہے ہیں۔ اگرچہ بعض حمدوں میں فکری نقائص اور بعض حمدوں میں زبان و بیان کے کمزور پہلو بھی ہیں اور یہ حذف کر دیے جاتے تو بہتر تھا لیکن مجموعی طور پر ذات خداوندی کے اقرار و احساس اور صفات الٰہیہ کا عرفان ان حمدوں میں بھرپور ہے۔ سرشار صدیقی لکھتے ہیں۔

نئے لہجے میں بعد عجز و ندامت لکھوں صرف اشکوں کی زباں میں تری مدحت لکھوں
دل دھڑکتا ہے تو آتی ہے صدائے لبیک میں اسے روح کی تصدیق محبت لکھوں
خاک دربار حرم لے کے چل اہل قلم میں تو اس خاک کو کونین کی دولت لکھوں
اپنی پیشانی ہے اور فرش حرم ہے سرشار میں اسے لمحۂ معراج عقیدت لکھوں

محمد اسمٰعیل میرٹھی نے کہا۔

تعریف اس خدا کی جس نے جہاں بنایا کیسی زمیں بنائی کیا آسماں بنایا

یہ پوری حمد برجستگی اور روانی کی ایک نہایت عمدہ مثال ہے۔

اسی طرح خواجہ محمد اکبر وارثی نے کہا۔

کس سے توحید کبریا ہو رقم سر قلم ہیں یہاں کے قلم
فرش سے تا بہ عالم بالا غل ہے سبحان ربی الاعلیٰ
خلق کرنے لگی جو بے ادبی اس نے بھیجا محمدؐ عربی

محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ "اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں غور و فکر کرو اللہ تعالیٰ کی ذات میں نہ کرو۔" خزینۂ حمد میں بھی صفات ہی میں غور و فکر ہے۔ صفات بے حد و شمار اور فکر محدود لیکن محدود ہو کر بھی لامحدود۔ کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جاست۔ حمدوں میں سے معدودے چند کا انتخاب حسب ذیل ہے۔

عربی (ترجمہ)

خلیفۂ راشد اول حضرت ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں۔ "تو بیماروں کا اچھا کرنے والا' شفا دینے والا' دین و دنیا کے کام آنے والا' میرے لیے بہت کافی ہے۔"

فارسی (ترجمہ)

مولانا جلال الدین رومی کہتے ہیں۔ "تیرا نام پاک کس قدر میٹھا ہے اور تیری ذات کا احساس آب حیات سے بھی زیادہ فرحت بخش ہے۔"

اردو :

ہر آن کا ہے اک رنگ نیا' ہر رنگ کی ہے اک شان جدا
وحدت کا شجر' کثرت کا ثمر' سبحان اللہ سبحان اللہ

(اکبر الہ آبادی)

ہے عارفوں کو حیرت اور منکروں کو سکتہ
ہر دل پہ چھا رہا ہے رعب و جمال تیرا

(الطاف حسین حالی)

پنجابی (ترجمہ)

وارث شاہ کہتے ہیں۔ "پہلے حمد خدا کا ورد کیجیے جس نے عشق کو دونوں جہانوں کی بنیاد ٹھہرایا۔

سندھی (ترجمہ)

شاہ عبداللطیف بھٹائی کہتے ہیں۔ "اپنے تن من سے اس کی حمد کہہ۔ کروڑوں کرم ہیں اس کریم کے۔"

پشتو (ترجمہ)

خوشحال خاں خٹک کہتے ہیں۔ "میں حقیر تیرا عاجز بندہ اور تیرے فضل سے تیری ہی ستائش کرتا ہوں۔ میں تیری بے حد تعریف کروں گا جب تک مجھ میں طاقت ہے۔"

بلوچی (ترجمہ)

بیت نیکہ کہتے ہیں۔ "موت اور زندگی تیرے ہاتھ ہے۔ یہ ربوبیت تجھے ہی بجتی ہے۔ اے عظیم خدا!! اے عظیم خدا!!؟"

سرائیکی (ترجمہ)

خواجہ غلام فرید کہتے ہیں۔ "اس کی کوئی مثال، کوئی شبیہہ نہیں۔ بے شک یہ سب اسی کے جلووں کی تفصیل ہے۔ دنیا ہو، آخرت ہو یا جو بھی مظاہر ہوں۔"

گجراتی (ترجمہ)

فضل جام نگری کہتے ہیں۔ "اے اللہ ہر طرف تیرا ہی نور ہے اور تیری خوشبو ہی زندگی ہے۔ میں کڑوے گھونٹ بھی خوشی سے پی لیتا ہوں کیونکہ تیری عطا میں مٹھاس ہی مٹھاس ہے۔"

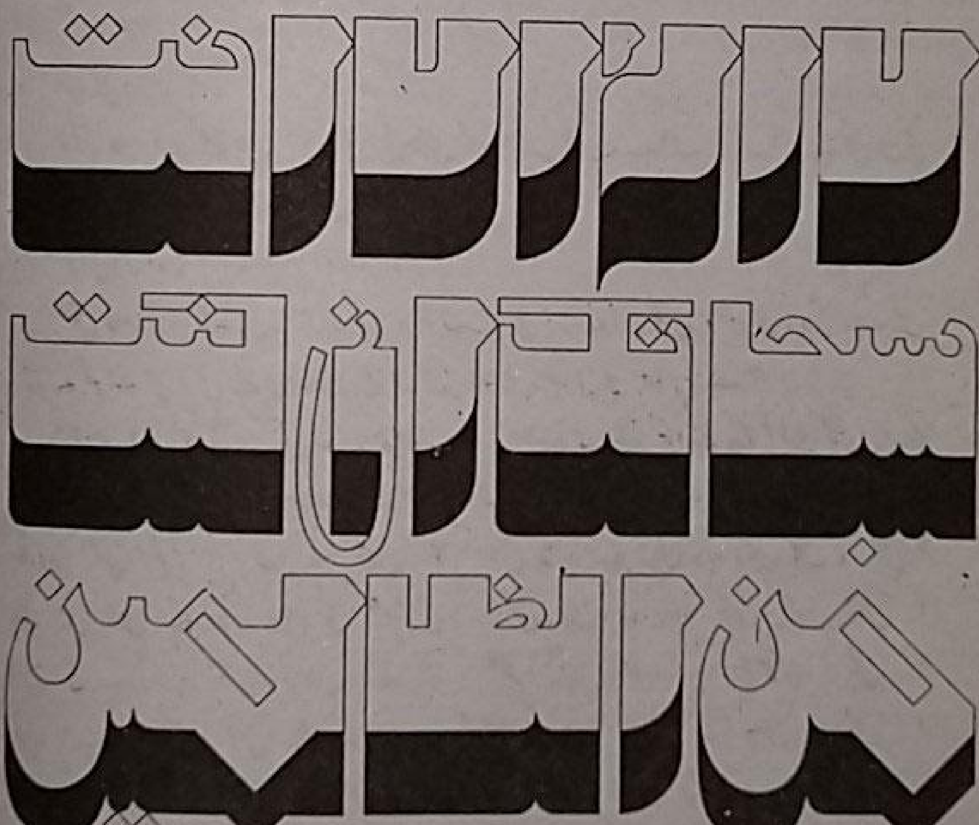
آخر میں ایک چھوٹی سی لیکن نہایت خوبصورت اور مضبوط حمد مغلیہ حکومت کے آخری لیکن برائے نام حکمراں اور برطرف شدہ تاجدار بہادر شاہ ظفر کی طرف سے۔

مقدور کس کو حمد خدائے جلیل کا   اس جا پہ بے زباں ہے دہن قال و قیل کا
پانی میں اس نے راہ بری کی کلیمؑ کی   آتش میں وہ ہوا چمن آرا خلیلؑ کا
اس کی مدد سے فوج ابابیل نے کیا   لشکر تباہ کعبہ پہ اصحاب فیل کا
بلوایا اپنے دوستؐ کو اس نے وہاں، جہاں   مقدور پر زدن نہ ہوا جبرئیلؑ کا
کیا پائے، کنہ ذات کو اس کے کوئی ظفر   واں عقل کا نہ دخل نہ ہر گز دلیل کا

اب راقم الحروف کی طرف سے چار اشعار "خزینۂ حمد" کی نذر۔

خزینۂ حمد حرف حق ہے وہ اس کا حاصل جو صرف حق ہے
یہ ذکر ہے جو ہے خیر و افضل یہ فکر ہے جو بطرف حق ہے
ہے حسن توفیق، حمد خالق نصیب مخلوق ظرف حق ہے
یہ حاصل گفتگو ہے شارق خزینۂ حمد حرف حق ہے

ہر اہل ذوق اور اہل استطاعت کے لیے "خزینۂ حمد" کی دینوی پذیرائی میں دینی بھلائی اور اخروی کمائی بھی شامل ہے۔ الحمدللہ!



حاصلِ مطالعہ

عزیز احسن

لم یات نظیرک فی نظیر ـــــ عنبر بہرائچی

عنبر بہرائچی کا رزمیہ (EPIC) لم یات نظیرک فی نظیر ہمارے پیش نظر ہے۔ کتاب کے دیباچے اور رزمیہ کے متن سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاعر موصوف انگریزی اردو کے علاوہ سنسکرت' ہندی اور عربی فارسی سے بھی کماحقہ' آگاہ ہیں۔ زیر نظر رزمیہ کی خوبی یہ ہے کہ شاعر نے اپنا علمی تجرا پنی تخلیقی دانش کا حصہ بنا لیا ہے۔ اس طرح ان کی شاعری علم کے بوجھ تلے دبی نہیں ہے۔

دنیا میں مذہبی موضوعات کو جہاں کہیں بھی شعری زبان دی گئی ہے وہ شاعری ہاتھوں ہاتھ لی گئی ہے دانتے' ملٹن اور گوئٹے کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ اردو میں علامہ اقبال نے دینی شعور کو اپنی شعری دانش کا حصہ بنایا اور کامیاب رہے۔ پھر بھی انگریز کے پیدا کردہ احساس کمتری اور ترقی پسندی کے نام پر تخلیق ہونے والے مذہب بیزار ادب کا اثر ہے کہ خود عنبر بہرائچی کو لکھنا پڑا۔ "اس تصنیف کو میرے ایک کرم نے فرما بغیر پڑھے ہوئے مذہبی کتاب قرار دیا میں بڑے ادب کے ساتھ عرض کروں گا کہ یہ کتاب صرف مذہبی کتاب نہیں ہے اس میں... قدیم ہندوستانی رزمیہ کے تمام عناصر کو برتنے کی کوشش کی گئی ہے۔" رزمیہ پڑھ کر مصنف کے دعوے کی دلیل تو مل جاتی ہے لیکن میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ مذہبی موضوعات کو شاعری کا حصہ بنانے والے حضرات کو معذرت خواہانہ رویہ اختیار کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ انہیں تو پر اعتماد لہجے میں کہنا چاہیے کہ ہم نے کائنات کے پاکیزہ ترین موضوع سے اپنی شاعری کو وقیع بنایا ہے۔ زیر تبصرہ کتاب کی شاعری ایک تازہ اسلوب رکھتی ہے۔ حرا سے فتح مکہ تک کے واقعات پر مصنف نے بڑی فنکارانہ چابکدستی سے قلم اٹھایا ہے۔ یہ مجلد کتاب بڑے دیدہ زیب گرد پوش کے ساتھ بڑی مناسب قیمت یعنی صرف ۱۰۰ روپے میں ایجوکیشنل بک ہاؤس۔ مسلم یونیورسٹی مارکیٹ۔ علی گڑھ (بھارت) سے حاصل کی جا سکتی ہے ۲۱۲ صفحات کی کتاب میں نظم کا اصل متن ۱۹۶ صفحات میں ہے اور بقیہ صفحات حواشی اور کتابیات کی نذر کیے گئے ہیں جن کی موجودگی سے رزمیہ کو ایک علمی استناد بھی حاصل ہو گیا ہے۔

اجمل و اکمل ـــــــ محسن احسان

محسن احسان غزل کے جانے پہچانے شاعر ہیں۔ اب انہوں نے اپنی نعت گوئی کے نمونے دنیائے ادب کے سامنے رکھے ہیں۔ کسی شاعر کا غزل میں کیا Contribution ہے اس کا فیصلہ تو وقت گزرنے کے بعد ہوتا ہے تاہم ہر دور میں کچھ شعراء ایسے ضرور ہوتے ہیں جن کا لہجہ اور اسلوب کسی نہ کسی نہج پر انفرادیت کی نشاندہی کر دیتا ہے۔ محسن احسان کی شاعری بھی میرے نزدیک ایسی ہی شاعری ہے جو انفرادی اسلوب کی منزلوں کی طرف بڑھ رہی ہے۔

جس طرح تمام اردو شعری سرمائے پر غزل کی کمیت (QUANTITY) حاوی ہے اسی طرح نعتیہ شاعری میں بھی زیادہ تر غزل کے روپ میں ظاہر ہوئی ہے۔ غزل گو شعراء جب وادیٔ نعت میں قدم رکھتے ہیں تو اپنے معتزلانہ طرز احساس کو اس طور پر بروئے کار لاتے ہیں کہ نعت کی لفظیات اور طرز ادا میں ایک خاص قسم کی ندرت پیدا ہو جاتی ہے۔ محسن احسان کی نعت گوئی میں بھی یہی تخلیقی رویہ کارفرما نظر آتا ہے۔ اجمل و اکمل کی تقریباً" تمام ہی نعتیں غزل کی فارم میں ہیں۔

کتاب پر رائے دینے والوں میں احمد ندیم قاسمی' حفیظ تائب' اشرف بخاری' پروفیسر شوکت واسطی' الحاج محمد ایوب حسن' سید واجد رضوی' اور یوسف رجا چشتی کے نام شامل ہیں۔

کتاب میں شامل بعض اشعار میں یثرب کا استعمال دیکھ کر یہ احساس بیدار ہوا کہ شاعر موصوف کی توجہ حضرت حفیظ تائب کی تحقیق کی طرف ضرور مبذول کروانی چاہیے۔

حکم نبیؐ ہے اس کو جو یثرب پکار لے
توبہ کے بعد وہ کہے دس بار طیبہ

احمد ندیم قاسمی صاحب لکھتے ہیں "اجمل و اکمل ہماری نعت نگاری میں زندہ رہنے والا مجموعہ ہے۔"

"حفیظ تائب صاحب کی رائے ہے ان (محسن) کا شاعرانہ اسلوب بصیرت و آگہی' حسن و جمال' سوز و گداز اور ایقان و اعتماد سے عبارت ہے" کتاب مجلد ہے اور اس کا ٹائٹل جاذب نظر قیمت ۱۱۰ روپے ہے۔ القلم دارالاشاعت۔ شان پلازہ بلیو ایریا' اسلام آباد سے حاصل کی جا سکتی ہے (صفحات ۱۱۲)۔

شعرائے امرتسر کی نعتیہ شاعری ـــــــ محمد سلیم چوہدری

کسی بھی زبان کے ادب یا اس کی کسی خاص صنف کا ارتقاء جاننے کے لیے اس زبان کی تاریخ دیکھنی پڑتی ہے۔ ادب کی تاریخ میں تذکرے بہت اہم سمجھے جاتے ہیں۔ تذکروں میں ادیبوں اور شاعروں کے

حالات ان کے کام (WORK) اور کلام کے نمونوں کے ساتھ درج ہوتے ہیں اور تذکرہ نگار کی ہلکی پھلکی تنقیدی رائے بھی شامل ہوتی ہے۔ ان تذکروں سے ادب کے زمانہ تخلیق کا ماحول، فکری ترجمان اور طرز احساس عکس ریز ہوتا ہے۔ بڑے بڑے شعراء نے بھی تذکرے مرتب کیے ہیں میر کے نکات الشعراء، شیفتہ کے گلشن بے خار اور محمد حسین آزاد کے آب حیات کو جو شہرت ملی ہے وہ ادب کے کسی بھی طالب علم سے پوشیدہ نہیں ہے۔

"شعرائے امرتسر کی نعتیہ شاعری" بھی ایک ایسا ہی تذکرہ ہے۔ اس تذکرے میں ۱۵۷ شعراء کا ذکر عرق ریزی سے مرتب کیا ہے۔ اور ان شعراء کی نعتیہ شاعری کا ذکر حروف تہجی کی ترتیب سے مرتب کیا ہے۔ اور ان شعراء کی نعتیہ شاعری کے نمونے بھی دیے گئے ہیں۔ انتخاب شعرامیں مصنف کے پیش نظر یہ بات تھی کہ شعراء کا تعلق کسی نہ کسی عنوان امرتسر سے ہو خواہ اس نے اس شہر میں کسی غرض سے کچھ ہی دن قیام کیا ہو اس طرح اس تذکرے میں شعراء کی شمولیت کا دائرہ بڑا وسیع ہو گیا ہے اور فیض احمد فیض جن کی ولادت قصبہ کالا قادر ضلع نارووال میں ہوئی تھی وہ بھی اس تذکرے میں بار پا گئے۔ اس ضمن میں خود مصنف کا نقطہ نظر بھی ملاحظہ فرمالیجئے۔ "زیر نظر تصنیف کی تیاری میں تین طرح کے شعراء حضرات کے حالات اور ان کا نعتیہ کلام شامل کیا گیا ہے۔ اول امرتسر کے وہ شعراء حضرات جنہوں نے قیام پاکستان سے پہلے ہی امرتسر میں شاعری کے حوالے سے شہرت کی بلندیوں کو چھو لیا تھا۔ دوم وہ شعراء حضرات جن کی شاعرانہ صلاحیتیں خط پاکستان کی زینت بنیں اور یہاں انہوں نے فن شعر و ادب کے حوالے سے بلند مرتبہ حاصل کیا۔ سوم اس میں ایسے غیر مسلم شعراء کا مختصر تعارف اور ان کا نعتیہ کلام شامل کیا گیا ہے جن کی زندگی کے کسی نہ کسی حصے کا تعلق امرتسر سے رہا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کتاب میں اردو، پنجابی اور فارسی تینوں زبانوں میں مختلف شعراء کے نعتیہ کلام کو شامل کیا گیا ہے" ص ۱۷ احمد ندیم قاسمی اور پروفیسر ڈاکٹر خواجہ محمد زکریہ کی تقاریظ شامل کتاب ہیں اور ٹائٹل کی پشت پر پروفیسر محمد اسلم کی رائے طبع ہوئی ہے۔ مضبوط جلد کی اس کتاب کی قیمت ۳۰۰ روپے ہے اور اسے مغربی پاکستان اردو اکیڈمی لاہور (۹۳۔ ۷۔ این۔ سمن آباد لاہور) نے شائع کیا ہے (صفحات ۳۳۶)۔

قندیل مدحت ——— احمد شہباز خاور

فیصل آباد کو نعت کی ترویج و اشاعت کے حوالے سے ایک نمایاں مقام حاصل ہے کہ یہاں نعت کے محققین، نعت گو شعراء اور نعت کی ترویج و اشاعت سے دلچسپی رکھنے والے لوگوں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے۔ احمد شہباز خاور کا تعلق بھی اسی شہر مدحت نگاراں سے ہے۔ قندیل مدحت ان کا پہلا مجموعہ

نعت ہے جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیاوی حیات پاک کے ۶۳ برسوں کی تعداد کے برابر نعتیں یکجا کی گئی ہیں۔

کتاب پر رائے دینے والوں میں پروفیسر افتخار احمد چشتی' پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی' الحاج اختر سدیدی' الحاج صائم چشتی اور سید محمد امین علی شاہ نقوی کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔

خاور کی نعتیہ شاعری میں اسلوب کی جدت اور بیان میں ندرت پیدا کرنے کی کاوش نمایاں ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ اگر وہ نعت گوئی سے مسلسل وابستہ رہے تو انفرادیت بھی پیدا کرلیں گے۔ چند اشعار ملاحظہ فرمالیجئے۔

گل طیبہ کی خوشبو جاگتی ہے جن کے سینے میں
انہی کے آنگنوں میں زندگی بھر پھول کھلتے ہیں

دیے عشق نبیؐ کے جل رہے ہیں
اندھیرے روشنی میں ڈھل رہے ہیں

ہیں شمع رشد و ہدایت نقوش پا ان کے
سلامتی کی ضمانت ہے راستہ ان کا

مدحت شاہ دو عالم سر بسر توفیق حق
نعت کہنے کی سعادت روشنی ہی روشنی

اس کے ساتھ ہی اس بات کا اظہار بھی ضروری ہے کہ دو ایک جگہ سہوا" کچھ بے احتیاطیاں بھی ہو گئیں مثلاً "گزرتے' اترتے' سنورتے کے قافیے چمکتے' بہلتے' مہکتے' مچلتے' اور ڈھلتے بھی باندھے گئے ہیں جو علم قافیہ کی رو سے درست نہیں ہیں کیونکہ مطلع میں (ے) روی (ت) ردف زاید اور (ر) ردف اصلی مقرر ہو گئے ہیں اور ہر قافیے میں ان تین حروف کی تکرار لازمی ٹھہرائی گئی ہے۔ مطلع ہے۔

جب کسی راہ سے سرکار گزرتے ہونگے
ایک اک گام پہ سو چاند اترتے ہونگے

مطلع میں اگر چاند چمکتے لکھا جاتا تو قوافی کی وہ صورت جائز ہو جاتی جو شاعر نے روا رکھی ہے۔ اسی طرح اس شعر میں پیالہ درست تلفظ قبالہ کے ساتھ نہیں بندھا ہے۔

آقا کی مدحت کے لمحوں میں میرے
ہونٹوں پر کوثر کا پیالہ ہوتا ہے

مجموعی طور پر نعتوں کا معیار بلند ہے۔ یہ باتیں تو اس لیے لکھ دی ہیں کہ شاعری کے گلاب اتنے

العرب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پیش کیے جا رہے ہیں تو فصاحت کا خیال رکھا جائے۔

پیپر بیک ایڈیشن کی اس کتاب کا ٹائٹل دیدہ زیب ہے صفحات ۸۰ ہیں اور قیمت ۲۰ روپے ہے۔ انصاری بک پوائنٹ ریگل روڈ فیصل آباد پر دستیاب ہے۔

"طور سے حرا تک" ——— افسر ماہ پوری

افسر ماہ پوری تہذیبی اقدار کے تسلسل کی علامت ادبی روایت سے دلی وابستگی رکھنے والے شاعر تھے۔ ان کی بہت سی کتابیں طبع ہو کر منظر عام پر آ چکی ہیں جن سے ان کے ادبی میلان طبع اور فکری رجحان کا پتہ چلتا ہے۔ "طور سے حرا تک" مرحوم کی حمد و نعت پر مشتمل کتاب جو انکے دوستوں کی کاوشوں سے منظر عام پر آئی ہے۔ اس کتاب میں تیرہ حمد ہیں اور ایک سو چونتیس نعتیں ہیں۔ افسر ماہ پوری کی تمام حمدیہ و نعتیہ شاعری غزل کی فارم میں ہے۔ ایک آدھ حمد میں نظم کا آہنگ ضرور ہے لیکن ہیت اس کی بھی غزل سے جدا نہیں ہوئی۔ اس طرح یہ شاعری۔ ہیت اور معرا دونوں اعتبارات سے روایت سے جڑی ہوئی ہے۔ افسر صاحب کی ایک حمد میں قادر الکلامی کے جوہر نمایاں ہیں۔

اے خدائے لم یزل' اے خالق کون و مکاں
اے رفیق زیر دستاں' اے شفیع بیکساں
یہ مہ و خورشید و انجم' یہ زمین و آسماں
یہ شب دیجور کی زلفوں میں الجھی کہکشاں

یہ صف اشجار سایہ دار تا حد نظر
جس طرح مامور ہوں روز ازل سے پاسباں

اس حمد کے مطلع میں رفیق زیر دستاں اور شفیق بیکساں کے الفاظ شاعر کی زندگی کے حوالے سے پیدا ہونے والے لطیف اور مجروح احساسات کا پتہ دیتے ہیں جو روایت میں عصری حسیت کی قلکاری کی کامیاب کوشش ہے۔

مسلمانوں کی اجتماعی حالت کا بیان اس شعر میں ملاحظہ فرمائیے۔

کیا حال پوچھتے ہیں ہمارے زوال کا
عظمت لپٹ کے روتی ہے منبر سے آپؐ کے

ڈاکٹر سید ابوالخیر کشفی اور پروفیسر عثمان رمزی کی وقیع آراء جزو کتاب ہیں جبکہ جمیل عظیم آبادی نے

"عرض حال" کے عنوان سے طباعت کی سرگزشت لکھی ہے۔ کتاب کا ٹائٹل جنت نگاہ ہے جلد مضبوط، صفحات ۲۷۲ ہیں اور ہدیہ دو سو روپے۔ افسر ماہ پوری میموریل اکاڈمی، (ایل-۲۹، ۷ سیکٹر ۵ سی ٹو بلال ٹاؤن نارتھ کراچی) کراچی سے یہ کتاب حاصل کی جاسکتی ہے۔

چراغِ مدحت ——— اعجاز رحمانی

اعجاز رحمانی اردو نعت کی ایک توانا آواز ہیں۔ ان کی شاعری سادہ اور سہل ہونے کے ساتھ ساتھ پیغام عمل سے مملو ہے۔ وہ اپنی نعت سے حدی خوانی کا کام لے رہے ہیں۔ اب تک ان کی آٹھ کتابیں طبع ہو چکی ہیں۔ جن میں دو نعتیہ مجموعے بھی شامل ہیں۔ "اعجاز مصطفیٰ" اور "پہلی کرن آخری روشنی" کے بعد اب ان کی نعتیہ شاعری کا تیسرا مجموعہ "چراغ مدحت" منصہ شہود پر آیا ہے۔ اس مجموعے میں شامل ایک حمد اور ۷۹ نعتیں غزل کی فارم میں ہیں ان کے علاوہ چار نظمیں اور بائیس قطعات بھی ہیں اس طرح اس کتاب کی تمام شعری تخلیقات اوزان و بحور کی پابند ہیں۔

اعجاز رحمانی کے نعتیہ اشعار میں سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو مہک رہی ہے اور ان کی تمنا ہے کہ یہی خوشبو مسلمان معاشرے میں مجسم ہو جائے لیکن جب وہ اپنے معاشرے پر نظر ڈالتے ہیں تو انہیں کہنا پڑتا ہے کہ۔

ہوتے تو ہیں سیرت کے ہر اک شہر میں جلے
ہیں دور بہت دور مگر لوگ عمل سے

سیر سرکار دو عالم کے حوالے سے کہتے ہیں۔

آپ کے التفات نے چشم کرم صفات نے
کار گہہ حیات کو خوب سے خوب تر کیا

آپ نے اپنے پیار سے خلق کو اعتبار سے
تیر کو کند کر دیا تیغ کو بے اثر کیا

کبھی وہ نعت نگاری کے حوالے سے یہ سوچنے لگتے ہیں کہ۔

نعت رسول اکرم لکھ کر اک مدت سے سوچ میں ہوں
جس معیار کی ذات ہے وہ کیا ذکر بھی اس معیار کا ہے

کتاب میں شامل نظموں میں اظہار کی روانی اور زبان کی سلاست قابل تحسین ہیں۔ ایک دو اشعار البتہ ایسے بھی ہیں جن سے نعتیہ مجموعے کا وقار مجروح ہوتا ہے۔ تفصیل کی گنجائش نہیں صرف اشعار

درج کر دیتا ہوں۔

دوستو اسوہ نبیؐ پہ چلو
ہم پہ الزام بے وفائی ہے

کوئی حسانؓ ہے کوئی اعجاز ہے
کیسے کیسے ہیں مدحت سرا آپ کے

ڈاکٹر عبدالمغنی، صدر شعبہ انگریزی پٹنہ کالج بہار (بھارت) اور ڈاکٹر عبدالباری شبنم سبحانی صدر ادارہ ادب اسلامی، ہندو صدر شعبہ اردو اودھ یونیورسٹی، سلطان پور یوپی (بھارت) نے تقاریظ لکھی ہیں۔ کتاب پیپر بیک میں خوبصورت ست رنگی ٹائٹل کے ساتھ چھپی ہے۔ قیمت ۱۱۵ روپے صفحات ۲۴۰۔ قومی ادب سوسائٹی پاکستان (۴۴ سیکٹر 5.M نارتھ کراچی) کراچی سے حاصل کی جا سکتی ہے۔

عالم افروز ——— خالد شفیق

اردو نعت کی دنیا میں خالد شفیق کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ "شام و سحر" کے چھ ضخیم نعت نمبر نکال کر وہ نعت کی گراں نقدر خدمت انجام دے چکے ہیں۔ عالم افروز ان کا اپنا نعتیہ مجموعہ ہے جس میں ۱۶ حمدیہ نظمیں ۲۷ نعتیں اور چھ نظمیں متفرق موضوعات پر ہیں۔ خالد شفیق کا کلام کلاسیکی روایت سے ان کی وابستگی کا عکاس۔ بیان میں جذبے کا والہانہ پن موضوع سے ان کی شیفتگی کا آئینہ دار اور کتاب کا پیش لفظ بعنوان "مجاز سے حقیقت تک" ان کے دینی خلوص، دامان مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تھامنے کی تڑپ اور اتباع سید الکونین میں ریاضت اور اس کا بے ریا اظہار ہے۔ یہ تمام نشانیاں نعت نگاران عصر حاضر میں انہیں ایک ممتاز مقام دلانے کے لیے کافی ہیں۔

حمد میں بیان کے سانچے (بحور و اوزان کی پابند شاعری) تو پرانے ہیں لیکن طرز احساس نئی نئی ہے جس نے سادہ باتوں کو بھی دل نشین بنا دیا ہے۔

مرے جذبوں کو ساری وسعتیں تو نے عطا کی ہیں
مرے احساس کے شام و سحر تیرے عطا کردہ
ہمارے پاس جتنی نعمتیں ہیں تو نے بخشی ہیں
یہ بام و در سبھی تیرے یہ گھر تیرے عطا کردہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کا فیضان اور مسلمان معاشرے پر اجتماعی طور سے اور ہر مسلمان پر انفرادی طور سے پڑنے والے خوش گوار اثرات کا ذکر ملاحظہ ہو۔

جینے کا شعور آیا جو چاہا وہی پایا
سرکار مدینہ کے قدموں کے وسیلے میں

برصغیر ہندوپاک میں صوفیائے کرام اور اولیائے عظام نے اتباع رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض سے یہاں ایمان کی شمعیں روشن فرمائیں لیکن ہمارے ہاں عموماً بزرگوں کا ذکر اس طرح کیا جاتا ہے جیسے ان مقدس ہستیوں نے صحو کے بجائے سکر اور شریعت کی پابندی کے بجائے شریعت گریز ماحول پیدا کرنا چاہا ہوں۔ خالد شفیق نے نعت میں ان بزرگان دین کا ذکر اس خوبی سے کیا ہے کہ دین کے عملی پہلوؤں سے ان حضرات کی وابستگی ظاہر ہوتی ہے اور شریعت کی پابندگی کا تسلسل معلوم ہوتا ہے۔

ان کی سیرت سے شادابی پائے تو
بلھے شاہ، فرید اور باہو پھول کھلے

ایک مصرعہ میں لفظ حسب (معنی خاندانی سلسلہ) فتح س کے بجائے سکون س (حسب معنی مطابق) کے ساتھ بنت میں آگیا ہے جو نظر ثانی کا محتاج ہے اسی طرح صفحہ نمبر ۸۹ پر چاہتے۔ گرداننے' باٹنے' مانتے اور تاننے قوانی بے اصولی کی چغلی کھا رہے ہیں۔

علیم ناصری، انور سدید، منظور وزیر آبادی کی تقریظیں کتاب میں شامل ہیں جبکہ ریاض حسین چوہدری، حفیظ تائب اور حافظ لدھیانوی نے فلیپ نگاری کی ہے۔ کتاب مضبوط جلد اور دیدہ زیب گرد پوش کے ساتھ چھپی ہے۔ ۱۷۶ صفحات کی اس کتاب کی قیمت ۱۲۰ روپے ہے اور اسے مجلس اردو لاہور (ڈی ۳۸۹۵ لوہاری منڈی لاہور) نے شائع کیا ہے۔

حرف حرف روشنی ——— اجمل نقشبندی

ہندوپاک کی سرزمین وہ ہے جہاں سے میر عرب صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹھنڈی ہوا آئی تھی۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اس خطے کے لوگوں کا عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم دنیا بھر کے مسلمانوں میں نمایاں اور ممتاز ہے۔ نعت عشق نبوی کے اشعار کا سب سے موثر ذریعہ ہے سو شعراء کا نعت گوئی کی طرف رجوع عام منشائے "رفعنالک ذکرک" کی عملی تصدیق کا ایک پہلو بھی ہے۔

اجمل نقشبندی کا تعلق بہار (بھارت) سے ہے۔ "حرف حرف روشنی" ان کا نعتیہ مجموعہ ہے جس کی شعری زبان سادہ اور اردو کی شعری روایت سے مربوط ہے۔ اجمل کی شاعری میں جذبے کی فراوانی ہے اور اظہار میں خلوص بھی۔ مضامین نعت پر کلاسیکیت کی چھاپ ہے۔ چند اشعار ملاحظہ فرمایئے :-

نبیؐ کے روئے پاک سے نقاب اک ذرا ہٹی
تجلی ہوا وہ آفتاب' تابش قمر گئی
اٹھی تو صبح نو ہوئی جھکی تو شام جانفزا
نظر رسول پاک کی جہاں گئی جدھر گئی
انہی کا عکس حسن ہے جہاں کے عکس حسن میں
انہیں کو دیکھتے رہے جدھر جدھر نظر گئی

ان اشعار میں اظہار کی پختگی' کلاسیکی رچاؤ اور مضامین کا بہاؤ موجود ہے۔

مولانا عبدالتین نعمانی قادری' علامہ مشتاق نظامی مرحوم اور ڈاکٹر مظفر حنفی فلیپ نگاروں میں شامل ہیں جبکہ پروفیسر عتیق احمد صدیقی' پروف جوہر بلیاوی اور مقصود احمد نقشبندی کی آراء زینت کتاب بنی ہیں۔ یہ مجلد کتاب صرف ۲۷۴ صفحات پر مشتمل ہے لیکن کاغذ بہت اعلی اور دبیز ہے۔ ٹائٹل بھی خوبصورت ہے اور قیمت دعائے خیر ہے۔ حنا پبلیکیشنز' وائی ۳۔ بی رنجیت نگر نئی دہلی بھارت سے حاصل کی جا سکتی ہے۔

خطیب الامم ——— ریحانہ تبسم فاضلی

ریحانہ تبسم فاضلی صاحبہ سرسید گرلز کالج کراچی میں تاریخ اسلام کی پروفیسر ہیں۔ طالب علمی کے زمانے میں شاعری کرتی تھیں لیکن عملی زندگی میں قدم رکھا تو شعر گوئی ترک کر دی تھی۔ مئی ۱۹۹۱ء میں حج بیت اللہ کی سعادت پائی اور مکہ مکرمہ میں مدرسہ صولتیہ کے ایک بزرگ مولانا محمد مسعود شمیم (مرحوم) کی ترغیب اور دعاؤں کے اثر سے ان کے اندر کی شاعری طویل خواب سے بیدار ہو گئی اور اب ان کی شاعری کا رخ سوئے حجاز ہو گیا۔ ۱۹۹۴ء سے اب تک کئی کتابیں لکھ چکی ہیں جن کے موضوعات دینی حوالوں سے مستنیر ہیں۔ خطیب الامم مولانا شمیم کی دعاؤں کے نتیجے میں منصہ شہود پر آنے والی دوسری کتاب ہے۔ اس سے قبل "مہکتے حرف" منظر عام پر آ چکی ہے۔ شاعرہ کی شعری دانش کا رنگ ڈھنگ دیکھنے کے لئے درج ذیل اشعار ملاحظہ فرمائیے۔

حب رسول مرکز ایمان زیست ہے
وہ زندگی نہیں ہے جو مرکز سے ہٹ گئی
خرام ناز سے تقدیر گیتی جاگ اٹھتی تھی
نقوش پائے سرورؐ سے دیے رستوں میں جلتے تھے

انہی کی ہدایات کی روشنی سے
حیات اپنی ہر دم سنوارا کروں میں
تبسم نگاہوں میں جلوے ہیں ان کے
کسی اور شے کی ضرورت نہیں ہے

بعض اشعار کی بنت میں البتہ ناپختگی کا بھی احساس ہوتا ہے جس کو مشق کی کمی پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ خمار انصاری، فرح اصغر اور حضرت تابش دہلوی نے فلیپ لکھا ہے اور احمد ہمدانی و پروفیسر عذرا جمیل احمد کی تقاریظ کتاب میں شامل ہیں ۲۰۸ صفحات کی یہ مجلد کتاب خوبصورت گرد پوش کے ساتھ چھپی ہے قیمت ۱۲۰ روپے ہے اور تھرڈ ای ر ۳-بی ۱۸ جیب اسکوائر۔ ناظم آباد کراچی سے حاصل کی جا سکتی ہے۔

○

سموم وصبا (خطوط)

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان..... حیدر آباد

"نعت رنگ" کے دونوں مجموعے موصول ہوئے۔ بہت ممنون ہوں۔ آپ نے جو کام کیا ہے" انشاء اللہ بارگاہ الٰہی میں مقبول ہو گا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی اور پیروی ہی مقبول بنا سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ بہت کمزور ہو گیا ہوں دعا میں یاد رکھیں۔

ڈاکٹر وزیر آغا....... سرگودھا

آپ کا خط ملا۔ ممنون ہوں۔ اس سے قبل سوالنامہ بھی مل گیا تھا آپ نے اچھا سوالنامہ مرتب کیا ہے۔ مگر اس کا جواب وہی شخص دے سکتا ہے۔ جس نے موضوع کا بالاستیعاب مطالعہ کر رکھا ہو۔ میرا خیال ہے کہ اس کے لیے موزوں ادیب حافظ لدھیانوی ہیں جن کی ساری زندگی اس میدان میں گزری ہے دوسرے صاحب انجم نیازی ہیں جو راولپنڈی میں مقیم ہیں۔ کچھ اور لوگ بھی آپ کی نظر میں ہوں گے۔ ڈاکٹر انور سدید نے بھی اس سلسلے میں خاصا کام کیا ہے آپ ان سے رابطہ قائم کریں۔ خدا کرے آپ بخیر و عافیت ہوں

جمیل الدین عالی...... کراچی۔

جناب صبیح رحمانی "نعت رنگ" کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔ اس کا اجر تو اللہ تعالیٰ دے گا ہم ان کیلئے صرف دعائیں ہی کر سکتے ہیں

نعت رسولؐ کہنا ایک اپنے اپنے انداز میں اظہار عقیدت کا معاملہ ہے۔ میں اسے ایک فن شعر قرار دینے سے متفق نہیں ہوں محبت، عقیدت فن نہیں ہوتے۔

نعت خوانی، نعت کی اشاعت ایک پاک صاف نیت اور اسٹیج کا تقاضہ کرتی ہے اسے کمرشلائز نہیں کیا جانا چاہئے۔ اسے مکروہات دنیا سے آلودہ نہیں کرنا چاہئے "نعت رنگ" کے بعض مضامین میں بجا طور پر اس طرف اشارے کیئے گئے ہیں اور یہ ایک بڑا مبارک اصلاحی اقدام ہے

کاش میں "نعت رنگ" کی مختلف جلدوں پر تفصیلی رائے دے سکتا۔ مگر اول تو میں اس پورے موضوع پر بات کرنے کا اہل نہیں۔ میں ایک گنہ گار آدمی ہوں۔ اندر کی سیاہی دھلی نہیں ہے۔ دوم میرے پاس اتنا وقت نہیں۔ ایسی تنقیدی زبان نہیں جو تبصرے کا حق کسی قدر بھی ادا ہو سکے۔ ادھر نہ جانے کیوں عزیزی صبیح رحمانی کا اصرار ہے کہ کچھ نہ کچھ لکھوں جبکہ ان کے پاس ان کی کوششوں کے بڑے مؤقر مداحین کا ایک بڑا مجمع موجود ہے

بہرحال ایک مبارک مقصد کے لیے کوئی قطار کتنی ہی بڑی ہو اور اس میں کہیں بھی جگہ ملے حاضری ایک قرض ہے۔ سو میں بھی اس قطار میں حاضر ہوں اللہ تعالیٰ صبیح رحمانی کو بے غرضانہ، مخلصانہ حضور سرور کائنات ﷺ کے فعال مدحت گزاروں میں شامل رکھے اور کامیابیاں عطا فرمائے۔ آمین

(ایک پیغام)

پروفیسر ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق..... ناگپور بھارت

آپ کا محبت نامہ ملا تھا۔ نیز کتاب بھی موصول ہوئی۔ آپ حضرات کی محبت کے احسان تلے دبا جا رہا ہوں۔ شرمندہ ہوں کہ اس کے جواب میں کچھ کرنے کے قابل نہیں ہوں کئی مرتبہ سوچا کہ محض آپ حضرات سے ملاقات کی نیت سے حاضری دوں مگر اب کمزور ہو گیا ہوں اور تنہا سفر نہیں کر سکتا۔ اگر موقع ملا اور قسمت نے یاوری کی تو ایک بیٹے کو ساتھ لاؤں گا۔ سب سے چھوٹا بیٹا سید حبیب الحسن مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ میں زیر تعلیم ہے۔ اس وقت وہ عربی پی ایچ ڈی کے لیے مقالہ تیار کر رہا ہے۔ امید ہے کہ آپ کے مزاج اچھے ہونگے جملہ پُرسان حال حضرات کی خدمت میں سلام عرض ہے

اسلوب احمد انصاری..... علی گڑھ بھارت

گرامی نامہ ۱۸ اکتوبر ۹۶ء موصول ہوا۔ جواب میں تاخیر کیلئے بے حد عزر خواہ ہوں۔ آپ کے ارسال کردہ مجموعوں کی دو دو کاپیاں دو مختلف اوقات میں ملیں۔ دوسری دفعہ جو سیٹ ملا تو میں نے اسے لائبریری کو دے دیا کہ دوسرے بھی اس سے مستفید ہو سکیں ایک سیٹ اپنے مطالعے کے لیے رکھ لیا۔ یہ سیٹ بہت وقیع مندرجات پر مشتمل ہے میں نے انہیں بڑی دلچسپی کے ساتھ پڑھا اور بے حد ممنون ہوں کہ آپ نے یہ مجموعے بھیج کر مجھے ممنون کیا۔ لیکن کیا بتاؤں کہ میں اتنے کاموں میں گھرا رہتا ہوں کہ میرے لیے اپنے پرچے میں لکھنے کے علاوہ کسی اور رسالے کے لیے کچھ لکھنا ممکن نہیں ہے۔ امید ہے آپ اس عزر کو قبول فرمائیں گے۔ مشفق خواجہ صاحب کو بشرط ملاقات میری طرف

ے سلام عرض کردیں۔ امید ہے آپ بعافیت ہوں گے۔

ڈاکٹر وفا راشدی..... کراچی

پہلے کسی نامعلوم مخلص کی معرفت آپ کی روح پرور و ایمان افروز نعتوں کا دلکش مرقع "جادۂ رحمت" مع "نعت رنگ" (نعتیہ ادب کا کتابی سلسلہ) باصرہ نواز ہوا۔ یہ دیکھ کر نہایت مسرت ہوئی کہ آپ نے اپنی شاعری کی ابتدا نعت گوئی سے کی اور ایک خاص جذبۂ محویت کے تحت جادۂ رحمت پر والہانہ شیفتگی، وابستگی اور استقامت کے ساتھ رواں دواں ہیں۔ آپ کی حمد و نعت کا مطالعہ مسرت افزا بھی ہے اور زندگی آمیز بھی۔ آپ کو اس صنف میں ملکہ حاصل ہے۔ اگر آپ نے اپنے فکر و فن کو نعتیہ شاعری کے لیے وقف کر دیا تو انشاءاللہ جلد اس مقام پر نظر آئیں گے جہاں لوگ برسوں کی مشق و ریاضت کے بعد پہنچتے ہیں

آپ نے مزید کرم فرمایا کہ فقیر کے غریب خانے پر تشریف لا کر "نعت رنگ" کے دوسرے شمارے سے نوازا۔ گزشتہ دنوں رفیع احمد فدائی مرحوم کی کتاب "اثاثۂ حیات" کی تعارفی تقریب کے اختتام پر برادرم سید معراج جامی صاحب نے "نعت رنگ" کا تیسرا شمارہ عنایت فرمایا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ان تمام کرم فرمائیوں کے لیے "حرف تشکر" کن حرفوں میں ادا کروں۔ دل سے دعا نکلتی ہے کہ اللہ آپ کو خوش رکھے۔ مزید ہمت و حوصلہ عطا فرمائے کہ بعد دیگرے "نعت رنگ" کے تین شماروں کا مطالعہ اس عاصی و عاجز کے لیے بڑی سعادت کی بات ہے۔ اس "صحیفۂ انوار" کا اجراء نہایت مبارک اور باعث خیر و برکت ہے۔ پاکستان تو کیا پورے برصغیر میں یہ اپنی نوعیت معنویت، افادیت اور اہمیت کے اعتبار سے وہ واحد مجلّہ ہے جو صرف منظوم حمد و نعت اور حمدیہ و نعتیہ افکار و معارف سے متعلق توصیفی مضامین پر حاوی نہیں ہوتا بلکہ خالص تحقیقی، تنقیدی، اور علمی انداز کے مقالات پر بھی مشتمل ہوتا ہے۔ یہ امتیاز کسی اور رسائل و جرائد کو حاصل نہیں علم و عرفان کے فروغ، ادب و معاشرے کی خدمت کا یہ ایک منفرد رنگ ہے جس کی اشاعت کے لیے آپ لائق تحسین اور قابل مبارکباد ہیں۔

نعت شاعری کی قدیم ترین صنف ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس کے رنگ میں صحت مند تبدیلیاں رونما ہوتی رہی ہیں۔ اب اسے ایک دقیع اور مستقل ادبی حیثیت حاصل ہو چکی ہے۔ آئندہ جب بھی "نعتیہ ادب" کی تاریخ مرتب کی جائے گی آپ کے نام کے حوالے سے "جادۂ رحمت" اور نعت رنگ سے استفادہ ناگزیر ہو گا۔

ڈاکٹر سلیم اختر..... لاہور

لاہور آکر کچھ ایسے حالات رہے کہ کوشش کے باوجود آپ سے رابطہ نہ کرسکا اسی لیے خط کا جواب بھی فوری طور پر ممکن نہ ہوسکا بہت پہلے ریڈیو کے لیے نعت پر ایک مختصر مضمون لکھا تھا وہ منسلک ہے یہ بہت مختصر ہے شاید یہ پرچے کے دو صفحات پر چھپے اگر کسی کام آسکے تو خوشی ہوگی۔ سالانہ ادبی جائزے میں "نعت رنگ" کا تذکرہ کردیا ہے جائزہ فروری کے چوتھے ہفتے میں چھپے گا۔
جس کتاب کا وعدہ کیا تھا وہ بھی بھیج رہا ہوں۔ آپ نوجوان نعت گوئی کے فروغ کے لیے جو مساعی کررہے ہیں اس کا اجر اللہ دے گا اس لیے لوگوں کی باتوں کی پروا کئے بغیر یہ نیک کام جاری رکھیئے۔

ڈاکٹر شاہ رشاد عثمانی' کرناٹک بھارت

گرامی نامہ مورخہ ۱۵ نومبر ۹۶ء نعت رنگ کے شماروں اور نعتیہ مجموعوں کے ساتھ براہ وطن (گیا بہار) کل یہاں موصول ہوا اس کرم فرمائی کے لیے سراپا سپاس ہوں "نعت رنگ" کا شمارہ ۳ ابھی وطن میں احباب کے درمیان گردش کررہا ہے پہلے دونوں شمارے جامعہ اسلامیہ بھٹکل کے کتب خانہ میں بھی دیکھنے کو ملے تھے۔ کراچی و لاہور کی اکثر مطبوعات برادرم عبدالمتین منیری بھٹکلی (حال مقام دوبئی) کے توسط سے یہاں آجاتی ہیں۔ جس سے استفادے کا موقع مجھے بھی مل جاتا ہے۔
"نعت رنگ" کا پہلا ہی شمارہ دیکھ کر طبیعت پھڑک اٹھی تھی اور آپ حضرات کے لیے بے اختیار دعائیں نکلی تھیں۔ بلاشبہ ظاہری وباطنی حسن سے آراستہ دستاویزی رسالہ آپ نکال رہے ہیں۔ اس شمارے کے تینوں حصے تحقیق نعت' تنقید نعت اور نعتیہ مجموعوں پر تبصرے وقیع و رفیع ہیں اور وسیع مسائل ومباحث پر محیط ہیں۔
اردو نعت کی باضابطہ تحقیق و تدوین کا کام تو گزشتہ دو تین دہائیوں سے جاری ہے اور اس موضوع پر بعض معرکہ کی چیزیں سامنے آئی ہیں مگر تنقید نعت کا کوئی کام ابھی تک سامنے نہیں آیا تھا' گویا آپ نے مطالعہ نعت کی ایک نئی طرح ڈالی ہے جو بے حد مفید اور مستحسن ہے مگر اسے تنقید نعت کے بجائے نعت کا شرعی محاسبہ کہا جائے تو زیادہ بہتر ہے آج اس بات کی بڑی ضرورت ہے کہ اردو نعت کا مطالعہ اسلامی فکر' اور شریعت محمدیؐ کی روشنی میں کیا جائے اس لیے نعت گوئی ایک مشکل اور نازک فن ہے ذرا سی لغزش شاعر کو کہاں سے کہاں پہنچا سکتی ہے۔ عقیدہ و ایمان اور عشق و محبت کی ہم آہنگی اور خلوص و وابستگی کے بغیر کوئی شاعر نعت کا ایک شعر نہیں کہہ سکتا اور نہ اس کے کلام میں تاثیر ہی پیدا ہوسکتی ہے۔ عرفی جیسا خود پسند متکبر شاعر بھی جب اس میدان میں آتا ہے تو کانپ اٹھتا ہے۔ اس کے نزدیک نعت کہنا تلوار کی دھار پر چلنا ہے۔

عرفی مشتاب ایں رہ نعت است نہ صحراست
آہستہ کہ رہ بردم تیغ است قدم را

جدید ادب کی فکری بے راہ روی اور فنی بے اعتدالیوں کے درمیان نعت کی مقبولیت اور اس کے بے پناہ وسعت نہایت خوش کن جزیرہ ہے اور یہ عصری ادب کا ایک خوش آئند اور مستحسن پہلو ہے جو ادب و زندگی دونوں کی خیرو فلاح کا ضامن ہے۔ ارض پاک میں اب یہ ادبی رجحان ایک عوامی تحریک کی صورت اختیار کرچکا ہے۔ ان حالات میں محتاط رویّے کی اب اور زیادہ ضرورت ہے۔ آپ قابل مبارکباد ہیں کہ دنیائے نعت میں اس جہت سے آپ نے پہلی آواز اٹھائی اور نعت میں احتیاط کے تقاضوں کو سامنے لائے عاصی کرنالی، رشید وارثی، عزیز احسن کے مقالات "ممنوعات نعت" "نعت نگاری میں ذم کے پہلو" اور "نعت نبیؐ میں زبان و بیان کی بے احتیاطیاں" دراصل اردو نعت کا بہترین شرعی محاسبہ ہیں۔ امید ہے کہ اس سلسلے کو آپ مزید آگے بڑھائیں گے اور نئی نئی تحقیقی کاوشوں کو پیش کرتے رہیں گے۔

"نعت رنگ" کا شمارہ ۲ بھی قیمتی مقالات سے مزین ہے جی چاہتا ہے کہ ہر حصے پر اظہار خیال کروں مگر طوالت کا خوف مانع ہے تاہم عصر حاضر میں نعت نگاری کے مختلف رنگ اور پہلوؤں کو آپ نے جو ترتیب اور معنویت کے ساتھ جمع کردیا ہے اس کی تعریف کئے بغیر رہ بھی نہیں سکتا۔ عہد جدید کی نعت نگاری کے عنوان سے مذاکرہ بہت خوب ہے جس سے موجودہ ادبی صورتحال کی بھی عکاسی ہو جاتی ہے۔ آپ کے مضمون "دبستان کراچی کی نعتیہ شاعری" سے کراچی کی نعتیہ شاعری سے واقفیت حاصل ہو جاتی ہے۔ شبیر احمد قادری کا مضمون "جدید نعتیہ ادب اور بارگاہ رسالت میں استمداد و استغاثہ و فریاد" مجھے بطور خاص پسند آیا۔ واقعہ یہ ہے کہ اردو نعت عصری آگہی، ملی شعور اور اجتماعی درد کا مرقع ہے خصوصاً" عصر حاضر میں ملت اسلامیہ پر مصائب و آزمائش کا طوفان ٹوٹ پڑا ہے اس کی بھرپور عکاسی نعتیہ شاعری میں بھی ہوتی ہے، شہید وفا ڈاکٹر سید آفتاب احمد نقوی عصری اردو نعت کے عظیم ادیب و محقق اور عاشق تھے آپ نے بہت اچھا کام کیا کہ اس شمارے کا نصف حصہ ان کے نام مختص کردیا معلوم نہیں کہاں کہاں سے میرا پتہ حاصل کر کے "اوج" کے نعت نمبر کی دونوں جلدیں اپنے گرانقدر گرامی نامہ کے ساتھ مرحوم نے مجھ جیسے گمنام اور دور افتادہ شخص کو ارسال فرمائی تھیں سچ تو یہ ہے کہ نعتیہ ادب کا یہ ایک ایسا دستاویزی نمبر ہے جو انہیں دنیائے ادب میں عمر دوام عطا کرے گا اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور بلند درجات عطا فرمائے آمین۔

مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی..... کراچی

ایک مدت کے بعد آپ سے گرامی قدر سید نسیم احمد صاحب زیدی قادری کے ہاں سالانہ گیارہویں شریف کی محفل میں ملاقات ہوئی۔ آپ نے اپنے مجلّے "نعت رنگ" کے دو شمارے عطا کیے۔ شکریہ جزاکم اللہ۔ ایک مجلّے میں آپ نے اپنے نام میرے پہلے خط کو اشاعت میں شامل کیا۔ مہربانی۔ اس میں کمپوزنگ یا پروف ریڈنگ کی وجہ سے املا وغیرہ کی کچھ غلطیاں تھیں، آپ کو اندازہ ہو گا کہ ایسی غلطیاں ناقدین کے لیے بہت "اہمیت" رکھتی ہیں حالاں کہ اہل فہم جان لیتے ہیں کہ کون سی غلطی تحریر کی ہے اور کون سی طباعت وکتابت کی ہے۔ آپ اتنے بڑے کام کو سرانجام دے رہے ہیں اور تنہا ہر کسی شعبے کی پوری طرح نگرانی کوئی کھیل نہیں "یقیناً" آپ کوشش کرتے ہوں گے کہ ہر طرح خیال رکھیں اور یہ فقیر اپنی تصانیف اور تقاریر میں اس بات کو دہراتا رہا ہے کہ دانستہ یا نادانستہ کوئی کوتاہی ہو جائے تو اس پر طالب عفو ہوں۔ مجھے غلط کو صحیح ثابت کرنے کی مذموم سعی سے کوئی شغف نہیں، اللہ کریم سے یہی دعا ہے کہ وہ راہ حق پر مستقیم رکھے اور ہر غلطی اور غلط سے بچائے، آمین۔

آپ نے فرمایا کہ یہ فقیر آپ کے مجلّے کے مندرجات کے بارے میں شرعی و مسلکی نقطۂ نگاہ کے حوالے سے آپ کا معاون ہو۔ آپ کی اس خواہش پر خوشی ہوئی لیکن خود کو اس قابل نہیں پاتا اور سچ یہ بھی ہے کہ خود اتنا گھرا ہوا ہوں کہ وعدہ بھی نہیں کر سکتا، تاہم آپ سے جو تعاون کر سکا اسے اپنے لیے نیکی سمجھوں گا۔

سرسری طور پر دونوں شمارے دیکھتے ہوئے نعت رنگ سوم میں "نعت خوانی کے آداب اور اصلاح احوال و متعلقات" کے عنوان سے پروفیسر افضال احمد انور کی تحریر پڑھی، اس کی اہمیت کے پیش نظر اس کے بارے میں یہی کہوں گا کہ یہ عمدہ کاوش ہے جس کی بہت ضرورت تھی حالانکہ اس تحریر کی کچھ باتوں سے اتفاق نہیں کرتا۔ کچھ عبارات کے ترجمے محل نظر ہیں اور کچھ احباب کے بیانات ان کے اپنے عمل سے متضاد ہیں۔ حضرت پیر مہر علی شاہ اور مولانا احمد رضا خان کو مجذوبان رسولؐ کی حیثیت دی گئی۔ جانے یہ "رعایت" کس سوچ کی وجہ سے ہے اور لفظ تو تم، تیرا کو نادرست قرار دینے کی بنیاد کیا ہے؟ اردو میں آپ کا لفظ ہے مگر اللہ کریم کے لیے استعمال نہیں ہوتا اور تو تم تیرا کو اللہ کے لیے نادرست کیوں نہیں مانا جاتا؟ سگریٹ اور پان کو ایک ہی درجے میں کیوں شمار کیا گیا، مادعا اللہ داع کا ترجمہ درست نہیں کیا گیا۔ نوٹ نچھاور کرنے کو مجرے کے انداز سے مشابہت دینا درست نہیں۔ بایں ہمہ یہ مضمون اچھا ہے۔ اور اس شعبے سے وابستہ ہر شخص کو بہت تحمل سے اسے پڑھنا۔ سمجھنا اور اس پر عمل کرنا چاہیے۔ ایک شخص کے ادارے میں سالانہ محفل نعت کے انداز کو

کیوں قابل تقلید قرار دیا گیا؟ جبکہ اسی تحریر میں ہے کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنے ثناء خواں کے لئے اندھیرے میں نہیں، اجالے میں مسند لگاتے تھے اور اپنے ثناء خواں کو انعام سے بھی نوازتے تھے وہ بھی سب کے سامنے... نعت گو اور نعت خواں ہر دو کے بارے میں تحریریں خوب ہیں۔ آپ نے انفاس العارفین میں درج وہ واقعہ نہیں دیکھا جو حضرت شاہ عبدالرحیم دہلوی نے تحریر کیا ہے جسے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے تحریر کیا ہے، اس فقیر نے اسے اپنی کتاب "مزارات و تبرکات اور ان کے فیوضات" میں نقل کیا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرات "سماع" کے بارے میں کیا احوال رکھتے تھے... علاوہ ازیں یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ وہ وقت آسکتا ہے کہ اللہ کی عبادت کرنے والا کوئی نہ رہے مگر وہ وقت نہیں آسکتا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تعریف کرنے اور درود و سلام ان پر بھیجنے والا کوئی نہ رہے... اس لیے کہ مخلوق کو فنا ہے مگر خالق کو نہیں اور اللہ کا فضل اس کے ساتھ ہے۔ اللہ کی کوئی ابتدا و انتہا نہیں۔ اللہ کی عبادت صرف مخلوق کرتی ہے اور حبیب کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر درود خود اللہ بھیجتا ہے اس لیے نبی کی نعت اور درود و سلام کا سلسلہ کبھی ختم نہیں ہو گا... آپ اس تحریر میں ص ۲۰۷ پر درج جناب منظور الکونین کے الفاظ شائع نہ کرتے تو بہتر تھا، اگر کہیں اور سے نقل کیے گئے ہیں تو بھی قابل اصلاح ہیں... باقی تحریروں کے بارے میں مطالعے کے بعد کچھ عرض کروں گا۔ آپ کے لئے دل سے دعا ہے کہ اللہ کریم آپ کو صدق و خلوص سے اس نصب العین پر قائم رکھے اور آپ کی ہر طرح مدد فرمائے۔

ڈاکٹر خورشید رضوی - لاہور

برادرم تحسین فراقی صاحب کی معرفت آپ کا ارسال کردہ شمارہ "نعت رنگ" وصول ہوا۔ ہنوز باقاعدہ مطالعے کی سعادت تو حاصل نہیں ہوئی تاہم ایک سرسری نظر میں اس کے حسن ظاہری کے علاوہ حسن باطنی کا بھی قائل کر دینے کے لیے کافی ہے۔ اللہ پاک آپ کو جزائے خیر دے۔ آمین۔ بہت وقیع کوشش ہے۔ یاد آوری و ذرہ نوازی پہ تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔

ڈاکٹر وقار احمد رضوی۔ کراچی

"نعت رنگ" کے دونوں شمارے دیکھے۔ ماشاء اللہ بہت خوب ہیں۔ مبارک ہو۔ نعت پر اتنا اچھا رسالہ نکل سکتا ہے۔ یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ یقیناً یہ آپ کے جذبہ و عقیدت کا ثمر ہے۔ دیدہ زیب ٹائٹل کور، کتابت، طباعت، کاغذ ہر لحاظ سے رسالہ اعلیٰ پائے کا ہے۔ سب سے بڑی بات Matter کی ہے۔ نعت پر آپ نے جو مواد فراہم کیا ہے۔ وہ معیاری ہے۔ ساڑھے تین سو صفحات پر پھیلا ہوا رسالہ

نکالنا آپ ہی کے دل گردے کا کام ہے۔ میں نے جہاں تک مطالعہ کیا ہے۔ آپ کا رسالہ وقیع، جامع اور دل پسند ہے۔ پورا رسالہ آپ کے حسن ذوق اور سلیم الطبعی کی عکاسی کرتا ہے۔ مجھے امید ہے آپ نے جو چراغ جلایا ہے۔ اس کی روشنی ماحول کو منوا کرتی رہے گی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس نیک عمل کا اجر و ثواب عطا فرمائے آمین، نعت پر اور بھی رسالے نکلے ہیں۔ لیکن آپ کے رسالے کو سب پر تفوق حاصل ہے۔

شفقت رضوی۔ کراچی

آپ نے نہایت بالائے عنایت فرمائی۔ میرا پتہ معلوم کر کے گھر تشریف لانے کی زحمت اٹھائی۔ اپنی نعتوں کے مجموعے اردو نعت رنگ کے شمارے عطا فرمائے۔ آپ ٹھہرے دولت دین سمیٹنے والے۔ آپ کا نعتیہ کلام آپ کے لیے زاد راہ آخرت ہے۔ میری کم علمی اور کم بصری کہ میں آپ کا ہم سفر نہیں۔ بہر حال یہ مقدس شعری سفر آپ کو مبارک! مجھے لذت نظارہ کچھ کم نہیں ہے۔

نعت میں آپ کا لہجہ روایت سے الگ اور منفرد ہے۔ اس عمر میں یہ ذوق اور تخلیقی صلاحیت قابل رشک ہے۔ "نعت رنگ" کی اشاعت کے سلسلہ میں بھی آپ کی کاوشیں لائق داد ہیں ہم جیسے لوگ جو نقش بر آب ہوئے جاتے ہیں نئی نسل سے کچھ اچھے توقعات نہیں رکھتے ہیں۔ آپ نے ہماری غلط فہمی کا ازالہ کر دیا۔ آپ، طاہر سلطانی، ہلال نقوی، اور بہت سے دوسرے نوجوان امید کی کرنیں ہیں۔ خدا آپ سب کو سلامت رکھے اور وہ کام کرنے کی توفیق اور ہمت عطا کرے جو ہم سے نہ ہو سکا۔ آپ لوگوں کی ہمت اور محنت دیکھ کر ہماری زندگی میں دو چار روز کا اضافہ شاید نہ ہو لیکن دو چار قطرہ خون کا اضافہ ضرور ہو جاتا ہے۔

نعت رنگ مجموعی طور پر پسند آیا۔ نعتیہ کلام اعلیٰ درجہ کا ہے اور مضامین خیال افروز۔ چند مضامین میرے خیالات کے ترجمان ہیں، شمارہ ۳ میں عاصی کرنالی صاحب نے جو کچھ لکھا میں اس سے متفق ہی نہیں بلکہ حفظ مراتب کے لئے مزید اصلاح کی ضرورت سمجھتا ہوں۔ میرے خیال میں نعت میں جو "سراپا نگاری" کی جاتی ہے وہ ذات گرامی سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی محض مجاز کو بنیاد بنایا جاتا ہے۔ تخاطب کے لئے "تو" "تیرا" کی ضمیریں میرے دل میں چبھتی ہیں۔

نعتیہ ادب کے سلسلہ میں کسی دقیق مطالعہ کا میں دعوے نہیں کرتا لیکن جو کچھ پڑھا اور دوسروں کی رائے سے متاثر ہوئے بغیر جو رائے قائم کی ہے ممکن ہے درست نہ ہو۔ لیکن یہ میری رائے ہے اور اسی طور قبول کرنا میرے حق کو تسلیم کرنا ہے۔ میرا مطالعہ یہ نظریہ قائم کرنے پر مجبور کرتا ہے کہ اردو میں نعت گوئی چار نوع کی ہے۔

۱۔ وہ نعت جو جذبۂ صادق اور خلوص بے پایاں کے ساتھ لکھی گئی ہو اس کی پہچان یہ ہے کہ قاری اور

نعت خواں پر پڑھنے کے دوران ایک خاص کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

۲۔ خالی فن کے اظہار کے لئے لکھی گئی نعت! اس کا اثر دل پر کم ہوتا ہے البتہ دماغ غور و فکر پر مائل ہوتا ہے اس کی داد دی جاتی ہے اس سے کیف طاری نہیں ہوتا۔

۳۔ روایت کی پاسداری میں کہی جانے والی نعت

۴۔ بس یونہی کہی ہوئی نعت! جب سب کہتے ہیں تو ہم کیوں نہ کہیں کے جذبے سے وجود میں آنے والی۔

ذرا سی توجہ سے ہر نعت کو ان میں سے کسی قسم میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ میرے خیال میں (۱) اور (۲) کے امتزاج سے جو نعت وجود میں آتی ہے وہ ہر اعتبار سے کامیاب ہوتی ہے۔

یہ میرے جذبات ہیں ضروری نہیں کہ آپ یا دوسرے ان سے متفق ہوں۔ میں نے دانستہ مثالوں سے گریز کیا ہے۔

"نعت رنگ" عصر حاضر کی بھرپور نمائندگی کرتا ہے۔ اس کا فہم قابل تحسین ہے۔ میرے خیال میں دو، تین مزید شماروں کے بعد نئی جہتوں کی تلاش لازم ہو جائے گی۔ کیوں نہ ابھی سے اس کی داغ بیل ڈالی جائے اور "نعت رنگ" کے Scope کو وسیع کیا جائے۔ اچھا ہو اگر آپ پاکستان میں مروّج زبانوں سے صنف کی نمائندہ تخلیقات حاصل کر کے ان کے اردو تراجم شائع کریں۔ اس کے علاوہ مشرقی اور مغربی زبانوں کی نمائندہ تخلیق کو بھی شامل کریں۔ دوسرے اس امر کی کوشش بھی کریں کہ سابق میں جن شعراء نے نعت گوئی کے معیاری نمونے تخلیق کئے لیکن وہ اب گوشۂ گم نامی میں ہیں انہیں متعارف کروایا جائے۔ اگر آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے ان امور کی جانب توجہ کی تو مستقبل میں "نعت رنگ" "نعت انسائیکلو پیڈیا" بن جائے۔

پروفیسر عاصی کرنالی ۔ ملتان

"نعت رنگ" عطا ہوا۔ خوب سے خوب تر۔ زیبا سے زیبا تر۔ زیادہ کاوش اور دقت نظری کا ثبوت۔ ہر تحریر عمدہ، مفید المطالعہ، لائق استفادہ۔ لکھنے والوں کی ژرف نگاہی، وسعت مطالعہ اور معیار کی دلیل۔ میں نے ابھی جستہ جستہ مطالعہ کیا ہے۔ "نعت رنگ" کی اہمیت اور اقتضا یہ ہے کہ اسے بغور پڑھنا چاہیے اور اس میں شامل سطر سطر، جملے جملے کا مطالعہ تعمق سے کرنا چاہیے۔ مجھے یقین ہے کہ نعت رنگ کا ہر شمارہ اور تخصص کے ساتھ موجودہ شمارہ اتنا پُر از معنویت و افادیت ہے کہ طالبان علم و فن سے لے کر مطلوبان علم و فن تک اپنے اپنے ذوق، فہم اور شعوری سطح کے مطابق اس سے بہت کچھ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ آپ اور آپ کے رفقاء کا یہ حسن عمل اجر و ثواب کا مستحق بھی ہے اور خالق و مخلوق الٰہی کی نظر میں منظور و مقبول بھی!

پروفیسر عنایت علی خاں ۔ حیدر آباد سندھ

"نعت رنگ" کے گراں قدر تحفے کے لیے آپ کا ازحد ممنون ہوں۔ میری خوش بختی ہے کہ اس وقیع مجلے میں مجھ جیسے "ہزل گو" کا نام بھی دو جگہ بار پاسکا مکرمی عزیز احسن صاحب نے جس انداز سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے حوالے سے خود احتسابی اور کرب آگہی کا مشاہدہ کیا اس سے اپنے احساس کے اعتماد میں اضافہ ہوا اور اس احساس کی اساس مجھے قرآن کے وعدے! وانتم الاعلون ان کنتم مومنین○ اور حدیث مبارک لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ ولدہ والناس اجمعین کے ربط میں بھی ملتی ہے کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت معتبر ہے تو ایمان معتبر اور ایمان کے معتبر ہونے کا نتیجہ علوے مرتبہ اور غلبہ۔ آج امت مسلمہ جس مغلوبیت ذلت و رسوائی سے دوچار ہے اس کے پیش نظر اس سے ایمان اور حب رسولؐ دونوں کا غیر معتبر ہونا اظہر من الشمس ہے۔ عقیدت و ارادت جس پیروی کی طالب ہے وہ مسلمانوں کا شعار رہی تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ بہ تمام و کمال پورا ہوا جیسا کہ اس نعت میں اعلان کیا گیا ہے

ترا نقش پا تھا جو رہنما تو غبار راہ تھی کہکشاں
اسے کھو دیا تو زمانے بھر نے ہمیں نظر سے گرا دیا

محترم راجا رشید محمود صاحب سے اردو کی درسی کتب کے جائزے کے سلسلے میں نیاز حاصل ہوتا رہا ہے۔ شفیق الدین شارق صاحب نے راجا صاحب سے میرے لیے جس خوش گمانی کی توقع کی ہے اس کا میں کسی درجے میں خود کو مستحق ضرور سمجھتا ہوں۔ میرے جذبے کی وضاحت تو محترم شارق صاحب نے بہترین الفاظ میں فرما دی ہے اور آپ نے فٹ نوٹ میں یہ بات بتا کر کہ جس ترکیب یعنی "عقیدت بے نصیب" پر راجا صاحب کو اعتراض تھا اس کا بحر سے خارج ہونا ہی کتابت کے سہو کی کافی وشافی دلیل تھا۔

اور اس کے بعد ہر الزام بے بنیاد ہوتا ہے

اگر راجا صاحب حسن ظن سے کام نہ بھی لیتے اور سال بھر قبل ارسال کردہ اس نعت کو قابل اعتناء سمجھ کر ایک بار پڑھ لیتے تو کتابت کی غلطی کا علم ہو جاتا لیکن میرا گمان یہ ہے (خدا کرے غلط ہو) کہ میری مذکورہ حمد و نعت کا مجموعی تاثر ہی راجا صاحب محترم کے لیے نامانوس اور ان کے ذوق سے متغائر تھا ورنہ وہ یہ نہ لکھتے "خدا کا شکر ہے کہ شاعر کی عقیدت بے نصیب اور ارادت بے ثمر کا رخ میرے آقا و مولا حضور حبیب کبریا علیہ التحیۃ والثنا کی جانب نہیں۔ لیکن اسے نعت کے نام سے کیوں پیش کیا گیا؟"

جب شعر نعت کا ہے تو رخ تو آقا و مولا (یہاں لفظ "میرے" میں جو "حصر" ہے وہ نظم کے تاثر سے راجا صاحب کی مغائرت کا اشارہ خفی ہے) ہی کی طرف ہو گا صنف کے اعتبار سے یہ نعت قطعہ ہے غزل نہیں۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ راجا صاحب کاتب کی غلطی کو بنیاد بنانے کے بجائے نظم کے مجموعی تاثر پر استدلالی انداز سے گفتگو کرتے۔

اگر آپ مناسب خیال فرمائیں تو مذکورہ نعت آئندہ شمارے میں شائع فرمادیں تاکہ راجا صاحب کے اعتراض کے بارے میں میری معروضات واضح ہو سکیں

ڈاکٹر طاہر تونسوی ۔ ملتان

"نعت رنگ" ملا۔ اس عنایت کیلئے شکر گزار ہوں۔ نعتیہ ادب کے سلسلے میں جو شاندار خدمات آپ سرانجام دے رہے ہیں وہ قابل ستائش ہے۔ صبا اکبر آبادی کا گوشہ بھی لائق تعریف ہے۔ ملتان میں بھی نعت گوئی کی روایت بڑی توانا ہے۔ عاصی کرنالی' ہلال جعفری' عزیز حاصل پوری' تابش صمدانی اور انور جمال وغیرہ کے نعتیہ مجموعے آچکے ہیں اور باقاعدہ نعتیہ مشاعرے بھی ہوتے رہے ہیں۔ بہرحال کتابی شکل میں باقاعدگی سے ایسا مجموعہ ایک نئی روایت ہے۔ جس کے لیے آپ مبارک باد کے مستحق ہیں۔

شکیل عادل زادہ۔ کراچی

کسی ایک موضوع پر رسالہ شائع کرنے کے مسائل و مراحل کا تھوڑا بہت اندازہ ہے۔ اردو میں موضوعی رسالے نکلتے بالعموم بڑے جوش و خروش سے اور دم جلد ہی توڑ دیتے ہیں۔ ایک نہیں' بے شمار مثالیں ہیں۔ ایسی پیچیدہ' حوصلہ شکن صورت حال میں آپ نے فن نعت پر ایک رسالہ شائع کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے اور وہ کام کیا ہے جو دوسروں نے نہیں کیا۔ جو دوسرے نہیں کرپاتے' وہ کام یقیناً" دشوار ہوتا ہے۔

نعت ہمارے ادب کی ایک مستقل صف سخن ہے۔ تقریباً" ہر شاعر نے اس صنف میں طبع آزمائی کی ہے اور کمال کیا ہے' صرف کلمہ گویاں ہی نہیں' دیگر مذاہب کے شعرا نے بھی بہ قول شخصے' کچھ یوں اپنی عاقبت کا سامان کرلیا ہے۔ نعت بڑی نازک صنف ہے۔ شاعری کی تمام اصناف میں شاید سب سے زیادہ نازک سو اس موضوع پر رسالہ شائع کرنے کا کام کچھ کم احتیاط نہیں چاہتا۔ آپ کو پھونک پھونک کے قدم رکھنے' قدم اٹھانے پڑیں گے۔

اب تک نعت رنگ کے تین شمارے شائع ہو چکے ہیں' ان کی وقعت اور جامعیت کا ہر گوشے میں

اعتراف کیا گیا ہے۔ نعت رنگ کی جلوہ نمائی کے بعد احساس ہوتا ہے کہ کتنی بڑی بھول ہوتی رہی ہے۔ ہر اردو رسالے کے لیے مہم جوئی کی صفات درکار ہوتی ہیں۔ یہ تو ایک خاص رسالہ ہے۔ آپ اسی تن دہی، مستعدی سے، کوئی تحریک، کوئی کارنامہ سمجھ کے جٹے رہے تو مجلّہ نعت رنگ اردو کے موضوعی رسالوں میں یادگار حیثیت اختیار کر سکتا ہے۔ ساری بات اپنے کام میں یقین اور خلوص نیت کی ہوتی ہے۔ مکمل شاید کوئی چیز نہیں ہوتی، اور یہی گنجائش تخلیق کاروں، ہنرکاروں کا حوصلہ فزوں رکھتی ہے۔ مجھے آپ کے وسائل کی تنگی کا علم ہے لیکن وسائل والوں کو آج تک اس طرف توجہ دینے کا خیال کب اور کہاں آیا۔ وسائل والے تو وسائل اور بڑھانے کا ورد کرتے ہیں۔ آپ کے پاس اور خوبیاں بے پناہ ہیں۔

تکلم ترنم، سخن کاری و خوش نوائی، جذبۂ فراواں، عمر بھی آپ کے ساتھ ہے۔ کام کرنے کے لیے تین بنیادی اوصاف شمار کیے جاتے ہیں۔ محنت، دیانت اور راست سمت میں جستجو، اقدام، اور ہاں ایک اور چیز عشق، آپ کے ہاں عاشقی کی خو ہے، اور سب سے بڑا عشق تو ایک ہی ہوتا ہے اور اسی عشق کا اظہار نعت رنگ ہے۔

امین راحت چغتائی... راولپنڈی میں نے "نعت رنگ" کا تیسرا شمارہ پڑھا۔ اور پورے انہماک سے پڑھا۔ اس کے بیشتر مضامین میرے علم میں اضافے کا باعث بنے۔ لہٰذا میں آپ کا نیز رشید وارثی، عاصی کرنالی، عزیز احسن، ڈاکٹر عصمت جاوید، پروفیسر محمد اقبال جاوید اور ابوالخیر کشفی صاحبان کا بے حد شکر گزار ہوں۔ انہوں نے اپنے اپنے مضمون میں بڑی کاوش کی اور نعتیہ ادب کے کتنے ہی نئے پہلو ابھر کر سامنے آگئے۔ میں نہیں کہتا کہ تاریخ ادب میں آپ کا نام لکھا جائے گا کہ یہ ایک رسمی سا جملہ ہے لیکن حضور ختمی مرتبت کی محبت میں آپ جس طرح سرشار نظر آتے ہیں اس کے باعث رب العزت کے دربار میں آپ کے درجات یقیناً" بلند ہوں گے۔

نعتیہ ادب کو تنقیدی عمل سے گزارنا، ایک نیا اور جرأت مند تجربہ ہے اور اس کے لئے رشید وارثی اور عاصی کرنالی صاحبان کے ہاتھ چوم لینے کو جی چاہتا ہے اور آپ کی پیشانی پر بھی شفقت کا بوسہ ثبت کرنا اپنی سعادت سمجھتا ہوں۔ وارثی صاحب اور عاصی کرنالی صاحب سے مستقل رابطہ رکھیے۔ یہ بڑے کام کی "چیز" ہیں

اور پروفیسر حفیظ تائب تو میرے قلب و نظر ہیں۔ اللہ انکی عمر دراز کرے، انہوں نے نعت کو انکسار و محبت کا نیا رنگ دیا ہے نعت کی حدود کو جس قدر وہ سمجھتے ہیں، دور جدید میں وہ فہم ہمارے حصے میں کم کم آیا ہے۔ "نعت رنگ" کھولتے ہی میری نظروں نے سب سے پہلے ان کی حمد کو چوما اور پھر ورق گردانی کی۔ اعظم چشتی پر ان کا مضمون بے حد معلومات افزا ہے۔ نعتیہ ادب سے دلچسپی رکھنے والوں میں اسے بڑے

شوق سے پڑھا گیا ہو گا۔ تائب صاحب نے درست لکھا ہے کہ اہل ادب نے اعظم چشتی مرحوم کی نعت نگاری کی طرف کم کم دھیان دیا ہے۔

میں آپ کے لئے ضرور لکھوں گا۔ لیکن کب؟ یہ نہ پوچھئے۔ بس چپکے سے کسی روز مضمون بھیج دوں گا۔

اللہ عزوجل آپ کے درجات اور بلند فرمائے۔ امید ہے کہ آپ کے مزاج بخیر ہوں گے۔

رشید وارثی اور عزیز احسن صاحبان تک ہمارا اسلام پہنچایئے۔

پروفیسر جعفر بلوچ ۔ لاہور

آپ کا "نعت رنگ" مسلسل نظر نواز ہو رہا ہے۔ آپ کے بے پایاں اخلاص و کرم کیلئے سراپا سپاس اور اپنی کوتاہ قلمی پر حد درجہ شرمندہ بھی کہ آپ کے عنایت ناموں کا جواب بھی بروقت نہ دے سکا۔

نعت رنگ کے حوالے سے چند شعر موزوں ہوئے ہیں۔ امید ہے آپ قبول فرمائیں گے۔ آپ کا نعت رنگ صبغۃ اللٰہی شان رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مزید توفیقات ارزانی فرمائیں۔ آمین

نعت رنگ

مرے عزیز مکرم، صبیح رحمانی نہایت آگہی افزاء ہے نعت رنگ ترا
ارادتوں کے تسلسل کی شان ہے اس میں عقیدتوں کا حوالہ ہے نعت رنگ ترا
نقوش طیبہ و بطحا یہاں چمکتے ہیں فروغ دیدۂ بینا ہے نعت رنگ ترا
اس آئنے میں ہیں امروز و دوش عکس اگن جمال طلعت فردا ہے نعت رنگ ترا
بہ فضل رب تعالیٰ ہے نعت رنگ ترا بہ فضل رب تعالیٰ ہے نعت رنگ ترا

قمر یزدانی ۔ پنوانہ سیالکوٹ

جناب اقبال احمد فاروقی صاحب مالک مکتبۂ نبویہ داتا گنج بخش روڈ کے ہاں آپ کے نعت رنگ خصوصی اشاعت نظر نواز ہوئی۔ ماشاء اللہ انتخاب نعت اور ترتیب مضامین کے لحاظ سے خوب و محبوب ہے آپ کی یہ سعیٔ جمیل قابل تحسین اور لائق صد آفرین ہے۔

نسیم سحر - جدہ (سعودی عرب)

نعت رنگ کے عنوان سے آپ کا مرتب کردہ تیسرا شمارہ برادرم عاصم صدیقی کی معرفت مجھے جدّہ کے پتے پر موصول ہوا جس کے لیے بہت بہت شکریہ واقعی میں اگر اس خوب صورت مجموعے سے فیض یاب نہ ہوتا تو انتہائی محرومی کا احساس ہوتا۔ کتنا اچھا ہو اگر آپ اس سلسلے کے پہلے دونوں شمارے بھی مجھے ارسال فرمادیں۔

میں اپنا حمدیہ و نعتیہ مجموعہ بذریعہ رجسٹری آپ کی خدمت میں الگ سے روانہ کررہا ہوں ملتے ہی مطلع فرمایئے گا۔

احمد صغیر صدیقی - کراچی

دو روز قبل برادرم معراج جامی سے "نعت رنگ" کا تازہ شمارہ ملا۔ میرے سامنے ہی فون پر ان سے آپ کی بات ہوئی انھوں نے بتایا کہ آپ نے کسی مضمون کی فرمائش کی ہے۔ میں نے مضامین لکھنے کی سمت توجہ نہیں کی ہے ابھی تو میں صرف اچھے مضامین پڑھ رہا ہوں۔

آپ نے اداریے "احوال" کے آغاز پر لکھا ہے "آغاز رب رحمٰن و رحیم کے نام سے ثنائے رسول ہاشمیؐ کے بعد" یہ ترتیب آپ کی توجہ چاہتی ہے اصولاً "حمد ربی پہلے اور ثنائے رسولؐ بعد میں ہونی چاہیے۔

ظاہر ہے یہ ضخیم کتاب چند گھنٹوں میں نہیں پڑھی جا سکتی۔ البتہ چند مضامین اور کچھ نعتیں میں نے ضرور پڑھ لی ہیں حسب معمول نہایت سجے ہوئے اور کام کے مضامین ہیں۔ تاہم رشید وارثی صاحب کا مضمون بہت پُر مغز ہے اسی طرح پروفیسر افضال احمد انور نے بھی ایک اچھا موضوع لے کر مضمون لکھا ہے اور خوب لکھا ہے۔ نعت خوانوں پر نوٹ نچھاور کرنے والی بات پر انھوں نے عمدگی سے روشنی ڈالی ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ مضمون اپنی نوعیت کا نہ صرف پہلا مضمون ہے بلکہ انتہائی اہم بھی ہے کیونکہ اس میں بڑی تفصیل موجود ہے اور سمجھنے سوچنے والوں کیلئے اس میں بہت کچھ ہے۔

"مدحت" کے حصے میں تابش دہلوی صاحب جناب عبدالعزیز خالد صاحب اور حمایت علی شاعر وغیرہ کی نعتیں اچھی لگیں کچھ نعتیہ شعر بہت پسند آئے

ان کی یاد کے صدقے
قلب کو حرا کیلئے

(اعجاز رحمانی)

سرور حرف دعا کیسا مستجاب ہوا
زباں کو حوصلۂ مدح انتخاب ہوا

(سرور بارہ بنکوی)

اسیٔ نے تیغ نوائی کی تیرگی میں کیا
زمیں دل پہ محبت کا آسماں روشن

(صبیح رحمانی)

خطوط کے حصے میں نقوی احمد پوری کا خط توجہ طلب ہے۔ نعتوں کی اشاعت کے بارے میں واحق عدنان نے اچھی تجویز دی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ جو القاب مستعمل ہیں مثلاً "مولائے کل" "آقائے دو جہاں" "سرکار دو عالم" وغیرہ میں ان پر اکثر غور کرتا ہوں یہ تمام القاب مجھے رب رحمان و رحیم کے محسوس ہوتے رہے ہیں مثلاً آقا و مولا تک تو بات ٹھیک ہے لیکن اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو "مولائے کل" کہا جائے تو پھر اللہ تعالیٰ کے لیے کیا کہیں گے؟ ہمارے سامنے "رحمت للعالمین" رسول مقبول "نبی کریم" "حبیب خدا" وغیرہ جیسے القاب بھی تو ہیں بہرحال میری خواہش ہے کہ اس طرف بھی کوئی صاحب علم مضمون نگار توجہ دے تو کیا ہی اچھی بات ہو گی اگر علامہ اقبال اور مولانا حضرات کچھ کہتے ہیں تو اسے سند بنا کر سب کو قائل کرنے کی ضرورت نہیں ضرورت اس بات کی ہے کہ بذریعہ تحقیق غلط اور درست کا فیصلہ کیا جائے۔

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی، لاہور

میں نے نعت رنگ کے شمارہ ۳ کو پڑھا۔ ماشاء اللہ بڑے اچھے انداز میں مقالات آئے۔ پھر خطوط کے ذریعہ اہل علم کے تاثرات پڑھ کر ایک گونہ مسرت ہوئی نعت خواں حضرات کے اعلیٰ مقام کے ساتھ ان کی مجلسی فروگزاشتوں کو جس انداز میں پیش کیا گیا ہے اس سے کوئی ایسا انکار نہیں کر سکتا جس نے انہیں مجلس نعت میں دیکھا یا سنا ہے۔ آپ چند صفحات میں معلومات اور تاثرات کا ایک سمندر بند کر دیتے ہیں اور اتنے خوبصورت انداز میں ہم تک پہنچاتے ہیں کہ دل کھل اٹھتا ہے۔

(ریٹائرڈ) جسٹس کوکب حیدر آبادی۔ نیویارک (امریکہ)

اردو مرکز نیویارک کی لائبریری میں آپ کی مرتب کردہ کتاب "نعت رنگ" نظر نواز ہوئی کتاب کا بیشتر حصہ زیر مطالعہ رہا۔ آپ نے نعتیہ ادب کے حوالے سے بڑی اہمیت کے حامل مضامین کو یکجا کیا ہے،

موجودہ شمارے میں شائع ہونے والے مکتوبات سے ان کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ آپ نے نوجوانی کے عالم میں جس کام کا بیڑا ہے اور اس ضمن میں انتہائی ثابت قدمی اور انہماک سے آپ نے جس سفر کا آغاز کیا ہے وہ پاکستان بھر کے نوجوانوں کیلئے ایک نمونہ ہے۔ میرا تعلق حیدر آباد (بھارت) سے ہے تاہم گزشتہ ۱۷ برس سے یہاں مقیم ہوں۔ میرے کرم فرما جناب رشید وارثی صاحب سے یہاں ملاقات ہوئی اور ان کی زبانی آپ کے محاسن جان کر آپ سے ملاقات کا اشتیاق سا پیدا ہو گیا ہے۔ امید ہے آپ اس سلسلے کو مزید آگے بڑھائیں گے اور ویسے بھی آپ کے ساتھ خدا اور اس کے رسولؐ کی خاص عنایت ہے یہ کام ممکن نہ تھا۔ میری دعا ہے اللہ تعالیٰ اپنے حبیبؐ کے صدقے آپ کو اس کار خیر اور نعت رسولؐ کو فروغ دینے کی مزید صلاحیتوں اور توانائی سے نوازے۔

مس آشو ساہنی۔ دہلی (ہندوستان)

"نعت رنگ" (نعتیہ ادب کا کتابی سلسلہ) پر یو۔ پی گورنمنٹ کے ادبی ماہنامہ "نیا دور" کے تازہ شمارہ میں مختصر سا تبصرہ دیکھا۔ میری تو کیا ہوتی' پیاس اور بھڑک اٹھی' حتیٰ کہ اس اشتیاق تک پہنچ گئی کہ کتاب مذکورہ کا "سراپا" دیکھا جائے۔

اب آپ کی خدمت میں آپ کی ایک عزیزہ کے ناتے گزارش ہے کہ اگر آپ کی گنجائشیں اجازت دیں تو براہ کرم ناچیز کو "نعت رنگ" کی ایک جلد سے نواز کر شرف عنوئیت سے سرفراز فرمائیں۔ "شکریہ" پیشگی بھی پیش ہے!

اپنے بارے میں صرف اتنا ہی کہنا چاہوں گی کہ پنجابی زبان "گورمکھی" کی ایک ناول نگار اور چھوٹی موٹی شاعرہ ہوں۔ پنجابی کی نگارشات لاہور سے شائع ہونے والے "ادب دوست" (ماہ نامہ) میں بھی شائع ہو چکی ہیں۔ بھارت (پنجاب) میں تو ہوتی ہی رہتی ہیں۔ ایم۔ اے۔ بی ایڈ ہوں۔ مگر اردو تن من دھن لگا کر سیکھی ہے اور آج کل اس میں بھی لکھنے اور کہنے کی مشق کر رہی ہوں... نعتیہ کلام سے بے حد عقیدت ہے' اسی لیے آپ کو زحمت دے رہی ہوں کہ "نعت رنگ" کے نعتیہ ادب سے استفادہ کر سکوں۔

شاہ انجم... حیدر آباد

نعت رنگ ہر لحاظ سے عمدہ ہے۔ اس کے تحقیقی مقالات کو تنقیدی و تاثراتی مضامین اور پیش کردہ نعتیہ کلام نہایت عمدہ اور معیاری ہیں پھر یہ کہ انہیں جس سلیقے اور خوب صورتی سے پیش کیا گیا وہ الگ تحسین کا مستحق ہے۔

رشید وارثی صاحب اور عزیز احسن صاحب کے مضامین نہایت عمدہ تھے یہ حضرات بجا طور سے مبارک باد کے مستحق ہیں! سبحان اللہ، اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔ پروفیسر عاصی کرنالی اور ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کے مضامین بھی خوب ہیں۔ خطوط کا سلسلہ بھی پسند آیا بڑے دل چسپ اور عالمانہ خطوط پڑھنے کو ملے۔ خدا کرے آپ کا یہ کتابی سلسلہ مزید ترقی کرے اور طویل عمر پائے۔ آمین

حافظ معزالدین...لاہور

آپ کی ادارت میں شائع ہونے والے "نعت رنگ" کا شمارہ نمبر ۳ اس وقت میرے ہاتھ میں ہے۔ اور اس کے بیشتر مضامین کا میں مطالعہ کر چکا ہوں۔ بہت خوب صورت اور معلوماتی کتاب شائع کی ہے آپ نے خدا آپ کو خوش رکھے۔ کچھ تاثرات لکھنے کی جسارت کی ہے۔ امید ہے کہ توجہ دی جائے گی۔

کتاب کے شروع میں اردو نعت کے عناصر خمسہ کی ترتیب میں اگر آپ سے اور آپ کے معاونین سے چوک ہوئی تو اللہ معاف کرے۔ لیکن اگر عمداً" ایسا کیا ہے تو بڑی ناانصافی کی ہے۔ بھلا نعت میں اقبال اور مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی پر حالی کو مقدم رکھنے کا کیا جواز ہے؟

کتاب میں پہلا مضمون جو رشید وارثی صاحب نے لکھا ہے۔ بہت معلوماتی ہے۔ اور نعت لکھنے اور پڑھنے والوں کیلئے افادیت کا حامل ہے۔ لیکن اس کا اختتام اس طرح کیا گیا ہے جیسے سو کی اسپیڈ سے چلتی ہوئی گاڑی کو اچانک بریک لگا دیا گیا ہو۔ ایسے مضمون کیلئے مزید صفحات کی کمی محسوس ہوتی ہے۔ اس کے بعد نعت پر تنقید (دوسرا رخ) کے عنوان سے عاصی کرنالی صاحب نے مفید باتیں لکھی ہیں۔ جن کا تنقید لکھنے والوں کو خیال رکھنا چاہیے۔ پھر اردو نعت اور جدید اسالیب کے عنوان سے عزیز احسن صاحب نے جم کر لکھا ہے اور بہت جدید شعر منتخب کئے ہیں۔ اسی طرح ہندوستان سے ڈاکٹر عصمت جاوید اور ڈاکٹر نعیم عزیزی صاحب کے مضامین بھی فکر انگیز ہیں۔ پروفیسر افضال احمد صاحب کے طویل مضمون میں نعت خوانوں کی اصلاح کیلئے تفصیلی نشاندہی کی گئی ہے البتہ بہت سی باتیں محض طول مضمون کا سبب ہیں۔

اردو میں نعت کا مستقبل کے عنوان سے ڈاکٹر ابوالخیر کشفی صاحب کا فیچر موضوع کی وسعت کے اعتبار سے پُس پُسا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب موصوف کا نام برکت کیلئے شامل کیا گیا ہے۔ اسی طرح جاذب قریشی صاحب کی شاعری پر تعریفی مضمون لکھتے ہوئے عزیز احسن صاحب کے قدم لڑکھڑا گئے ہیں اور انکی تحریر غیر متوازن ہو گئی ہے۔ بعض دیگر مفروضات کے علاوہ ان کا یہ لکھنا "لیکن مذہبی شاعری تا حال اسمٰعیل میرٹھی کی سادگی اور حالی کی تاریخ نویسی سے کچھ زیادہ آگے نہیں بڑھی" موصوف کے محدود مطالعے کی غمازی کرتا ہے۔ اگر احسن صاحب نے صرف اقبال کے کلام کو سمجھنے کی کوشش کی ہوتی تو شاید "مذہبی شاعری" کی بے محل اصطلاح استعمال نہ کرتے۔ اور تجریدی آرٹ کی طرح جاذب صاحب

کے شاعری کے محاسن بیان نہ کرتے۔ ایسے ہی غلو آمیز تبصروں نے نعتیہ کلام کو نقصان پہنچایا ہے۔

میرے محترم! ماقبل تحریر کردہ تاثرات سے قطع نظر اس گرانی اور عدیم الفرصتی کے دور میں اتنا ضخیم اور بامعنی میٹریل فراہم کرنا ایک کارنامے سے کم نہیں۔ اس کیلئے آپ کی کوششوں کی داد نہ دی جائے تو ناانصافی ہوگی۔

خدا آپ کو مزید ہمت اور وسائل عطا فرمائے۔ آمین

شاہنواز مرزا... کراچی

"نعت رنگ" دیکھا جی خوش ہو گیا گذشتہ دنوں دونوں شماروں سے بڑھ کر پایا اپنی تزئین، ترتیب اور مضامین کے اعلیٰ معیار کے انتخاب میں بھی یہ تیسرا شمارہ اپنی مثال آپ تھا۔

بھائی! جس طرح نعت ایک کلمہ گو کے دین ایمان اور آخرت کیلئے ایک کامل وسیلہ ہے اسی طرح یہ مسلمانوں کی دینی ثقافت، تہذیب ادب اور عقیدت و جذبات کا بھرپور اظہار بھی ہے۔

ہماری فکر و نظر کے سب زاویے اور قلب و ذہن کے تمام رنگ جب نعت رنگ سے ہم آہنگ ہو جاتے ہیں تو پھر یقیناً" روح میں وہی سرشاری اور ایمان میں وہی حلاوت نصیب ہوتی ہے جو اس عمل کا خاصہ اور نتیجہ ہے اور میرا تو یہ ایمان ہے کہ ایک امتی جس قدر اپنے آقا و مولا کے حضور اخلاص عمل اور پاکیزگی قلب کے ساتھ حاضر ہوتا ہے اسی قدر عشق و گداز اور تقرب اس کا مقدّر بن جاتے ہیں۔ خداوند عزّوجل کا فضل و کرم اور خاص انعام ہے کہ اس نے ہمیں نعمت نعت سے سرفراز کیا ورنہ ورفعنا لک ذکرک کے سامنے ہم کیا اور ہماری بساط کیا۔ نعت رنگ کے تیسرے سلسلے کے تمام مضامین اپنے اپنے رنگ میں خوب تھے پروفیسر افضال احمد انور صاحب کا مقالہ نعت خوانی اور اس کے متعلقات خصوصی توجہ کا حامل رہا۔ اگرچہ بہت سے امور پر اختلاف کیا جا سکتا ہے پھر بھی مجموعی طور پر نعت خوانی کے موجودہ ماحول پر انکا سیر حاصل جائزہ و تبصرہ حقیقتوں کا ترجمان ہے ابھی انہیں مضامین کی بازگشت ذہن میں تھی کہ رمضان المبارک میں افطار و سحر کے وقت نشر ہونی والی نعتوں پر خاص توجہ رہی اور یہ دیکھ کر دلی رنج ہوا کہ آج بھی ہمارے بہت سے سینئر نعت خواں فلمی دھنوں میں نعتیں پیش کرنے اور نشریاتی ادارے انہیں نشر کرنے میں کسی احتیاط اور احترام کو ملحوظ نہیں رکھتے۔ میں نام کسی کا نہیں لینا چاہتا کیونکہ سب ہی میرے حلقۂ احباب میں شامل ہیں۔ بس نعت رنگ کے توسط سے ان کی توجہ اس امر کی جانب مبذول کرانا چاہوں گا کہ عوامی مقبولیت سے قطع نظر مرکز و محور ذات ختمیٔ مرتبت ہی رہے اور احترام اور پاس ادب ملحوظ رہے کہ یہ دربار رحمت للعالمین کا تقاضہ بھی ہے اور ہمارے دین و ایمان کے سلامت رہنے کا ذریعہ بھی۔ نعت رنگ کی باقاعدہ خوب سے خوب تر اور نئے مضامین کی جستجو اور کاوشوں پر ایک بار پھر مبارک باد

ایک گمنام قاری... کراچی

(نعت رنگ) کی اشاعت پر مبارک باد قبول کریں یہ کتاب (رسالہ) بک اسٹالوں پر دستیاب نہیں جو لوگ آپ کے منظور نظر ہیں ان کو تو مل جاتا ہے ہم جیسوں کو نہیں ملتا ورنہ اس گرانی کے دور میں کسی نہ کسی طرح اپنے اخراجات کو محدود کر کے مطالعہ کرتے بہرحال جو بندہ پابندہ! پہلا شمارہ کسی صاحب کے پاس دیکھا لیکن اس کو تفصیلی طور پر نہ پڑھ سکا دوسرا شمارہ قدرے فرصت سے دیکھا ماشاء اللہ! رب العالمیں نظرِبد سے بچائے "اٹھان اچھی ہے" انشاء اللہ پروان چڑھے گا۔ مضامین اور ان کا انتخاب حسنِ نظر کا آئینہ دار۔

آپ نے تنقیدی مضامین کا جو سلسلہ شروع کیا وہ قابل تحسین لیکن مضمون نگار صاحبان جناب رشید قدوائی اور عزیز احسن صاحب اپنی تحریروں میں جذبات میں کچھ زیادہ ہی بڑھ گئے اور بقول سعدی "عیب نماید ہنرش در نظر" شعر کی خوبیاں اور اس کے تحت شعوری جذبات تک ان کی توجہ نہیں ہوئی سرسری نظر میں انہوں نے محاسن کے بارے میں نظر نہ کی اور اپنی نظر سے معائب کو ہی دیکھا حالانکہ بعض اشعار ان کے اعتراض کی زد میں نہیں آتے اور بقول جناب فرمان فتح پوری "کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے جن الفاظ و خیالات کو نسبت ہو جائے وہ میرے نزدیک تنقید مروّجہ سے بلند و بالا تر ہو جاتے ہیں صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ بعض وجوہ سے محترم عزیز صاحب اور رشید وارثی صاحب کے مضامین بطور خاص پسند آئے۔"

محدود علم رکھنے والے راقم الحروف کو بھی یہ کہنے کی جسارت ہو رہی ہے خدارا ان جذبات کو دیکھا جائے جن کے زیرِ اثر یہ اشعار زیرِ نظر آئے اور کوئی شعر حقیقتاً "ایسا ہے بھی جو اعتراض کے قابل نہیں ورنہ جس طرح شعر کہنے والے پر اعتراض کیا ہے کہیں ہم پر بھی اعتراض نہ ہو جائے۔

نفسِ مضمون جو جناب رشید وارثی صاحب نے بڑی محنت اور کاوش سے لکھا ہے اس میں نعت گو حضرات پر جو اعتراض کئے ہیں وہ الگ موضوع ہیں لیکن اعتراض میں موصوف نے جو انداز اپنایا ہے وہ خود قابل اعتراض ہے (ص ۳۶ نعت رنگ شمارہ ۲) کی پہلی سطر میں معترض موصوف نے لکھا ہے "مذکورہ شعر کے خالق شاعر محترم کو یہ سعادت حاصل ﷺ آگے جو کچھ لکھا ہے اس سے بحث نہیں صرف خط کشیدہ لفظ قابل توجہ ہے "خالق" اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات میں ہے کیا کسی عام مسلمان کے اوپر اسکا اطلاق درست ہو گا (میرے پاس کتب خانہ میں اپنی علمی لیاقت کے مطابق چند کتابیں ہیں انہیں سے استفادہ کرتے ہوئے لفظ خالق کے بارے میں یہ وضاحت پیش کرتا ہوں)

اردو کی مشہور لغت " لغاتِ کشوری ص ۱۶۴ پر لفظ خالق کے معنی پروردگار لکھے ہیں اور اسی لغت میں پروردگار کے معنی ص ۸۳ پر اسطرح لکھے ہیں "خدا تعالیٰ پالنے والا" اب ان معانی کی وجہ کسی شخص کے

لیے لفظ خالق کا استعمال کو فاضل تنقید نگار درست قرار دیں گے؟

محترم تنقید نگار نے "معنوی تنقید کیا ہے" کے عنوان کے ذیل میں تنقید کی کئی قسمیں گنوائی ہیں اور ان سب کا "مخرج و منبع مغرب رہا ہے" یعنی یہ اقسام (جو خود ساختہ ہیں) مغرب کی رہین منت ہیں اس کے بعد تو موصوف نے تنقید کی اشکال و جہات کے بارے میں جو لکھا ہے مجھے اس پر فی الوقت کچھ نہیں کہنا میں صرف قوسین کے جملہ کے بارے میں یہ معلوم کرنے کی جسارت کرونگا کہ مغرب کے سر تنقید کا سہرا باندھنے کی وجہ کیا ہے؟ عربی ادب پر میرا مطالعہ نہیں لیکن اتنا ضرور سنا ہے کہ عربی ادب کے شہ پارے تنقید سے بچے نہیں ہیں اور شعرائے عرب نے ان پر دل کھول کر تنقید کی ہے مشہور واقعہ جس کو جناب ادیب رائے پوری نے مشکوٰۃ النعت میں نقل کیا ہے کہ جناب حسان رضی اللہ عنہ پر عرب کی شاعرہ خنساء نے کیسی تنقید کی تھی لیکن جناب رشید وارثی صاحب شاید یہ فرمائیں کہ یہ تنقید معنوی نہ تھی بلکہ لفظی تھی بہر حال تنقید تو تھی جو ظاہر کرتی ہے کہ ماضی میں مغرب کے علاوہ بھی تنقید کا تصور موجود تھا اب یہ اعتراض بھی ہو سکتا ہے کہ عرب بھی (غیر منقسم ہندوستان) پاکستان و ہندوستان کے مغرب میں ہے لہٰذا وارثی صاحب نے درست فرمایا ہے۔ اس جغرافیائی حقیقت سے انکار نہیں لیکن عمومی طور پر "مغرب" کا لفظ جس طرح استعمال ہوتا ہے اس سے اہل علم واقف ہیں میں مزید کہہ کر مضمون کو طویل نہیں کرنا چاہتا۔

محترم وارثی صاحب نے اعتراضات کو واضح کرنے کے لیے جو عنوانات قائم کیے ہیں وہ بذات خود قابل توجہ ہیں اس اعتراض کو واضح کرنے کے لیے وہ خود تو ادب کا پہلو اختیار فرما سکتے تھے "خدائے مجبور" "خدائے فانی" خدا کے حاجت مند، خدائے محکوم وغیرہ وغیرہ۔

"رقیب خدا" یہاں میں نفس مضمون میں شاعر کا دفاع نہیں کرونگا صرف لفظ رقیب کے سلسلے میں یہ عرض کروں کہ اس لغت کشوری میں رقیب کے معنی "دربان" کے بھی لکھے ہیں۔ اور اگر رقیب کے معنی محافظ اور نگہبان کے بھی لئے جائیں تو یہ مفہوم ہو سکتا ہے میں خدا کا مقرر کردہ محافظ اور نگہبان ہوں جیسا کہ انبیاء علیہم السلام کو رقیبان راز کہا گیا ہے اور چوکیدار کو رقیبان شب کہا جاتا ہے۔

ایک جگہ محترم وارثی صاحب نے عنوان قائم کیا "مواہب الٰہیہ کی تحدید" عربی کی ایک مشہور لغت منتخب اللغات میں مواہب "کے معنی بخشش بتائے گئے ہیں یہ ترکیب تو درست کہی جا سکتی ہے لیکن ایک سرخی انہوں نے لکھی ہے عربی قواعد کی رو سے یہ ترکیب (جیسا کہ عربی دان حضرات نے بتایا) درست نہیں معلوم ہوتی یہاں تکفیر کی بجائے اردو زباں کی انکار ہونا چاہئے تھا۔ اردو زبان میں تکفیر کا لفظ عموماً اثبات کفر و ایمان کے بارے میں استعمال ہوتا ہے اور ایسے مواقع پر تکفیر کا نہیں بلکہ انکار کا لفظ لکھا جاتا ہے۔ چونکہ مضمون تنقید سے متعلق تھا اور دوران مطالعہ جو باتیں ذہن میں آئیں انہیں سے چند تحریر کردیں اور ان کے لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ جب آپ ایسے مضامین شریک اشاعت کریں تو اس کے ساتھ

یہ لکھیں کہ ادارہ کا مضمون نگار سے متفق ہونا ضروری نہیں لیکن ستم تو یہ ہے کہ ایسے مضامین خود ایسے حضرات کے ہیں جو آپ کے معاونین ہیں۔ مجھے امید ہے کہ فاضل تنقید نگار اور آپ کھلے دل سے ان سطور کا خیر مقدم کریں گے میرا مقصد یہ نہیں اور نہ میں کہوں گا کہ اس کو شریک اشاعت کریں بلکہ اس کی اشاعت سے منع بھی نہیں کرونگا صرف اصلاح مقصود ہے کہ آیندہ احتیاط سے کام لیں اور نعت گوئی پر تحدید نہ لگائیں ورنہ تنقید کے پردہ میں بعض منوبین نعت اپنے مذموم مقاصد میں کامیاب ہو جائیں گے۔ یہاں یہ بات واضح کروں کہ محترم جناب رشید وارثی صاحب اور جناب عزیز احسن صاحب نے جن اشعار پر تنقید فرمائی ان میں سب ہی تنقید کے زمرے میں نہیں آتے چند اشعار ایسے ہیں جو قابل اعتراض ہیں ان اشعار کی نشاندھی بشرط فرصت انشاء اللہ پیش کرنے کی کوشش کرونگا' طالب خیر آپ کا ایک مخلص اور قدردان۔



"اشاریہ نعت رنگ"

نعتیہ ادب کا علمی و تحقیقی کتابی سلسلہ

شمارہ نمبر ۱، اپریل ۹۵ء

شمارہ نمبر ۲، دسمبر ۹۵ء

شمارہ نمبر ۳، ستمبر ۹۶ء

مرتبہ :- مصباح العثمان

لائبریرین غالب لائبریری

"ترتیب"

عنوان

"اداریے"

صبیح رحمانی

۱۔ ابتدائیہ (نعت کو رطب یابس اور شعراء کے غیر محتاط رویّوں سے محفوظ رکھنے کی پہلی سنجیدہ اور باقاعدہ کوشش) شمارہ نمبر۱ اپریل ۹۵ء ص۔۸

۲۔ ابتدائیہ ("نعت رنگ" کے ذریعے نعتیہ ادب کے فروغ کی کوشش) نئے دکھ (حضرت عبدالعزیز شرقی، اختر لکھنوی اور ڈاکٹر آفتاب نقوی کی رحلت) شمارہ ۲۔ دسمبر ۹۵ء ص ۱۱-۹

صبیح رحمانی ۳۔ احوال ("نعت رنگ" میں ادبی و فنی پہلوؤں پر زور دینے کی پہلی کوشش) ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی، افسر ماہ پوری، صہبا اختر، اور رضی دہلوی کی وفات پر دنیائے نعت سوگوار شمارہ ۳، ستمبر ۹۵ء ص ۱۲-۹

مقالات (الف)

۱۔ آفتاب احمد نقوی ڈاکٹر

۱۔ تخلیق پاکستان اور ہماری نعتیہ شاعری شمارہ ۱، اپریل ۹۵ء ص ۶۳۔ ۵۷

۲۔ پاکستان میں نعت نمبروں کی روایت۔ چند مزید نعت نمبر۔ شمارہ ۱، اپریل ۹۵ء ص ۷۳-۷۱

۲۔ آل احمد رضوی، سید

نعت کا سفر.... (تحریر و تحقیق) شمارہ نمبر۱، اپریل ۹۵ء ص ۵۷۔ ۲۱

۳۔ ادیب رائے پوری

نعتیہ ادب میں تنقیدی شعور کا وجود۔ شمارہ نمبر۱، اپریل ۹۵ء ص ۱۶۴۔ ۱۵۱

۴۔ اسحاق قریشی، ڈاکٹر محمد

نعت سرور کائنات۔ ایک منفرد صنف سخن شمارہ نمبر۱، اپریل ۹۵ء ص ۱۳۷-۱۳۱

۵۔ افضال احمد انور، پروفیسر

نعت خوانی کے آداب اور اصلاح احوال و متعلقات شمارہ ۳، ستمبر ۹۶ء ص ۲۰۱۔ ۱۵۰

۶۔ افضل فقیر، حافظ محمد

نعت کا تمثالی اسلوب نظم شمارہ نمبر ۲، دسمبر ۹۵ء ص ۲۶۔ ۵۱

۷۔ اقبال جاوید، پروفیسر محمد

"بانگ درا" کا نعتیہ تب و تاب شمارہ نمبر ۳، ستمبر ۹۶، ص ۱۱۳۔ ۱۰۴

"ج"

۸۔ جاذب قریشی

نعت گوئی ایک عظیم سچائی، ایک بے کنار موضوع شمارہ ۱، اپریل ۹۵ء ص ۷۰۔ ۶۵

"ر"

۹۔ رشید محمود، راجا

انتخاب نعت شمارہ نمبر ۱، اپریل ۹۵ء ص ۱۰۳۔ ۸۳

۱۰۔ رشید وارثی

۱۔ نعت نگاری میں ذم کے پہلو۔ شمارہ نمبر ۱، اپریل ۹۵ء ص ۲۰۳۔ ۱۲۶

۲۔ اردو نعت میں شان الوہیت کا استخفاف۔ شمارہ نمبر ۲، دسمبر ۹۵ء ص ۶۳۔ ۳۸

۳۔ اردو نعت میں انبیائے سابقین کی رفعت شان کا استعمار۔ شمارہ نمبر ۳، ستمبر ۹۶ء ص ۳۵۔ ۱۳

"س"

۱۱۔ سحر انصاری پروفیسر

گلبن نعت (کسی خاتون کی جانب سے اردو کا پہلا نعتیہ مجموعہ) شمارہ نمبر ۲، دسمبر ۹۵ء ص ۱۳۱۔ ۱۱۹

۱۲۔ سعید بدر نعت کیا ہے؟ شمارہ نمبر ۱، اپریل ۹۵ء ص ۲۰۔ ۱۲

"ش"

۱۳۔ شبیر احمد قادری

۱۔ استغاثہ و فریاد (جدید نعتیہ ادب اور بارگاہ نبوت میں استمداد شمارہ نمبر ۲، دسمبر ۹۵ء

ص ۱۳۴۔ ۱۳۳

۱۴۔ شبیر احمد قادری

۲۔ فیصل آباد کا نعتیہ منظر نامہ شمارہ نمبر ۳، ستمبر ۹۶ء ص ۲۰۹۔ ۲۰۲

۱۵۔ شارق شفیق الدین

عصر حاضر میں نعت نگاری شمارہ ۲' دسمبر ۹۵ء ص ۱۶۶-۱۳۵

۱۶- شاہ محمد تبریزی' مولانا

نعوت قرآن اور شاعری شمارہ ۳' ستمبر ۹۶ء ص ۱۴۹-۱۳۵

"ص"

۱۷- صبیح رحمانی

۱- نعتیہ شاعری میں ہائیکو کی روایت شمارہ نمبر ۱' اپریل ۹۵ء ص ۸۲- ۷۵

۲- دبستان کراچی کی نعتیہ شاعری شمارہ نمبر ۲' دسمبر ۹۵ء ص ۱۷۷-۱۶۷

"ع"

۱۸- عاصی کرنالی' پروفیسر

۱- ممنوعات نعت شمارہ نمبر ۱' اپریل ۹۵ء ص ۱۵۰' ۱۳۹

۲- اردو حمد و نعت پر فارسی روایت کے اثرات شمارہ ۲' دسمبر ۹۵ء ص ۳۷-۲۷

۱۹- عاصی کرنالی' پروفیسر

۳- نعت پر تنقید (دوسرا رخ) شمارہ نمبر ۳' ستمبر ۹۶ء ص ۴۳- ۳۶

۲۰- عبدالنعیم عزیزی' ڈاکٹر

امام احمد رضا اور محسن کاکوروی شمارہ ۳' ستمبر ۹۶ء ص ۱۰۳-۸۸

۲۱- عزیز احسن

۱- نعت نبیؐ میں زبان و بیان کی بے احتیاطیاں شمارہ ۱' اپریل ۹۵ء ص ۲۳۶-۲۰۵

۲- نعت اور شعریت شمارہ ۲' دسمبر ۹۵ء ص ۱۱۷- ۶۳

۲۲- عزیز احسن

۳- اردو نعت اور جدید اسالیب شمارہ نمبر ۳' ستمبر ۹۶ء ص ۷۸- ۴۴

۴- جاذب قریشی جدید ترلیجے کا شاعر شمارہ نمبر ۳' ستمبر ۹۶ء ص ۲۳۵-۲۲۹

عصمت جاوید' ڈاکٹر

اردو نعت گوئی میں عقیدت و محبت کا اظہار شمارہ نمبر ۳' دسمبر ۹۵ء ص ۸۷-۷۹

۲۴- غوث میاں

پاکستان میں نعتیہ انتخاب شمارہ نمبر ۱' اپریل ۹۵ء ص ۱۳۹-۱۰۵

"ک"

۲۵۔ کشفی، ڈاکٹر سید ابوالخیر
اردو نعت کا مستقبل (ریڈیو فیچر) شمارہ ۳، ستمبر ۹۶ء ص ۲۲۳۔۲۱۰

"مذاکرہ"

شرکاء۔ سحر انصاری، پروفیسر اور پروفیسر آفاق صدیقی، جاذب قریشی
عہد جدید کی نعت نگاری (مذاکرہ) شمارہ ۲، دسمبر ۹۵ء ص ۱۹۵۔۱۸۷

"نعت گو"

۱۔ اسلم فرخی، ڈاکٹر
تابش دہلوی کی نعتیہ شاعری (تابش دہلوی کے نعتیہ مجموعے "تقدیس" کے حوالے سے) شمارہ نمبرا، اپریل ۹۵ء ص ۲۸۸۔۲۸۳

۲۔ اشفاق، ڈاکٹر سید رفیع الدین
حضرت حفیظ تائب کی نعت گوئی شمارہ نمبرا، اپریل ۹۵ء ص ۲۸۲۔۲۷۱

۳۔ اقبال جاوید، پروفیسر محمد
نذیر قیصر۔۔۔ ایک قابل قدر مسیحی نعت گو شمارہ نمبر۲، دسمبر ۹۵ء ص ۲۲۲۔۲۲۳

"ت"

۴۔ تابش دہلوی
حنیف اسعدی کی نعت گوئی شمارہ نمبرا، اپریل ۹۵ء ص ۲۹۷۔۲۹۲

۵۔ تائب، پروفیسر حفیظ
نعت خوان و نعت نگار محمد اعظم چشتی شمارہ ۳، ستمبر ۹۶ء ص ۲۲۸۔۲۲۲

"س"

۶۔ سعید بدر
روشنی اور خوشبو کا نعت گو شاعر (صبیح رحمانی) شمارہ ا، اپریل ۹۵ء ص ۳۳۱۔۳۲۱

۷۔ سلیم فاروقی
حافظ منیر الدین احمد سندیلوی کی نعتیہ شاعری شمارہ ۳، ستمبر ۹۶ء ص ۱۳۴۔۱۱۵

"ع"

عاصی کرنالی

۱۔ مظفر وارثی کی نعت اور گلاب شمارہ نمبر ۱ اپریل ۹۵ء ص ۲۹۱۔۲۸۹

۲۔ سید قمر زیدی حمد و نعت کے آئینے میں شمارہ نمبر ۱ اپریل ۹۵ء ص ۳۲۰۔۳۱۷

عزیز احسن

شاہ انصار الہ آبادی کی نعتیہ شاعری۔ کیف حضوری کی شاعری شمارہ نمبر ۱۔ اپریل ۹۵ء ص ۳۱۰۔۳۰۴

"ک"

کشفی، سید محمد ابوالخیر

ہشام علی حافظ کی نعتیہ شاعری... ایک تاثر۔ شمارہ نمبر ۲، دسمبر ۹۵ء ص ۲۲۱۔۲۱۷

خاکے "ب"

بلقیس شاہین

۱۔ محبت کی گواہی (خاکہ۔ حفیظ تائب) شمارہ ۲، دسمبر ۹۵ء ص ۲۶۰۔۲۵۵

۲۔ ہمارے ابا (یعنی جمیل نقوی) شمارہ ۳، ستمبر ۹۶ء ص ۲۸۵۔۲۷۸

گوشۂ ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی

"الف"

۱۔ "ادارہ نعت رنگ"

ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی ایک نظر میں۔ شمارہ ۲، دسمبر ۹۵ء ص۔ ۲۶۳

۲۔ اخلاق عاطف علم و ادب کا قتل، شمارہ ۲، دسمبر ۹۵ء

۳۔ اصغر علی، پروفیسر رانا

آفتاب میرا ساتھی شمارہ ۲، دسمبر ۹۵ء ص ۲۷۹۔۲۷۷۔

"ت"

۴۔ تعزیت نامے

ڈاکٹر وحید قریشی، ڈاکٹر ابوالخیر کشفی، پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری، احمد ندیم قاسمی، تابش دہلوی، منیر نیازی، انتظار حسین، شہزاد احمد، ڈاکٹر انور سدید، پروفیسر عبدالکریم خاں، امجد اسلام امجد، ڈاکٹر معین الرحمٰن، ظفر اقبال، ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی، سحر انصاری، حنیف اسعدی، ڈاکٹر مظفر عباس، حسن رضوی،

صائم چشتی' ڈاکٹر ریاض مجید' ڈاکٹر اسلم رانا' خالد شفیق' امان اللہ خان' سید آل احمد رضوی' رشید وارثی' عزیز احسن' شبیر احمد قادری' محمد عرفان خاں' غوث میاں

۴۔ تعزیت نامے

ڈاکٹر تحسین فراقی' ڈاکٹر شہباز ملک' جعفر بلوچ' سید مرتضیٰ زیدی' شمارہ ۲' دسمبر ۹۵' ص ۲۹۳۔ ۲۸۲

۵۔ تائب' حفیظ

ڈاکٹر سید آفتاب احمد نقوی شہید کے لئے چند آہیں' چند آنسو شمارہ ۲' دسمبر ۹۵ء ص ۲۷۶۔ ۲۷۵

"ح"

۶۔ حافظ لدھیانوی

ڈاکٹر آفتاب نقوی کی یاد میں شمارہ ۲' دسمبر ۹۵ء ص ۲۷۳۔ ۲۷۲۔

"ر"

۷۔ ریاض حسین چودھری

شہید پروفیسر ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی پر ایک قطعہ شمارہ ۲' دسمبر ۹۵ء ص۔ ۲۷۱

"ص"

۸۔ صبیح رحمانی گوشہ آفتاب احمد نقوی شمارہ ۲' دسمبر ۹۵ء ص۔ ۲۶۳

"ظ"

۹۔ ظہور احمد اظہر' ڈاکٹر آہ ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی شمارہ ۲' دسمبر ۹۵ء ص ۲۷۱۔ ۲۶۹

۱۰۔ عطاء الحق قاسمی ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی شمارہ ۲' دسمبر ۹۵ء ص ۲۷۱۔ ۲۶۳

"م"

۱۱۔ میرزا ادیب

ایک آنسو آفتاب نقوی کے المناک حادثۂ موت پر شمارہ ۲' دسمبر ۹۵ء ۲۶۸۔ ۲۶۷

"حمد" ت

۱۔ تائب' حفیظ

۱۔ "حمد کب آدمی کے بس میں ہے" شمارہ ۲' دسمبر ۹۵ء ص۔ ۱۳

۲۔ "تو خالق ہر عالم کا یا حی یا قیوم" شمارہ ۳' ستمبر ۹۶ء ص۔ ۸

"ج"

۲۔ جمیل ملک حرف ثناء (حمدیہ ہائیکو) شمارہ ۱' اپریل ۹۵ء ص۔۱۰

"س"

۳۔ سحر انصاری خالق برتر (حمدیہ نظم) شمارہ ۱' اپریل ۹۵ء ص۔۹

۴۔ سرشار صدیقی

حرف ثناء (حمدیہ ہائیکو) شمارہ ۱' اپریل ۹۵ء ص۔۱۰

"ص"

صبیح رحمانی ۱۔ حرف ثناء (حمدیہ ہائیکو) شمارہ ۱' اپریل ۹۵ء ص۔۱۰

۲۔ وہ نیتوں میں چھپے خیر و شر کو تولتا ہے شمارہ ۲' دسمبر ۹۵ء ص۔۱۴

"ق"

قاسمی' احمد ندیم اے خدا (حمدیہ نظم) شمارہ ۲' دسمبر ۹۵ء ص۔۱۳

"ن"

نجمی' محمد اقبال حرف ثناء (حمدیہ ہائیکو) شمارہ ۱' اپریل ۹۵ء ص۔۱۰

نعت

"الف"

۱۔ آفتاب مضطر تین نعتیہ ہائیکو شمارہ ۳' ستمبر ۹۶ء ص۔۳۲۸

۲۔ آل احمد رضوی' سید

"مطلع انوار حق کشف الوراء کی روشنی" شمارہ ۳' ستمبر ۹۶ء ص۔۲۴۷

۳۔ ابرار کرتپوری (نئی دہلی)

مشک سے ذکر کی ہر شعر پھول ہو جائے شمارہ ۲' دسمبر ۹۵ء ص۔۲۴۵

۴۔ اختر لکھنوی

ذکر سرکار ہوا جب سے ترانہ دل کا شمارہ ۱' اپریل ۹۵ء ص۔۲۴۵

۵۔ احسان کاکوروی

"یہ عرض آپ سے ہے اور بڑے ادب سے ہے" شمارہ ۲' دسمبر ۹۵ء ص۔۲۴۲

۶۔ احسن زیدی

یہ گنبد خضرا ہے' اسے جاں میں سمو لے شمارہ ۳' ستمبر ۹۶ء ص۔۳۱۱

۷۔ احمد صغیر صدیقی نعت رحمت للعالمین (نعتیہ نظم) شمارہ ۳' ستمبر ۹۶ء ص۔۳۱۵

۸۔ اسعد شاہجہانپوری
"عرب کا مہر عجم کا مہ تمام آیا" شمارہ ۱' اپریل ۹۵ء ص۔ ۲۴۷

۹۔ اسلم فرخی' ڈاکٹر محمد
۱۔ مدحت سرور کونینؐ تو کیا لکھی ہے' شمارہ ۱' اپریل ۹۵ء ص۔ ۲۵۳
۲۔ اے رونق بزم قدح اے سرور کونینؐ
۳۔ جلوہ فرما ہوئے سرکارؐ مبارک باشد ۴۔ مری رفتار کے دیکھو قرینے
۵۔ اٹھا آقا کے در سے فرخی آہستہ آہستہ ۶۔ حلقے میں لے لیا مجھے ماہ تمام نے
۷۔ ابتداء کہہ دیا' انتہا کہہ دیا (گوشہ ڈاکٹر محمد اسلم فرخی)
شمارہ ۲' دسمبر ۹۵ء ص۔ ۱۸۲۔۱۷۹

۱۰۔ اشتیاق طالب رحمت دو جہاںؐ آپ سا کون ہے شمارہ ۳' ستمبر ۹۶ء ص۔ ۳۱۳

۱۱۔ انیس ناز رحمانی
۱۔ نور محمدیؐ جو ازل سے سفر میں ہے۔ شمارہ ۱' اپریل ۹۵ء ص۔ ۲۵۴
۲۔ "اور دل پہ کیا لکھئے" شمارہ ۳' ستمبر ۹۶ء ص۔ ۳۱۰

افسر ماہ پوری
۱۔ جلال کبریا دل میں' جمال مصطفےٰؐ دل میں شمارہ ۱' اپریل ۹۵ء' ص۔ ۲۵۰۔۲۴۹
۲۔ وجہ تسکیں نہ زمیں ہے نہ زماں ہے ہم کو شمارہ ۳' ستمبر ۹۶ء ص۔ ۲۹۲

۱۳۔ افضال احمد انور "جو طبع سید مختارؐ کو منظور" شمارہ ۳' ستمبر ۹۶ء ص۔ ۳۲۳

۱۴۔ اقبال حیدر
۱۔ جلوۂ شہر نبیؐ دل کے نہاں خانے میں ہے شمارہ ۳' ستمبر ۹۶ء (قطعہ) ص۔ ۲۲۸
۲۔ ازل ابد آشنا محمدؐ تجلی کبریا محمدؐ شمارہ ۳' ستمبر ۹۶ء ص۔ ۳۱۳
۳۔ تین نعتیہ ہائیکو شمارہ ۳' ستمبر ۹۶ء ص۔ ۳۲۷

۱۵۔ امیر الاسلام ہاشمی
کوئی حد ہو تو بتلائیں کہاں سے اور کہاں تک ہے شمارہ ۳' ستمبر ۹۶ء

۱۶۔ انجم نیازی
اٹھا کر ہاتھ لوگوں میں دعائیں بانٹ دیتا ہوں شمارہ ۳' ستمبر ۹۶ء ص۔ ۳۰۹

۱۷۔ انور دہلوی

شاہوں میں بھی ہیں حلقہ بگوشان محمدؐ شمارہ ۱' اپریل ۹۵ء ص۔ ۲۴۹

۱۸۔ انور سدید

۱۔ یہ چاند چہرہ اقدس کا پھول ہو جیسے شمارہ ۱' اپریل ۹۵ء ص۔ ۲۵۵

۱۹۔ انور سدید

۲۔ رات کو خواب میں کعبہ کی زیارت کی ہے شمارہ ۳' ستمبر ۹۶ء ص۔ ۲۹۹

۲۰۔ انور مسعود حضورؐ (نعتیہ نظم) شمارہ ۳' ستمبر ۹۶ء ص۔ ۳۰۰

۲۱۔ انور شعور

کب مانتے ہیں کوئی ہدایت حضور کی شمارہ ۲' دسمبر ۹۵ء ص۔ ۲۴۲

"ب"

۲۲۔ بیکل اتساہی پانچ نعتیہ ہائیکو شمارہ ۳' ستمبر ۹۶ء ص۔ ۳۲۶

"ت"

۲۳۔ تابش دہلوی

۱۔ تضمین بر نعت قدسیؒ (مرحبا سید مکی مدنی العربی)

ذکر اوصاف ترا موجب راحت طلبی شمارہ ۲' دسمبر ۹۵ء ص۔ ۲۳۶

۲۔ جذبات نگاہیں ہیں اور دل مری آنکھیں ہیں شمارہ ۳' ستمبر ۹۶ء ص۔ ۲۹۰

۲۴۔ تحسین فراقی

زمانے کی جبیں پر جب بھی گمراہی کا بل آیا شمارہ ۳' ستمبر ۹۶ء ص۔ ۳۰۷-۳۰۶

۲۵۔ تشنہ' ظافر علی خاں

نعتیہ کجریاں (کجری۔ گیت کی ایک قسم ہے جو عموماً ہولی میں گاتے ہیں) شمارہ ۳'
ستمبر ۹۶ء ص۔ ۳۲۴

"ج"

۲۶۔ جاذب قریشی

مثالی آئینے میں آئینے خورشید رحمت کے شمارہ ۲' دسمبر ۹۵ء ص۔ ۲۳۹

۲۷۔ جلیل' حسن اختر

ان کی مدحت میں ادا ہو جو سخن اچھا ہے شمارہ ۲' دسمبر ۹۵ء ص۔ ۲۴۳

۲۸۔ جمیل عظیم آبادی نعتیہ دوہے شمارہ ۱، اپریل ۹۵ء ص۔ ۲۵۶

"ح"

۲۹۔ حاصل مراد آبادی
چراغ راہ ملا، رہنما اصول ملے شمارہ ۳، ستمبر ۹۶ء ص۔ ۳۱۳

۳۰۔ حافظ لدھیانوی
جذبۂ نو کی جھلک مدحت سرکارؐ میں ہو شمارہ ۱، اپریل ۹۵ء ص۔ ۲۴۹

۳۱۔ حقی، سید ابوالحسنات کانپور
انجام جس کا خوب، اس آغاز پر سلام شمارہ ۲، دسمبر ۹۵ء ص۔ ۲۴۴

۳۲۔ حنیف اسعدی
۱۔ مکاں پہ دیکھا، سرلامکاں لکھا دیکھا شمارہ ۲، دسمبر ۹۵ء ص۔ ۲۴۷

۳۳۔ حنیف اسعدی
۲۔ طالب و مطلوب رب میرے حضورؐ شمارہ ۳، ستمبر ۹۶ء ص۔ ۲۹۳

"خ"

۳۴۔ خاکی، عزیز الدین،
"خوشا نصیب کہ دل میں مکیں ہے یاد حضورؐ شمارہ ۳، ستمبر ۹۶ء ص۔ ۳۲۳

۳۵۔ خالد، عبدالعزیز۔ اے اولیں وجود، اے پیمبرؐ آخر شمارہ ۳، ستمبر ۹۶ء ص ۲۹۸۔ ۲۹۴

"ر"

۳۶۔ راغب مراد آبادی
عشق ہے سرور کونین کا دولت میری شمارہ ۱، اپریل ۹۵ء ص۔ ۲۸۴

۳۷۔ رشید محمود، راجا آب و یاد شہر آقاؐ تک رسا رخش خیال شمارہ ۳، ستمبر ۹۶ء ص۔ ۳۰۴

۳۸۔ رشید وارثی میلاد مصطفےٰ کے پانچ حرف کی فضیلت شمارہ ۳، ستمبر ۹۵ء ص ۳۱۸۔ ۳۱۶

۳۹۔ رونق حیات چار نعتیہ ہائیکو شمارہ ۳، ستمبر ۹۶ء ص۔ ۳۲۸

۴۰۔ رئیس احمد رئیس

جہاں احمد مرسل ہے باکمال بہت شمارہ ۳' ستمبر ۹۶ء ص۔ ۳۲۵

۴۱۔ ریاض حسین چوہدری

۱۔ کلک ثناء کو نور کی موجوں میں رکھ دیا شمارہ ۲' دسمبر ۹۵ء ص۔ ۲۴۱

۲۔ عذاب میں ہے مسلسل جہان' جاں آقا شمارہ ۳' ستمبر ۹۶ء ص ۳۰۶۔۳۰۵

۴۲۔ ریاض مجید

تری مدحت کے لئے وقف زباں ہو میری شمارہ ۳' ستمبر ۹۶ء ص۔ ۳۰۱

"ز"

۴۳۔ زیب غوری

اس قدر ہوش اے چاہنے والے رکھنا شمارہ ۲' دسمبر ۹۵ء ص۔ ۲۴۵

"س"

۴۴۔ سحر انصاری

جمال رحمت عالم کسی کے دل میں آ جائے شمارہ ۲' دسمبر ۹۵ء ص۔ ۲۳۹

۴۵۔ سرشار صدیقی

۱۔ عجب کیف حضوری میں ہے دل مجبور شمارہ ۱' اپریل ۹۵ء ص۔ ۲۵۲

۲۔ زاد راہ (نعتیہ نظم) شمارہ ۳' ستمبر ۹۶ء ص۔ ۳۰۰

۴۶۔ سرور بارہ بنکوی

۱۔ اللہ اللہ میری قسمت' ایسا رتبہ اور میں شمارہ ۱' اپریل ۹۵ء ص۔ ۲۴۷

۴۷۔ سرور بارہ بنکوی

۲۔ سرور حرف دعا کیسا مستجاب ہوا شمارہ ۳' ستمبر ۹۵ء ص۔ ۲۹۰

۴۸۔ سعید بدر

چار سو ارزاں ہوا ہے اہل ایماں کا لہو شمارہ ۱' اپریل ۹۵ء ص۔ ۲۴۳

۴۹۔ سعید وارثی

ضمانت سحر خوش نوا حضورؐ کا ذکر شمارہ ۱' اپریل ۹۵ء ص۔ ۲۵۵

۵۰۔ سلیم احمد

شوق بے حد' غم دل دیدۂ تر مل جائے شمارہ ۱' اپریل ۹۵ء ص۔ ۲۵۴

۵۱۔ سلیم کوثر
کچھ دھوپ ہے، کچھ جس کا صحرا مرے آقا شمارہ ۱، اپریل ۹۵ء ص۔ ۲۶۰

۵۲۔ سہیل غازی پوری
۱۔ جب گنبد خضراء پہ ٹھہرتی ہیں یہ آنکھیں شمارہ ۱، اپریل ۹۵ء ص۔ ۲۵۷
۲۔ چار نعتیہ ہائیکو۔ شمارہ ۳، ستمبر ۹۶ء ص۔ ۳۲۷

"ش"

۵۳۔ شارق شفیق الدین
۱۔ واللہ کے مقصود مشیت ہیں محمد شمارہ نمبر ۳، ستمبر ۹۶ء ص۔ ۳۱۲

۵۴۔ شارق، شفیق الدین
۲۔ قل ھو اللہ احد تک پہنچے شمارہ ۲، دسمبر ۹۵ء ص۔ ۲۴۶

۵۵۔ شاعر، حمایت علی
وہ ذات شہر علم تو ہم طالبان علم شمارہ ۳، ستمبر ۹۶ء ص۔ ۲۹۹

۵۶۔ شاعر لکھنوی
نبیؐ کے در پہ پہنچ کے خود کو مثال کرتی ہیں میری آنکھیں شمارہ ۱، اپریل ۹۵ء ص ۲۵۰

۵۷۔ شاہنواز مرزا نواز
مرے سامنے ہے روضہ یہ کرم ہے اس نظر کا شمارہ ۲، دسمبر ۹۵ء ص۔ ۲۵۱

۵۸۔ شاہین، فصیح ربانی
کبھی جب سفر کو نکلتی ہیں آنکھیں شمارہ نمبر ۳، ستمبر ۹۶ء ص ۳۲۲

۵۹۔ شبنم رومانی
۱۔ وہ اور میں (نعتیہ نظم) شمارہ ۱، اپریل ۹۵ء ص۔ ۱۱
۲۔ نام ان کا جو حرز جاں نہیں ہے ۳۔ جمال بے حد کی حد تک
۴۔ ثبوت حق کی جو دانشوروں سے بات ہوئی
۵۔ زیست جب تک ان کے خد و خال میں آئی نہ تھی
۶۔ رکھا ہے رحل دل پہ صحیفہ جو نور کا ۷۔ ورد کرتا ہوں میں صبح و شام آپ کا
۸۔ یہ مجھ سے نہ پوچھو کہاں ہیں محمدؐ ۹۔ کریں زیارت سرکار کی دعائیں ہم

۶۰۔ شبنم رومانی

۱۰۔ گریا جو میں نے صبح و مسا روز و شب کیا ۱۱۔ وہی کریں گے حفاظت ہماری جانوں کی
۱۲۔ کوئے جاناں حاصل دنیا نظر آنے لگا شمارہ ۲' دسمبر ۹۵ء ص ۱۸۳
(گوشۂ شبنم رومانی)

۶۱۔ شہزاد زیدی

رحمت عالم کی رحمت عام ہے شمارہ ۱' اپریل ۹۵ء ص۔ ۲۵۷

"ص"

۶۲۔ صبا اکبر آبادی

۱۔ کس نور کی شمع جل رہی ہے شمارہ ۲' دسمبر ۹۵ء ص ۲۳۵

۶۳۔ صبا اکبر آبادی

۲۔ وحدت ذات کی تبلیغ سراپا تم ہو ۳۔ وہ بزم پُر انوار کہاں اور کہاں میں
۴۔ بے مثل ہے زمین میں وہ آسماں میں وہ ۵۔ دیار پاک رسالت مآب دیکھا ہے
۶۔ ذکر احمدؐ کے سوا دل کا سکوں نا ممکن ۷۔ عشق محکم چاہئے احساس کامل چاہیے
۸۔ نگہ ترستی ہے طیبہ کے بام و در کے لیے
۹۔ ہر اک سمت جلوے ہیں نور خدا کے ۱۰۔ خدا سے اور میں کیا مانگتا بھی
(گوشہ صبا اکبر آبادی) شمارہ ۳' ستمبر ۹۶ء ص ۲۶۳۔ ۲۸۵

۶۴۔ صبیح رحمانی ۱۔ چار نعتیہ ہائیکو شمارہ ۲' دسمبر ۹۵ء ص۔ ۲۵۲
۲۔ مکاں ہے نور سے معمور لامکاں روشن شمارہ ۳' ستمبر ۹۶ء ص۔ ۳۲۵

۶۴۔ صفدر صدیق رضی

۱۔ محبوب خدا (نعتیہ نظم) شمارہ ۱' اپریل ۹۵ء ص۔ ۲۵۸

"ع"

۶۵۔ عاصم 'لیاقت علی

وہی صدیوں سے تغیر کا سفر ہے کہ جو تھا شمارہ ۲' دسمبر ۹۵ء ص۔ ۲۴۸

۶۷۔۶۶ عاصی کرنالی

نعت و مدحت کی فضاؤں میں مرا شہپر کھلا شمارہ ۲' دسمبر ۹۵ء ص۔ ۲۳۸

۶۷۔ عامر 'معراج حسن

نعت رنگ ۴

۱۔ مری خواہش کہ میرا بھی ہو کوئی گھر مدینے میں شمارہ ۲، دسمبر ۹۵ء ص۔ ۲۵۱

۲۔ چار نعتیہ ہائیکو۔ شمارہ ۳، ستمبر ۹۶ء

۶۸۔ عبدالنعیم عزیزی

نوروالشمس لٹاتی ہے سنہری جالی شمارہ ۳، ستمبر ۹۶ء ص۔ ۳۱۰

۶۹۔ عرش ہاشمی

۱۔ اے ماہ عجم، مہر عرب، سرور ذی جاہ شمارہ ۱، اپریل ۹۵ء ص۔ ۲۶۰

۲۔ پھر آج لب پہ جو مدحت حضورؐ آپ کی ہے شمارہ ۳، ستمبر ۹۶ء ص ۳۲۰

۷۰۔ عرفان بجنوری پروفیسر

عرض حالات بحضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم شمارہ ۳، ستمبر ۹۶ء ص ۳۰۹۔۳۰۸

۷۱۔ عزیز احسن

۱۔ نہ تو لوح کا تھا گماں کوئی نہ قلم دوات کا سلسلہ شمارہ ۱، اپریل ۹۵ء ص۔ ۲۵۹

۲۔ مدح کب تک شہ کونین شنیدہ لکھوں شمارہ ۲، دسمبر ۹۵ء ص۔ ۲۴۷

۳۔ تین نعتیہ ہائیکو شمارہ ۳، ستمبر ۹۶ء ص۔ ۳۲۷

"غ"

۷۲۔ غالب عرفان

ہم روح کائنات کی جانب سفر کریں شمارہ نمبر ۳، ستمبر ۹۶ء ص۔ ۳۱۴

۷۳۔ غیور احمد غیور آپؐ کی خو ہے عطا ہم گھرے حالات کے بیچ

"ف"

۷۴۔ فدا خالدی دہلوی

۱۔ تذکرہ آپؐ کا گفتگو آپؐ کی شمارہ ۱، اپریل ۹۵ء ص۔ ۲۴۸

۲۔ میرے دل کی طلب مدینہ ہے شمارہ ۳، ستمبر ۹۶ء ص۔ ۲۹۴

۷۵۔ فقیر، حافظ محمد افضل

شوق حرم پاک میں اٹھتے ہیں قدم تیز شمارہ ۱، اپریل ۹۵ء ص۔ ۲۴۸

"ق"

۷۶۔ قاسمی، احمد ندیم

عرش کے آخری پیام تجھ پہ درود اور سلام شمارہ ۳، ستمبر ۹۶ء ص۔ ۲۹۱

۷۷۔ قصری کانپوری

زمین تھی نہ فضا تھی نہ آسماں روشن شمارہ ۱' اپریل ۹۵ء ص۔ ۲۵۱

۷۸۔ قمر زیدی

۱۔ تخیل جب عقیدت کی حد آخر تک آجائے (قطعہ) شمارہ ۳' ستمبر ۹۶ء ص۔ ۲۲۸

۲۔ قلم چراغ' سیاہی کا نور ہو جاتا شمارہ نمبر ۳' ستمبر ۹۶ء ص۔ ۳۱۹

۷۹۔ قمر عباس قمر

ذرہ خاک سے پھر مہ و اختر بن جائے۔ شمارہ ۲' دسمبر ۹۵ء ص۔ ۲۵۰

۸۰۔ قمر وارثی

۱۔ سب اسم لبوں کا نور آقا۔ شمارہ ۱' اپریل ۹۵ء ص۔ ۲۵۶

۸۱۔ قمر وارثی

۲۔ چراغ ذکر و فکر مصطفیٰؐ سے کیا نہیں روشن۔ شمارہ ۳' ستمبر ۹۶ء ص۔ ۳۱۹

"ک"

۸۲۔ کشفی' ڈاکٹر سید ابوالخیر

۱۔ ہے یاد تری اپنا ہنر سید عالمؐ۔ شمار نمبر ۱ اپریل ۹۵ء ص۔ ۲۵۳

۲۔ ہشام علی حافظ کی عربی نعتیہ نظم کے ابتدائیہ کا ترجمہ "نقش ہے وجدان پر میرے" شمارہ ۲' دسمبر ۹۵ء ص۔ ۲۵۳

۳۔ میری پلکوں کا گھر آپؐ سے وابستہ ہے' ۴۔ اس رحمت عالم کی عطا سب کے لیے ہے'

۵۔ ذہن کو اپنے سجالوں تو ترا نام لکھوں ۶۔ تو حرف دعا ہے مرے مولا' مرے آقاؐ

۷۔ ہے یاد تری اپنا ہنر سید عالمؐ ۸۔ طیبہ کی ہوا مدحت سرکارؐ کی قاصد

۹۔ فضا میں ان کے ہونٹوں کی صدا ہے' ۱۰۔ لب عیسیٰؑ پہ بشارت کی جو مشعل تھا کبھی

۱۱۔ ظلمت نے چراغ اپنے بجھائے تو ہیں لیکن ۱۲۔ بشر ہے وہ مگر عکس صفات ایسا ہے

۱۳۔ نعتیہ نظمیں ۱۴۔ قصیدہ بردہ شریف کا ایک نقش

۱۵۔ ہزار بار بروں..... (نظم) ۱۶۔ نعتیہ واکا ۱۷۔ نعتیہ ہائیک۔

۸۲۔ کشفی' ڈاکٹر سید ابوالخیر

۱۸۔ یک مصرعی نظم (سخن مختصر) (گوشہ کشفی) شمارہ ۳' ستمبر ۹۶ء ص ۲۷۴۔ ۲۶۳

۸۳۔ کوثر علی

دور کر دیتی ہیں مہجور کی دوری نعتیں شمارہ ۲' دسمبر ۹۵ء ص-۲۴۸

"م"

۸۴- مجید فکری

مدینہ جگمگاتا آسماں ہے شان و شوکت کا- شمارہ ۱' اپریل ۹۵ء ص-۲۶۱

۸۵- محسن بھوپالی

۱- آپ کے قدموں کو فرش کہکشاں بخشا گیا- شمارہ ۳' ستمبر ۹۶ء ص ۳۰۱

۲- چار نعتیہ ہائیکو- شمارہ ۳' ستمبر ۹۶ء ص-۳۲۶

۸۶- محمود' راجا رشید

جس کی نظروں میں زرپائے پیمبر چمکے' شمارہ ۲' دسمبر ۹۵ء ص-۲۳۰

۸۷- مسرور کیفی صاحب جودوسخا تک آگئے' شمارہ ۱' اپریل ۹۵ء ص-۲۵۱

۸۸- مصور لکھنوی

ہیں کتنی جامع و محکم رسولؐ کی باتیں- شمارہ ۲' دسمبر ۹۵ء ص-۲۳۶

۸۹- مظفر وارثی

قدم قدم پہ خدا کی مدد پہنچتی ہے- شمارہ ۳' ستمبر ۹۶ء ص-۲۹۸

۹۰- مظہر جان جاناں' مرزا

ایک شاہکار نعت (فارسی) رسول مقبول (منظوم ترجمہ' سحر انصاری)

خدا در انتظار حمد ما نیست (فارسی)

ہماری حمد کا طالب خدا ئیس (اردو) (مرسلہ: عزیز احسن) شمارہ ۳' ستمبر ۹۶ء ص-۲۸۹

۹۱- معراج جامی' سید

جب یورش الم سے پریشان ہو گیا' شمارہ ۳' ستمبر ۹۶ء ص-۳۲۰

۹۲- منظور ملتانی نعتیہ سانیٹ- شمارہ ۱' ستمبر ۹۶ء ص-۳۲۱

"ن"

۹۳- ناظم' بشیر حسین

۱- مرغ جاں دام ولائے شہ کونین میں ہے- شمارہ ۱- اپریل ۹۵ء ص-۲۵۵

۲- اے صاحب اخلاق عظیمہ وا ینتہ- شمارہ ۲' دسمبر ۹۵ء ص ۲۴۰

۹۴- نعیم حامد علی' سید

تڑپ اٹھی ہے دل میں آج نعت مصطفےٰ کہیے۔ شمارہ ۲، دسمبر ۹۵ء ص۔ ۲۴۴

۹۵۔ نعیم تقوی

بروئے آیہ قرآں وہ بولتا بھی نہیں۔ شمارہ ۲، دسمبر ۹۵ء ص۔ ۲۳۸

۹۶۔ نعیم صدیقی حب رسولؐ پائی ہے۔ شمارہ ۳، ستمبر ۹۶ء ص۔ ۲۹۳

۹۷۔ نفیس القادری

جمال آپ کا لالہ زاروں میں چمکا۔ شمارہ ۲، دسمبر ۹۵ء ص۔ ۲۵۰

۹۸۔ نقوی احمد پوری اے سید والا کرم۔ شمارہ ۳، ستمبر ۹۶ء ص۔ ۳۰۷

۹۹۔ نیّر مدنی مرحوم

انوار فروش دو عالم ہے اک شمع جمیل بزم احد۔ شمارہ ۲، دسمبر ۹۵ء ص۔ ۲۳۷

"و"

۱۰۰۔ واصل عثمانی

جب فزوں حد سے رنج و الم ہو گیا۔ شمارہ ۳، ستمبر ۹۶ء ص۔ ۳۰۳

۱۰۱۔ والی آسی

مدّت سے تمنا ہے دل میں یوں نعت شہ ابرارؐ لکھیں۔ شمارہ ۳، ستمبر ۹۵ء ص۔ ۳۰۲

۱۰۲۔ وسیم بریلوی

مدینہ حاضری دینے کا یہ معیار ہو جائے۔ شمارہ ۳، ستمبر ۹۶ء ص۔ ۳۰۳

وضاحت نسیم اذن سفر (نعتیہ نظم) شمارہ ۲، دسمبر ۹۵ء ص۔ ۲۴۹

۱۰۴ ۔ وقار صدیقی

۱۔ کس شان سے ہیں شاہد و مشہود محمدؐ۔ شمارہ ۱۔ اپریل ۹۵ء ص۔ ۲۵۲

۲۔ یہ اعتراف ہے لازم مگر اذاں کی طرح۔ شمارہ ۳، ستمبر ۹۶ء ، ص۔ ۲۹۹

"ہ"

۱۰۵۔ ہشام علی، حافظ (عربی شاعری) محمد میرا بیٹا، نظم (منظوم ترجمہ: سید محمد ابوالخیر کشفی)

شمارہ ۳، ستمبر ۹۶ء ص ۲۸۸۔۲۸۶

۱۰۶۔ یعقوب غزنوی، محمد چار نعتیہ ہائیکو۔ شمارہ ۲، دسمبر ۹۵ء ص۔ ۲۵۲

تبصرے

"ت"

۱۔ تائب، حفیظ

۱۔ نعتوں کے گلاب" پر ایک نظر (عاصی کرنالی کا دوسرا نعتیہ مجموعہ)

شمارہ۱، اپریل ۹۵ء ص ۳۰۳۔۲۹۸

۲۔ مجلہ "اوج" گورنمنٹ کالج شاہدرہ لاہور "نعت نمبر" ۹۳ء (نعتیہ شاعری کا انتخاب دو جلدوں میں) مرتبہ:۔ ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی۔ شمارہ۲، دسمبر ۹۵ء ص ۲۰۶۔ ۲۰۵

۳۔ ماہنامہ "نعت" لاہور کی آٹھویں سالگرہ کا تفصیلی تعارف و جائزہ

مدیر۔ راجا رشید محمود۔ شمارہ۲، دسمبر ۹۵ء ص ۲۱۶۔ ۲۱۴ اور ۲۲۲ پر

تحسین فراقی، ڈاکٹر

کتاب "بیعت" (مجموعۂ نعت پر چند تاثرات) مصنف: جعفر بلوچ۔ شمارہ۱، اپریل ۹۵ء ص ۳۱۶۔۳۱۱

"ح"

۲۔ حنیف اسعدی

۱۔ "ذکر ارفع" (مجموعۂ نعت) مصنف : مبارک مونگیری۔ شمارہ۱، اپریل ۹۵ء ص۔ ۲۶۳

۲۔ کتاب "پاکستان میں نعت" تالیف : راجا رشید محمود۔ شمارہ۱، اپریل ۹۵ء ص۔ ۲۶۴

۲۔ حنیف اسعدی

۳۔ کتاب = کنف الوریٰ (نعتیہ مجموعہ) مصنف : قمر وارثی۔ شمارہ۱، اپریل ۹۵ء ص ۲۶۶۔ ۲۶۴

۴۔ کتاب "راہ نجات" مدحیہ تالیف۔ غلام مجتبیٰ اسعدی۔ شمارہ۱، اپریل ۹۵ء ص ۲۶۷۔ ۲۶۶

۵۔ کتاب "اشکوں کے پھول" مصنف : مانی فاروقی۔ شمارہ۱، اپریل ۹۵ء ص ۲۶۸۔ ۲۶۷

کتاب:۔ سرکار (نعتیہ مجموعہ) مصنف: اختر لکھنوی شمارہ۱، اپریل ۹۵ء ص ۲۷۱۔۲۶۹

۲۔ حنیف اسعدی

۷۔ کتاب : "حرف معتبر" (نعتیہ مجموعہ) مصنف : شاہ ستار وارثی۔ شمارہ۲، دسمبر ۹۵ء ص ۱۹۸۔۱۹۷

۸۔ کتاب : "اللّٰھم صلّ علیٰ محمدؐ" (نعتیہ مجموعہ) مصنف : ریاض مجید۔ شمارہ ۲،
دسمبر ۹۵ء ص ۲۰۰۔ ۱۹۸

۹۔ کتاب : "زر معتبر" (نعتیہ مجموعہ) مصنف : ریاض حسین چودھری۔ شمارہ ۲،
دسمبر ۹۵ء ص ۲۰۱۔ ۲۰۰

۱۰۔ کتاب: "خیر کثیر" (مجموعۂ نعت) مصنف : سید سلمان رضوی۔
شمارہ ۲، دسمبر ۹۵ء ص ۲۰۳۔ ۲۰۱

حنیف اسعدی

کتاب : "عالم رحمت" (نعتیہ مجموعہ) مصنف : شاداں دہلوی۔
شمارہ ۲، دسمبر ۹۵ء ص ۲۰۴۔ ۲۰۳

"ش"

شارق، شفیق الدین

۱۔ "نعت رنگ" پہلا شمارہ۔ ایک جائزہ۔ مرتب : صبیح رحمانی۔ شمارہ ۲، دسمبر ۹۵ء ص ۲۱۴۔ ۲۰۸

۲۔ کتاب : "سب اچھا کہیں جسے" (مجموعۂ نعت) مصنف : انعام گوالیاری۔ شمارہ ۳،
ستمبر ۹۶ء ص ۲۳۸۔ ۲۳۶

۳۔ شارق، شفیق الدین

۳۔ کتاب: آپؐ صلی اللہ علیہ وسلم" (نعتیہ مجموعہ)
مصنف: حنیف اسعدی۔ شمارہ ۳، ستمبر ۹۶ء ص ۲۴۰۔ ۲۳۸

۴ کتاب: کلام لا کلام، (نعتیہ مجموعہ) مصنف : شاہ انصار الہ آبادی شمارہ نمبر ۳، ستمبر ۹۶ء
ص ۲۴۲۔ ۲۴۰

۵۔ کتاب "رنگ روشنی خوشبو" (نعتوں کا مجموعہ) مصنف: سجاد سخن۔ شمارہ ۳،
ستمبر ۹۶ء ص ۲۴۴۔ ۲۴۲

۳۔ شارق، شفیق الدین

۶۔ کتاب: "سارے حرف گلاب" (نعتیہ مجموعہ) مصنف: شوکت ہاشمی۔ شمارہ ۳، ستمبر ۹۶ء
ص ۲۴۶۔ ۲۴۴

۷۔ کتاب: "مہر جہاں تاب" (نعتیہ کلام) مصنف: مقبول شارب۔ شمارہ ۳،
ستمبر ۹۶ء ص ۲۴۸۔ ۲۴۶

۸۔ کتاب: "مایۂ دل نشیں" مصنف: وجاہت شوقی۔ شمارہ ۳، ستمبر ۹۶ء صفحہ ۲۵۰۔ ۲۴۸

۳۔ شارق، شفیق الدین

۹۔ کتاب: "خوشبو سے آسماں تک" (حمد و نعت کا مجموعہ) مرتبین: قمر وارثی اور اختر لکھنوی
شمارہ ۳، ستمبر ۹۶ء ص ۲۵۳۔ ۲۵۰

۱۰۔ کتاب "حریم نعت" (نعتیہ مجموعہ) مرتب: رئیس احمد۔ شمارہ ۳، ستمبر ۹۶ء ص ۲۵۴۔
۲۵۳

۱۱۔ ماہنامہ "نعت" لاہور (ردیف "الف" میں کہی گئی نعتوں کا تذکرہ) مدیر: راجا رشید محمود۔
شمارہ ۳، ستمبر ۹۶ء
ص ۲۵۷۔ ۲۵۵

"خطوط"

۱۔ آرزو، ڈاکٹر مختار الدین (بھارت سے) شمارہ ۳، ستمبر ۹۶ء ص۔ ۳۲۹

۲۔ احسان الحق۔ ڈاکٹر (کراچی سے) شمارہ ۳، ستمبر ۹۶ء ص۔ ۳۳۷

۳۔ احمد صغیر صدیقی (کراچی سے) شمارہ ۳، ستمبر ۹۶ء ص ۳۴۹۔ ۳۴۸

۴۔ ارشد اقبال (لاہور سے) شمارہ ۳، ستمبر ۹۶ء ص ۳۵۱۔ ۳۵۰

۵۔ اشتیاق طالب (کراچی سے) شمارہ ۳، ستمبر ۹۶ء ص ۳۴۷۔ ۳۴۶

۶۔ اشفاق، ڈاکٹر رفیع الدین (بھارت سے) شمارہ ۳، ستمبر ۹۶ء ص۔ ۳۳۰

۷۔ اقبال احمد فاروقی، پیرزادہ (لاہور سے) شمارہ ۳، ستمبر ۹۶ء ص ۳۴۶۔ ۳۴۴

۸۔ انور سدید (لاہور سے) شمارہ ۳، ستمبر ۹۶ء ص۔ ۳۵۵

۹۔ تائب، حفیظ
(لاہور سے) ۱۔ شمارہ ۲، دسمبر ۹۵ء ص ۳۱۰۔ ۳۰۸، ۲۔ شمارہ ۳، ستمبر ۹۵ء ص ۳۳۵۔ ۳۳۴

۱۰۔ تحسین فراقی۔ ڈاکٹر (لاہور سے) شمارہ ۳، ستمبر ۹۶ء ص ۳۳۷۔ ۳۳۵

"ج"

۱۱۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر (کراچی سے) شمارہ ۳، ستمبر ۹۶ء، ص۔ ۳۲۹

"ر"

۱۲۔ راغب مراد آبادی (کراچی سے) شمارہ ۲، دسمبر ۹۵ء ص۔ ۳۰۲

۱۳۔ ریاض حسین چودھری (لاہور سے) شمارہ ۲' دسمبر ۹۵ء ص۔ ۳۱۱

"س"

۱۴۔ سجاد سخن (کراچی سے) شمارہ ۳' ستمبر ۹۶ء ص۔ ۳۵۰

۱۵۔ سعید' حکیم محمد (کراچی سے) شمارہ ۲' دسمبر ۹۵ء ص ۲۹۶۔ ۲۹۵

"ش"

۱۶۔ شاہنواز' مرزا (کراچی سے) شمارہ ۲' دسمبر ۹۵ء ص۔ ۳۱۴

۱۷۔ شبنم رومانی (کراچی سے) شمارہ ۲' دسمبر ۹۵ء ص ۳۰۶۔ ۳۰۵

۱۸۔ شبیر احمد قادری (فیصل آباد سے) شمارہ ۳' ستمبر ۹۶ء ص ۳۵۰۔ ۳۴۹

۱۹۔ عاصی کرنالی' پروفیسر (ملتان سے) شمارہ ۳' ستمبر ۹۶ء ص۔ ۳۳۴

۲۰۔ عبدالنعیم عزیزی' ڈاکٹر (بریلی بھارت سے) شمارہ ۳' ستمبر ۹۶ء ص ۳۳۴۔ ۳۳۰

۲۱۔ عرش ہاشمی (اسلام آباد سے) شمارہ ۲' دسمبر ۹۵ء ص ۳۱۲۔ ۳۱۱

"ف"

۲۲۔ فرمان فتح پوری' ڈاکٹر (کراچی سے) شمارہ ۲' دسمبر ۹۵ء ص ۲۹۷۔ ۲۹۶

"ک"

۲۳۔ کشفی' ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر (کراچی سے) شمارہ ۲' دسمبر ۹۵ء ص ۳۰۱۔ ۲۹۷

۲۴۔ کوکب نورانی اوکاڑوی (کراچی سے) شمارہ ۲' دسمبر ۹۵ء ص ۳۰۵۔ ۳۰۴

۲۵۔ لطفی' عبدالقیوم (سعودی عرب سے) شمارہ ۳' ستمبر ۹۶ء ص۔ ۳۳۸

"م"

۲۶۔ مجید فکری (کراچی سے) شمارہ ۲' دسمبر ۹۵ء ص ۳۱۴۔ ۳۱۳

۲۷۔ محسن بھوپالی (کراچی سے) شمارہ ۳' ستمبر ۹۶ء ص۔ ۳۳۹

۲۸۔ مشفق خواجہ (کراچی سے) شمارہ ۲' دسمبر ۹۵ء ص ۳۰۷۔ ۳۰۶

۲۹۔ مصباح الدین شکیل' شاہ (کراچی سے) شمارہ ۲' دسمبر ۹۵ء ص ۳۰۴۔ ۳۰۳

۳۰۔ مظفر وارثی (لاہور سے) شمارہ ۲' دسمبر ۹۵ء ص ۳۱۱۔ ۳۱۰

"ن"

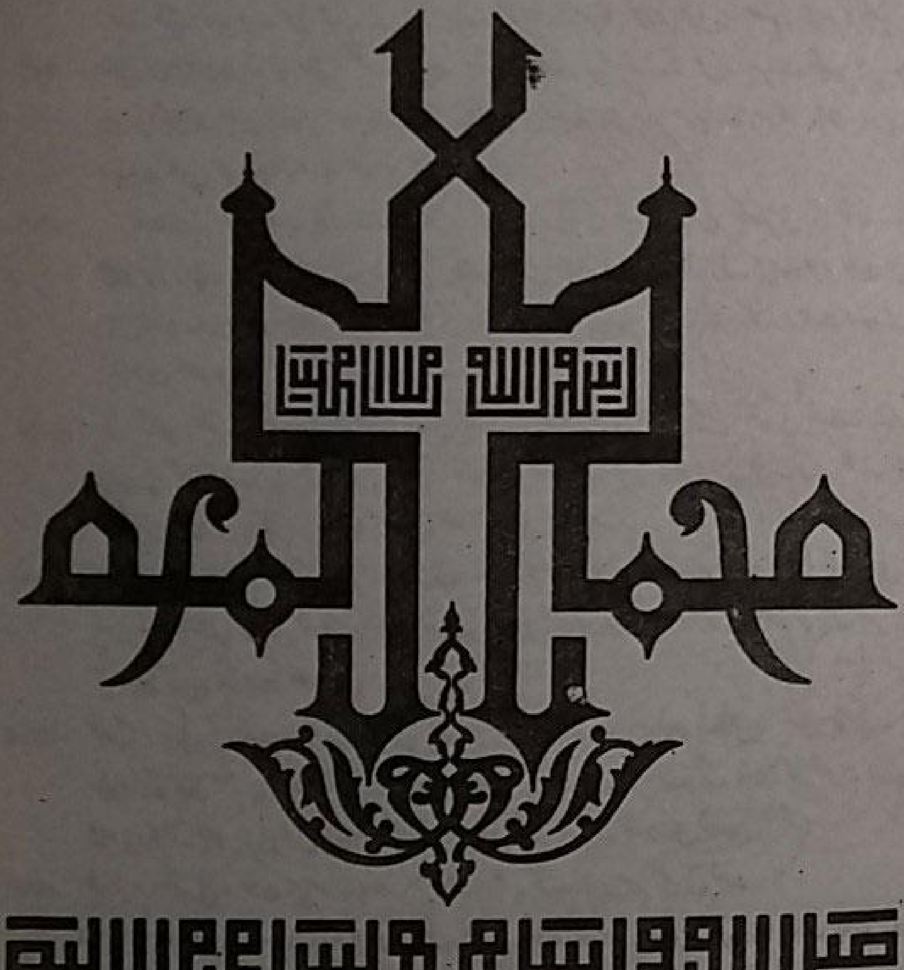
۳۱۔ نقوی احمد پوری (احمد پور شرقیہ سے) شمارہ ۳' ستمبر ۹۶ء ص ۳۴۴۔ ۳۳۹

"و"

۳۲۔ وامق عدنان (لندن سے) شمارہ ۳، ستمبر ۹۶ء ص ۳۲۸۔۳۲۷

۳۳۔ وسیم بریلوی، پروفیسر (بھارت سے) شمارہ ۳، ستمبر ۹۶ء ص۔۳۲۷

○



ماہنامہ "نعت" کے گزشتہ شمارے

1988- حمد باری تعالیٰ۔ نعت کیا ہے؟ مدینۃ الرسول ﷺ (اول و دوم) اردو کے صاحب کتاب نعت گو (اول و دوم)۔ نعت قدسی۔ غیر مسلموں کی نعت (اول)۔ رسول ﷺ نمبروں کا تعارف (اول)۔ میلاد النبی ﷺ (اول، دوم، سوم)

1989- لاکھوں سلام (اول و دوم)۔ رسول ﷺ نمبروں کا تعارف (دوم) معراج النبی ﷺ (اول و دوم)۔ غیر مسلموں کی نعت (دوم) کلام ضیاء القادری (اول و دوم)۔ اردو کے صاحب کتاب نعت گو (سوم)۔ درود و سلام (اول، دوم، سوم)

1990- حسن رضا بریلوی کی نعت۔ آزاد بیکانیری کی نعت (اول)۔ وارثیوں کی نعت۔ درود و سلام (چہارم تا ہشتم)۔ رسول ﷺ نمبروں کا تعارف (سوم)۔ غیر مسلموں کی نعت (سوم)۔ اردو کے صاحب کتاب نعت گو (چہارم)۔ میلاد النبی ﷺ (چہارم)

1991- شہیدان ناموس رسالت (اول تا پنجم)۔ غریب سہارنپوری کی نعت۔ اقبال کی نعت۔ فیضان رضا۔ نعتیہ مسدس۔ عربی ادب میں ذکر میلاد۔ سراپائے سرکار ﷺ (اول)۔ حضور ﷺ کا بچپن

1992- نعتیہ رباعیات۔ آزاد نعتیہ نظم۔ سیرت منظوم۔ نعت کے سائے میں۔ حیات طیبہ میں پیر کے دن کی اہمیت (اول، دوم، سوم)۔ آزاد بیکانیری کی نعت (دوم)۔ سراپائے سرکار ﷺ (دوم)۔ سفر سعادت منزل محبت (اشاعت خصوصی)

1993- (قطعات)۔ عربی نعت اور علامہ نبہانی۔ ستار وارثی کی نعت۔ بہزاد لکھنوی کی نعت۔ حضور ﷺ اور بچے۔ حضور ﷺ کے سیاہ فام رفقا۔ رسول ﷺ نمبروں کا تعارف (چہارم)۔ نعت ہی نعت (اول)۔ یا رسول اللہ ﷺ۔ حضور ﷺ کی رشتہ دار خواتین۔ تسخیر عالمین اور رحمت للعالمین ﷺ (اشاعت خصوصی)

1994- محمد حسین فقیر کی نعت۔ اختر الحامدی کی نعت۔ شیوا بریلوی اور جمیل نظر کی نعت۔ بے چین رجپوری کی نعت۔ دیار نور۔ تضمینیں۔ نعت ہی نعت (دوم و سوم) نور علی نور۔ حضور ﷺ کی معاشی زندگی۔ مدینۃ الرسول ﷺ (سوم)۔ معراج النبی ﷺ (سوم)

1995- حضور ﷺ کی عادت کریمہ۔ استغاثے۔ نعت کیا ہے؟ (دوم، سوم، چہارم)۔ نعت ہی نعت (چہارم و پنجم)۔ کافی کی نعت۔ انتخاب نعت۔ خواتین کی نعت گوئی (اشاعت خصوصی)۔ غیر مسلموں کی نعت گوئی (اشاعت خصوصی)

1996- لطف بریلوی کی نعت۔ ہجرت مصطفیٰ ﷺ۔ سرکار ﷺ دی سیرت (پنجابی)۔ ظہور قدسی۔ حضور ﷺ کے لفظ "آپ" کا استعمال۔ مجھے ان ﷺ سے پیار ہے۔ انک کے نعت گو شعرا۔ اردو نعتیہ شاعری کا انسائیکلو پیڈیا (اول و دوم --- دو خصوصی اشاعتیں)۔ نعت ہی نعت (ششم)

1997- شہر کرم (جنوری)۔ نعت ہی نعت (حصہ ہفتم)۔ ہوا یہ کہ۔ جوہر میرٹھی کی نعت

ہر شمارہ کم از کم 112 صفحات۔ معیاری طباعت۔ چار رنگا سرورق۔ ہر شمارہ خاص نمبر۔ زر سالانہ 200 روپے۔

فی شمارہ: 15 روپے

ماہنامہ "نعت" لاہور۔ اکبر منزل دنبو شالامار کالونی۔ ملتان روڈ۔ لاہور۔ کوڈ 54500

جو لوگ آج محمدؐ کا نام لیتے ہیں
نپاک بلکہ تفاخر سے کام لیتے ہوئے

کبھی یہ لوگ گریبان جھانک کر دیکھیں
تو شرم آئے محمدؐ کا نام لیتے ہوئے

انور شعور

